

AL-FURQAN TRUST

اسلام میں

اختلاف

کے اصول و آداب

ڈاکٹر طہ جابر فیاض العلوانی

ناشر

AL-FURQAN TRUST

الفرقان ٹرسٹ : خان گڑھ ضلع مظفر گڑھ، گل والا فون: 066-2611270

وکیل معتمد

مکتبۃ الکتاب

مکتبہ الکتاب: حق سٹریٹ، اردو بازار لاہور فون: 0321-4210145

AL-FURQAN TRUST

اسلام میں اختلاف کے اصول و آداب

ڈاکٹر طٰہٰ جابر فیاض العلوانی

الفرقان ٹرسٹ، خان گڑھ ضلع مظفر گڑھ، پاکستان

نام کتاب

اسلام میں اختلاف کے اصول و آداب

تالیف

ڈاکٹر طہٰ جابر فیاض العلوانی

مجموعہ کتب

- اختلافی مسائل میں ذاتی میلانات و رجحانات کا اثر — شیخ عبداللہ بن محمد الغنیمان
- سلیقۂ اختلاف — ڈاکٹر صالح بن عبداللہ بن حمید

سعودی عرب

دار العلوم النحيه للنشر والتوزيع

س ت: ١٠١٠٢٠٤٨٧٦

فرع: مركز الجامع التجاري شارع باخشب جده

معرض: ٠٢٦٣٣٦٦٤٠ فاكس: ٠٢٦٨٧٤٥٥٧

المكتب الرئيسي الرياض، حي الفيصلة

هاتف: ٠١٢٤٢٣١٢٦

مكتبه دار الفرقان، الرياض

هاتف: ٠١-٤٣٥٨٦٤٦، ٠٥٦٣٠٦٤٧٣٦، ٠٥٠٧٤١٩٩٢١

مكتبه بيت السلام، الرياض

هاتف: ٠١-٤٤٦٠١٢٩، ٠٥٠٥٤٤٠١٤٧، ٠٥٠٢٠٣٣٢٦٠

پاکستان

الفرقان ٹرسٹ: خان گڑھ ضلع مظفر گڑھ، گل والا فون: 066-2611270

مکتبہ الکتاب: حق سٹریٹ، اردو بازار لاہور فون: 0321-4210145

اسلامی اکیڈمی: الفضل مارکیٹ، اردو بازار لاہور فون: 042-7357587

کتاب سرائے: الحمد مارکیٹ، اردو بازار لاہور فون: 042-7320318

نعمانی کتب خانہ: حق سٹریٹ، اردو بازار لاہور فون: 042-7321865

مکتبہ اسلامیہ: غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور فون: 042-7244973

مکتبہ قدوسیہ: غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور فون: 042-7351124

ھیثم بک کارنر: 38 غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون: 042-7242970

فضلی بک سپر مارکیٹ: نزد ریڈیو پاکستان کراچی فون: 021-2212991

فہرست مضامین

تیسری فصل...... استنباط میں مناہج ائمہ کا اختلاف

چوتھی فصل......اسباب اختلاف اور اس میں تبدیلیاں

پانچویں فصل......اختلاف ائمہ اور اس کے آداب

تقدیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِينُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا ۔ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ۔ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ...... وَبَعْدُ!

''ادب الاختلاف فی الاسلام'' از ڈاکٹر طٰہٰ جابر فیاض علوانی سلسلۂ ''کتاب الامۃ'' (محکمہ شرعی واُمور مذہبی قطر) کی نویں کتاب ہے۔ جس کا ان کی کوششوں میں ایک نیا اور قابل ذکر حصہ ہوگا۔ جو تہذیبی شعور کی بازیابی، اسلامی عمارت میں شگاف کی اصلاح اور داخلی انتشار وخلفشار پیدا کرنے والے فکری بحران کے استیصال کے لیے کی جا رہی ہیں۔ اور جس کے ذریعہ مسلمانوں کے اندر ایمانی فہم وفراست کی خفیہ صلاحیتیں بیدار کر کے انہیں غیر اسلامی معاشروں، غلط اور نقصان دہ سرگرمیوں اور کج فہمیوں سے دُور رکھ کر ایک صحیح رُخ پر بھی لگایا جا سکتا ہے۔

ایمانی فراست و دُور اندیشی اور فکر سلیم ہی ہمارے سارے تعلقات اور سرگرمیوں کے جواز وافادیت کی حقیقی ضمانت، باہمی اختلافات کے تصفیہ اور دلوں کی دُوریاں ختم کرنے کی آخری پناہ گاہ ہے۔ علم و دانش کی ہمارے درمیان کوئی کمی نہیں۔ لیکن سب سے اہم مسئلہ جس سے ہم دوچار ہیں وہ یہ ہے کہ صحیح راہنما اُصول اور سنگ میل جس سے ہمیں علم ومعرفت کی راہ مستقیم اور سلامتی کی نعمت ملتی ہے اسے ہم کھو بیٹھے۔ علم تو ہم نے پا لیا مگر اس کے آداب سے غافل ہو گئے۔ وسیلہ تو مل گیا مگر مقصد ہاتھ سے جاتا رہا۔ امر مباح ومندوب اور فرض وواجب پر ہمارے اختلافات نے ہم سے بہت سی چیزیں چھین لیں۔ ''فن اختلاف'' میں ہمیں مہارت

حاصل ہوگئی مگراس کے اُصول وآداب اور اخلاقی قدروں سے عملاً ناآشنا ہی رہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ داخلی انتشار وافتراق کے ہم ایسے شکار ہوئے کہ اس نے ہمیں اس ناکام زندگی کے دن دکھائے اور ہر میدان میں مسلمان اتنے مائل بانحطاط اور زوال پذیر ہوئے کہ ان کی ہوا ہی اُکھڑ گئی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ﴾ (الانفال: ٤٦)

''اور آپس میں جھگڑا نہ کرو کہ تم ناکام ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی۔''

گذشتہ اہل مذاہب وادیان کی بیماریوں سے بچنے اور عبرت ونصیحت حاصل کرنے کے لیے ان کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِيَعًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝﴾ (الروم: ٣١،٣٢)

''اور مشرکوں میں سے نہ بنو جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کیا اور گروہ گروہ ہوگئے جس کے پاس جو ہے اسی پر وہ خوش ہے۔''

وہ اختلاف جو انتشار وافتراق کا سبب بنے اسے اللہ تعالیٰ نے سیرت نبویؐ سے دُور قرار دے کر رسول اللہ ﷺ کی طرف اس کا انتساب بھی ختم فرمادیا۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ﴾

(الانعام: ١٥٩)

''جنہوں نے اپنے دین میں الگ الگ راستے نکالے اور کئی گروہ ہوگئے آپ کا ان سے کچھ علاقہ نہیں۔''

اہل کتاب میں بھی علم ودانش کی کمی نہ تھی لیکن انہوں نے اپنے علوم ومعارف کو باہمی شر وفساد کا ذریعہ بنالیا۔ اس لیے انہیں تباہیوں اور ہلاکتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَ مَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ

﴿بَغۡيًۢا بَيۡنَهُمۡ﴾ (آل عمران: ١٩)

"اور اہل کتاب اس وقت پھوٹ میں پڑے جب ان کے پاس علم آ گیا جلن اور سرکشی کی وجہ سے۔"

ہمیں اپنے گریبان میں منہ ڈال کر خود سے یہ سوال کرنا چاہیے کہ:

کیا ہم کتاب مقدس کی بجائے اہل کتاب کی بیماریوں کے وارث ہو گئے؟ اور کیا علم و معرفت کے اُصول اور تقاضوں کو چھوڑ کر بغاوت وسرکشی کی میراث ہم نے پائی ہے؟

اختلاف وفساد انگیزی اور دین میں تفرقہ اندازی ہی اہل کتاب کا ایسا مرض نظر آتا ہے جس سے وہ ہلاک ہو گئے۔ ان کے دین مٹنے لگے اور ان کے واقعات و حادثات وارثین کتاب ونبوت کے لیے سامانِ عبرت وموعظت بنتے گئے۔

مسلمانانِ عالم کے لیے تو نسخ وتبدیلی ممکن نہیں کیونکہ وہ آخری رسول کے وارث، ان کے پیغام کے حامل اور اس کے داعی ہیں۔ اسی لیے یہ مرض ان کا کام تمام نہ کر سکے گا۔ ہاں اس کا وجود ان میں باقی رہ کر انہیں دائمی ضعف وکمزوری میں مبتلا رکھے گا یا ان کا مناسب علاج کیا جائے تو وہ شفایاب اور صحت مند ہو کر اُٹھ کھڑے ہوں اور اندرونی نقاہت سے انہیں نجات ملے۔ جو نجات وامان کہ صرف اُمت محمدیہ ہی کی خصوصیت ہے۔

عالم اسلام آج جن تہذیبی مسائل، مسلم فکری ڈھانچے، اخلاقی بحران اور اس کے خطرات سے دوچار ہے اس سے اسی صورت میں چھٹکارا پایا جا سکتا ہے کہ پہلے جیسا اخلاق وکردار اس میں دوبارہ پیدا کیا جائے۔ اس کے سوچنے سمجھنے کا مناسب رُخ متعین کیا جائے اور فکری بحران کی بنیادیں تلاش کر کے ان کی مکمل اصلاح کی جائے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو ہماری ہر کوشش رائیگاں اور بے کار جائے گی۔

بلاشبہ یہ بات بھی صحیح ہے کہ اُمور ومعاملات میں رائے اور نقطہ نظر کا اختلاف ایک فطری چیز ہے جس کا انفرادی خصوصیتوں سے بڑی حد تک تعلق ہے اور کسی ایسی اجتماعی زندگی کی تشکیل ناممکن ہے جو ایک جیسی صلاحیت ولیاقت اور یکساں انداز رکھنے والے افراد پر مشتمل

ہو۔ کیونکہ انسانی ذہن اور اس کے اعمال کی الگ الگ مہارتیں ہوا کرتی ہیں اور صلاحیتوں کا فرق اور تفاوت ضروری بھی ہے۔ حکمت خداوندی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ تخلیقی یا اکتسابی انفرادی خصوصیتیں رکھنے کے باوجود انسان اور مسائل زندگی میں مناسب حد تک یکسانیت اور ہم آہنگی ہو۔ اسی لیے لوگ باہم مختلف نظر آتے ہیں اور ہر انسان اپنی حاصل شدہ تخلیقی صلاحیتوں کی راہ پر گامزن ہے۔ خود مسلمانوں کے اندر مختلف درجات ہیں۔ کوئی نیکیوں اور بھلائیوں کے طلب میں سرگرداں ہے تو کوئی اعتدال کی راہ پر چل رہا ہے اور کوئی اپنی بداعمالی سے اپنے اوپر ظلم کر رہا ہے:

﴿وَ لَوْشَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ﴾

(هود: ١١٨)

”اگر تمہارا رب چاہتا تو سب آدمیوں کو ایک ہی اُمت بنا دیتا اور وہ تو ہمیشہ اختلاف میں رہیں گے۔“

مسلمانوں کے عہد زوال وانحطاط میں نقطہ نظر کا اختلاف، شادابی فکر و رائے، متعدد رجحانات سے باخبری، معاملات کے سارے گوشوں اور پہلوؤں پر دقت نظر اور تبادلہ خیالات میں سنجیدگی و متانت کا صحت مند کردار اپنانے کی بجائے داخلی و باہمی انتشار و خلفشار اور جنگ و جدال کا ذریعہ بن گیا۔ اختلافات اس حد تک بڑھے کہ مسلمان ایک دوسرے کی جان کے درپے ہو گئے اور ماضی و حال کی اسلامی تاریخ میں ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ مخالف کو زیر کرنے اور اس پر غلبہ پانے کے لیے دشمنانِ اسلام و معاندین مذہب سے مدد حاصل کرنے میں بھی کوئی عار محسوس نہیں کیا گیا۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ معاملات کے اندر انسان معتدل اور جامع نظر نہیں رکھ پاتا اور اس کے سارے پہلوؤں تک اس کی نگاہ نہیں پہنچ پاتی ہے۔ ایسی صورت میں وہ کسی ایک جزیئہ کے پیچھے پڑ کر اسے ہی بڑی چیز سمجھ بیٹھتا ہے۔ انہماک اتنا بڑھ جاتا ہے کہ اسے دوسری چیز اس کے برابر نظر نہیں آتی، اور نہ اختلاف رائے رکھنے والے شخص کو برداشت کر پاتا ہے۔ کبھی

کبھی وہ اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ اپنی اس افسوس ناک قیاس آرائی سے اُصول وعقائد میں متحد مسلمانوں کو محض اختلافِ رائے کی بنیاد پر نظر انداز کر کے دشمنانِ دین کو ان سے زیادہ اپنا قریبی سمجھنے لگتا ہے۔

ذیل کا مشہور تاریخی واقعہ جس میں اختلاف اپنے اس نقطہ عروج پر ہے کہ سارے اُصول بالائے طاق نظر آتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُمت مسلمہ کے مختلف گروہوں نے اپنے ہمہ گیر دین و مذہب کو ٹکڑیوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ اس واقعہ سے ایسی روشنی مل سکتی ہے جس سے ہم عبرت حاصل کریں اور جو ہماری آج کی زندگی کے لیے مفید اور نفع بخش ہوسکتا ہے۔

اپنے چند احباب کے ساتھ واصل بن عطار کا ایک بار کہیں سے گذر ہو رہا تھا جس کا علم خارجیوں کو ہو گیا۔ واصل نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ تمہارا ان کے سامنے ہونا مناسب نہیں۔ تم لوگ مجھ سے الگ ہو جاؤ۔ میں ان سے تنہا ملاقات کر لیتا ہوں۔ ان کی چونکہ جان پر بنی تھی اس لیے سب نے کہا ٹھیک ہے آپ تشریف لے جائیں۔ اس کے بعد واصل کی خارجیوں سے جب ملاقات ہوئی تو انہوں نے پوچھا کہ آپ کے باقی ساتھی کہاں ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ کچھ مشرکین کلام اللہ سننے اور اس کے قوانین واحکام جاننے کے لیے تم لوگوں کی پناہ چاہتے ہیں۔ خارجیوں نے اظہارِ رضامندی کرتے ہوئے کہا کہ ہم انہیں پناہ دیتے ہیں۔ پھر واصل نے کہا ہمیں کچھ بتاؤ۔ جس کے بعد وہ تعلیم احکام دینے لگے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے اور میرے ساتھیوں نے یہ تعلیم قبول کی۔ تب انہوں نے خوش ہو کر کہا جاؤ تم ہمارے بھائی ہو گئے۔ واصل نے کہا: بس اتنا ہی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ﴾ (توبہ: ٦)

”اگر کوئی مشرک تم سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دے دو کہ وہ کلامِ خداوندی سنے۔ پھر اسے اس کے امن کی جگہ پہنچا دو۔“

اس لیے تم لوگ ہمیں ہمارے ٹھکانے تک پہنچاؤ۔ اب وہ سب ایک دوسرے کا منہ

دیکھنے لگے۔ پھر کہا: کوئی بات نہیں ہم تمہیں پہنچاتے ہیں اور سب کے سب اُٹھ کر ٹھکانے تک پہنچے۔ (الکامل للمبرد: ۱۲۲/۲)

اختلاف کی شدت اس حد تک پہنچ گئی کہ بعض مسلم فرقے جو صرف اپنے آپ کو حق پر سمجھتے تھے ان کے مخالف فکر واجتہاد رکھنے والے مسلمان ان سے خوف زدہ رہا کرتے تھے اور ان کے مقابلے میں مشرکین خود کو کچھ زیادہ ہی محفوظ و مامون سمجھتے تھے۔ یہاں تک کہ حریف ومقابل فرقے کو اپنی جان بچانے کے لیے شرک کی طرف انتساب کرنا پڑا۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ تَعَالٰى

اختلاف بڑھتا ہے تو اس کی خلیجیں وسیع سے وسیع تر ہو جاتی ہیں اور آدمی کے حواس پر اس کے اثرات اس حد تک چھا جاتے ہیں وہ ان متفقہ اُصول اور نقطۂ اتحاد کو بھول بیٹھتا ہے جہاں سارے مسلمان باہم شیر وشکر ہو جاتے ہیں۔ ایسے شخص کی نگاہ بس وہیں ٹھہرتی ہے جہاں اختلافِ خیالات ونظریات ہو۔ اس کی نظر میں اسلامی اخلاق کی ابتدائی چیزیں بھی نہیں آپاتیں جس کی وجہ سے اس کا معیارِ فکر بدل جاتا ہے اور وہ ظن کو قطعی، متشابہ کو محکم، خفی الدلالۃ کو واضح الدلالۃ اور عام کو خاص سمجھنے لگتا ہے۔ بیمار ذہن کو عموماً مخالفانہ ماحول اچھا لگتا ہے اور وہ ایسی جگہیں پسند کرتا ہے جہاں اختلاف وانتشار کی ہوا چل رہی ہو۔ نتیجتاً تکفیر مسلمین کے عمیق غار میں وہ گر پڑتا ہے اور اپنے مخالفین پر مشرکوں کو ترجیح دینے لگتا ہے۔

کبھی کبھی مجتہدانہ اور فقہی دبستان جو اہل نظر کا حصہ ہے اس پر مقلدین ومتبعین قبضہ کر کے فکری گروہ بندی، سیاسی تعصب اور تفرقہ اندازی وتخریب کاری کی روشنی میں آیات واحادیث کی بے جا تاویلیں کرنے لگتے ہیں۔ ان کی اس فکری جماعت پسندی کے خلاف جو آیت یا حدیث نظر آئے اس میں نسخ وتاویل کی باتیں شروع کر دیتے ہیں اور یہ تعصب کبھی اتنا شدید ہو جاتا ہے کہ اس پر دورِ جاہلیت کا یہ مقولہ صادق آجاتا ہے:

((كَذَّابُ رَبِيْعة افضل من صادق مضر .))

''یعنی قبیلۂ ربیعہ کا جھوٹا بھی قبیلۂ مضر کے سچے سے بہتر ہے۔''

کبر ونخوت اور خود رائی اور خود پسندی نے جو کج فہمی پیدا کی ہے وہی آج کے ہمارے اختلافات کی غالباً سب سے بڑی بنیاد ہے۔ اور یہ مرض بھی ہے کہ آدمی خود کو یہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ صحیح اور حق وہی ہے جو اس کی زبان سے نکلتا ہے اور قیادت و رہبری نیز معاشرے کی تعمیر اسی طرح ہوسکتی ہے کہ دوسرے کو خواہ مخواہ باطل ٹھہراؤ۔ یہ معاملہ اتنا بڑھتا ہے کہ عداوت و دشمنی اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ تَعَالیٰ

ہم خود اپنے گریبان میں جھانک کر نہیں دیکھتے۔ دوسروں کے عیوب و نقائص ڈھونڈنے اور ان کی تشہیر کرنے ہی سے ہمیں فرصت نہیں ملتی کہ اپنے ضمیر کا محاسبہ کریں اور اپنے آپ کو بھی دیکھ لیں۔ جب کہ حدیث شریف میں ہے:

"اس شخص کے لیے خوش خبری ہے جو دوسروں کے عیوب سے صرف نظر کر کے بس اپنا ہی عیب دیکھے۔"

سلف صالحین کے درمیان بھی اختلاف تھا لیکن ان کا یہ اختلاف رائے افتراق وانتشار میں تبدیل نہیں ہوا اور نہ ان کے دلوں کے اتحاد و اتفاق میں کوئی چیز رخنہ انداز ہوسکی۔ بعض خطائیں ان سے ہوئی مگر نفسانی امراض سے وہ پاک تھے اور وہ شخص جس کے لیے جنت کی بشارت خود نبی کریم ﷺ نے دی اس کی حقیقت حال اور اعمال کا جب صحابہ کرام نے پتہ چلایا تو معلوم ہوا کہ یہ بشارت ایسے شخص کے لیے ہے کہ جب وہ سوئے تو کسی مسلمان کے خلاف اس کے دل میں کوئی بغض و کینہ نہ ہو۔ لیکن آج ہم ایسے ہو چکے ہیں کہ ہمارے قلب و روح ہی کو مرض لاحق ہو چکا ہے اس لیے اتحاد کی دعوتیں اور اس کے کام اکثر فریب نفس اور ظاہری نمائش ہی لگتے ہیں اور دوسری قوموں کی طرح ہمارا حال بھی ہو چکا ہے۔ حالانکہ رب تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَ ذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَ بَاطِنَهٗ﴾ (الانعام: ۱۲۰)

''اور تم کھلا ہوا اور چھپا ہوا گناہ چھوڑ دو۔''

عالم اسلام جو احکام و قوانین کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ پر عمل پیرا ہو کر ایک ملک کی حیثیت رکھتا تھا۔ آج کم و بیش ستاسی (۸۷) چھوٹی بڑی ریاستوں میں تقسیم ہو چکا ہے۔ بلکہ ایک ہی ریاست میں کئی حصے اور مختلف گروپ ہیں اور ان کے درمیان اتنے اختلافات ہیں جنہیں بس اللہ ہی جانتا ہے اور اس پر طرہ یہ کہ ہر ایک اتحاد کا داعی اور علمبردار بھی ہے۔ اسلامی میدان میں کام کرنے والے جو پوری ملت کے نجات دھندہ ہیں ان کا حال بھی ان مسلم ریاستوں کے سرکاری اداروں سے کچھ مختلف اور اچھا نہیں۔

ہمارا بحران فکری سطح پر ہے اور اسلام سے ہماری وابستگی بھی سچی نہیں۔ امت مسلمہ کو جب جہانِ فکر و عمل سے سرفراز کیا گیا جس میں بنیادی طور پر کتاب و سنت کی حاکمیت اور انہیں دونوں کے قوانین نافذ تھے تو اپنی سخت و دشوار گذار زندگی اور پریشانی کے باوجود اس لیے دعوتِ اسلام کا بار اُٹھایا اور اسلامی تہذیب و روایت قائم کی، جس کے انعام میں اللہ تعالیٰ نے ان کی پریشانیوں اور مشکلات کو آسانیوں میں تبدیل فرما دیا۔

کتاب و سنت سے اعراض و انحراف ہماری ناکامی اور انتشار کا اصل سبب ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِیْحُكُمْ﴾

(الانفال: ٤٦)

''اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو کہ تم ناکام ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی۔''

اسلام نے گروہ بندی اور داخلی انتشار سے ہر طرح روکا ہے اور عربوں کو جن کے ہر قبیلہ کا الگ الگ خدا ہوا کرتا تھا جس کے سامنے وہ جھکتا تھا۔ ان سب معبودانِ باطل کو چھوڑ کر اس

نے ایک خدائے برحق کے سامنے جھکا دیا۔

آج مسلمان اکثر میدانوں میں مادی وسائل واسباب کے اعتبار سے خودکفیل ہیں۔اس کے باوجود اسباب اور افکار دونوں لحاظ سے ایک مظلوم اور کمزور قوم بن چکے ہیں۔اس لیے کہ وہ ان اقدار وروایات سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں اور ان مشترکہ تجزیاتی بنیادوں سے دُور ہو چکے ہیں جو انہیں متحد ومنظّم رکھ سکتی ہیں۔ان کی زندگی کو اسلامی قانون کی راہ پر چلانے کے عناصر ختم ہو چکے ہیں اور ان کی فکری عمارت متزلزل ہو چکی ہے۔

ہماری دعوت یہ ہے کہ وہی پرانا رنگ اپنایا جائے اور معتدل ومنظّم فکر مسلم دوبارہ بیدار کی جائے جس کی صرف ایک صورت ہے کہ کتاب وسنت اور ان کتب اُصول کی طرف رجوع کیا جائے جن میں ہمارے علماء نے ضبط رائے کے لیے قیاس واستنباط کے آداب اور قواعد و ضوابط مرتب فرما دیے ہیں۔ایسے مطالعہ کو فروغ دینا بھی ضروری ہے جو اتحاد اُمت اور اس کے مشترک تجزیے کی بنیاد مضبوط کرے۔اسی طرح ایک ایسا تربیتی نصاب تیار ہونا چاہیے جو علم ودانش کے صحیح آداب سے مزین ہو اور اتحاد پیدا کرنے والے مواد تو پیش کیے جاتے رہیں مگر رفض وخروج اور اختلافی کتابوں پر زیادہ توجہ نہ دی جائے۔

زیر نظر کتاب ایسے وقت سامنے آئی جب کہ مسلمانوں کو اس کی شدید ضرورت تھی۔اس اہم موضوع پر یہ ایک مبارک اور اطمینان بخش کوشش ہے جس سے تعلیم یافتہ مسلمان اچھی طرح سمجھ لے گا کہ استنباط مسائل کے لیے علماء کا طریقہ کار کیا تھا۔کن اُصول پر ان کے اجتہاد کی عمارت کھڑی تھی اور ان کے اختلاف کی تعمیری بنیاد کیا ہوا کرتی تھی۔اس کے ذریعہ معلوم ہو جائے گا کہ اختلاف کے بھی کچھ اُصول وآداب ہوا کرتے ہیں جنہیں ہر مدعی اجتہاد جس کے اندر اس کی صلاحیت اور اس کے لوازم ومتعلقات نہ ہوں اسے صحیح ڈھنگ سے کبھی انجام نہیں دے سکتا اور احتساب عمل کے بھی کچھ آداب ہوتے ہیں جو انہیں جانب داری اور انتہا پسندی

سے باز رکھتے ہیں۔

مؤلف کتاب نے سیرت سلف صالحین کے اعلیٰ سطح کے نمونے پیش کیے ہیں تا کہ ان کے نقوشِ قدم پر چل کر دبستانِ فکر و اجتہاد کو عام روایتی مزاج رکھنے والوں کے ہاتھوں سیاسی جماعتوں اور مختلف نظریاتی گروہ بندیوں میں تبدیل ہونے سے روکا جا سکے۔

علوم اسلامیہ و اُصولِ فقہ میں مہارت و اختصاص کی وجہ سے مؤلف کو اس کام میں بڑی مدد ملی ہے۔اور اس میں شک نہیں کہ یہ کتاب بعض حیثیتوں سے خالص علمی و تحقیقی ہے جو ایک لازمی ضرورت ہے۔خصوصیت کے ساتھ جدید تعلیم یافتہ مسلمانوں کے لیے جن کے حالات ایسے نہیں کہ وہ شرعی اُصول سے اچھی طرح واقف ہوسکیں۔اس لیے بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ کتاب بڑی حد تک ایک معلمانہ حیثیت کی حامل ہے لیکن یہ بھی ذہن نشین رہے کہ صرف ان آداب و طریقوں سے واقفیت ہی مسلمانوں کے مسائل کا حل نہیں اور نہ ان کے فکری بحران کا کوئی علاج ہے۔ بلکہ علمی تربیت ،مضبوط کردار و اخلاق اور آدابِ اختلاف پر عمل بھی ضروری ہے۔

معہد اسلامی برائے فکر اسلامی واشنگٹن امریکہ کے اندر اخوت وتعاون کی جو روح ہم نے پائی اس کی تعریف کیے بغیر نہیں رہا جا سکتا کہ اس نے سلسلہ ''کتاب الامۃ'' کے لیے اس کا انتخاب کر کے اسے ہم تک پہنچایا۔ جو اپنے مقصد اتحاد و اعتدال پر اس کے یقین کا واضح اظہار ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ہماری دعا ہے کہ وہ ہم سب کو اخلاص عمل اور اصابت رائے کی توفیق بخشے۔(آمین) انه الهادی الیٰ سواء السبیل

عمر عبید حسنہ

❀❀❀❀

مقدمہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَمَنْ دَعَا بِدَعْوَتِهٖ وَاهْتَدٰى بِهَدْيِهٖ إِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ وَبَعد!

مسلمانوں کے امراض بڑھتے بڑھتے آج اتنی وسعت اختیار کر چکے ہیں کہ ان کے دین و دنیا کے ہر گوشے پر محیط ہو چکے ہیں۔ حیرت انگیز بات ۔تو یہ ہے کہ یہ امراض جو بہت سی اقوام وملل جنہیں اپنی کثرتِ تعداد اور وسعت ذرائع پر بہت بھروسہ اور اعتماد تھا انہیں بھی ۔صفحہ ہستی سے نیست و نابود کر چکے ہیں۔لیکن اپنے خطرات ونقصانات کے باوجود اُمت مسلمہ کو ختم کرنے میں وہ ناکام و نامراد ہی رہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ .

اپنی ہزار کمزوری کے باوجود اس کے محفوظ و مامون رہ جانے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے درمیان کتاب الٰہی اور سنت و دعوتِ نبوی کا وجود ہے۔اسی طرح آپ کی دعائے خیر و برکت اور صلحائے اُمت کا استغفار بھی ان کی سلامتی کا ضامن ہے:

﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ٥﴾ (الانفال : ٣٣)

”اور جب تک آپ ان میں رہیں اللہ انہیں عذاب نہ دے گا اور اللہ انہیں اس وقت تک عذاب نہ دے گا جب تک وہ استغفار کرتے رہیں۔“

دورِ اخیر میں اُمت مسلمہ کو سب سے خطرناک مرض جو لاحق ہوا ہے وہ ہے اختلاف اور مخالفت! ذوق ، رجحان ، کردار، اخلاق یہاں تک کہ معتقدات ونظریات ، افکار و آراء، اسالیب فقہ،فرض عبادات، ہر شے اور ہر معاملے میں اختلاف ! گویا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس

اُمت کے پاس جتنے اوامر ونواہی ہیں سب اختلاف ہی کو ہوا دیتے ہیں اور اسی راہ پر لگاتے ہیں۔ حالانکہ معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ نے اسلامی توحید کے بعد باہمی اختلافات سے اجتناب، تعلقات کو مکدر اور اخوت اسلامیہ کو مجروح کرنے والی ہر چیز کے ازالہ، اور اُمت مسلمہ کے اتحاد پر سب سے زیادہ زور دیا ہے۔ اور مبادئ اسلام نے بھی شرک باللہ کے بعد تخریبی اختلافِ اُمت ہی کو سب سے زیادہ مبغوض اور ناپسندیدہ سمجھ کر ایمان باللہ اور اتحادِ مسلم ہی قائم رکھنے کی ترغیب دی ہے۔ خداوند قدوس اور اس کے رسول اللہ ﷺ کے اوامر و احکام کی واضح دعوت بھی یہی ہے کہ ایک ایسی اُمت تشکیل پائے جو ایک جسم و جان بن کر رہے اور کسی کو بھی تکلیف پہنچے تو ہر ایک کو اپنا درد اور کمزوری محسوس کرے۔

اسلام ایک قابل عمل دعوت ہے جو انسانوں کے احوال و معاملات میں قدم قدم پر ان کی رہنمائی کرتا ہے۔ خالق کائنات جو اپنی مخلوق پر مہربان ہے وہ اسے سب سے زیادہ جانتا اور سمجھتا ہے اس نے اپنے بندوں کو ایک دوسرے سے مختلف صلاحیت ولیاقت اور عقل و دانش عطا فرمائی ہے۔ جس کی وجہ سے ان کے موقف اور افکار ونظریات وغیرہ بہت سی چیزوں میں باہمی اختلاف ہے۔ اور اسلام بھی کشادہ دلی سے ایسے سنجیدہ اختلاف کی اجازت دیتا ہے جس سے وحدتِ اسلامی کو کوئی خطرہ نہ پہنچے۔ اہم مسائل اور اساسی قواعد میں یکساں موقف اور تصورات وآراء کا اتفاق ہو۔ تو اتنا ہی کافی اور اُمت کے لیے مفید ہے۔ فروعی اُمور اور ثانوی معاملات کا جہاں تک تعلق ہے تو بہتر اور افضل کی تلاش میں اختلاف رائے ہونے میں کوئی حرج اور نقصان نہیں بشرطیکہ یہ اختلاف اپنے حدود وضوابط اور اُصول وآداب کے اندر ہو اور اُمت کی وحدتِ فکر اور بنیادی مسائل میں اس کے موقف پر اثر انداز نہ ہو سکے۔

اختلاف کی حقیقت اور اس کے حدود، اسباب وعلل اور اس کے قواعد وضوابط کیا ہیں؟ اختلاف کی گنجائش کہاں تک ہے؟ اور اس کے منفی پہلو سے بچنے کی کیا راہ ہے؟ انہیں مباحث پر اس کتاب میں ان شاء اللہ ہماری گفتگو ہوگی۔

اس موضوع کے متعدد گوشوں کے لحاظ سے اس کے مراجع و مآخذ میں بھی تنوع آ گیا ہے۔

استدلالی اور جدلیاتی پہلو:

استدلالی اور منطقی کتابیں جو آداب و بحث و مناظرہ ❶ سے متعلق ہیں ان میں اس کے مباحث ہیں۔

اُصولی پہلو:

اسبابِ اختلاف ❷ وقیاس ❸ پر جو اُصولی کتابیں ہیں وہ اس کے مواد پر مشتمل ہیں۔

---

❶ مثلاً ''آداب البحث'' از عضد الدین الایجی متوفی ۷۵٦ھ جس کی بہت سی شرحیں ہیں۔ زین الدین المرصفی متوفی ۱۳۰۰ھ کی ایک منظوم کتاب بھی اس موضوع پر ہے جس میں بحث و مناظرہ کے سارے آداب منظوم کر دیے گئے ہیں۔ اسی طرح طاش کبری زادہ متوفی ۹٦۸ھ مؤلف "مفتاح السعادة" نے بھی ایک اہم اور طویل نظم لکھی ہے جس میں مناظرہ کی حقیقت، اس کے ضوابط اور اثناء مناظرہ سائل و مجیب کے آداب کا مفصل بیان ہے۔ اور محمد امین الشنقیطی کی بھی اس موضوع پر ایک تالیف ہے۔

❷ (۱)......مثلاً: "التنبیه علی الاسباب التی اوجبت الاختلاف بین المسلمین فی آرائهم ومذاهبهم و اعتقاداتهم " مطبوعہ قاہرہ مصر از ابوعبداللہ بن محمد السید البطلیوسی متوفی ۵۲۱ھ تحقیق وتعلیق ڈاکٹر احمد حسین کحیل و ڈاکٹر حمزہ عبداللہ النشرتی۔

(۲)......" رفع الملام عن الائمة الاعلام " از شیخ ابن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ جو کافی مشہور و متداول ہے اور مصر و شام، ہند و سعودی عرب سے بارہا چھپ چکی ہے۔

(۳)......"الانصاف فی بیان الاختلاف فی الاحكام الفقهيه " از شاہ ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم فاروقی دہلوی م ۱۱۷٦ھ جو ان کی گراں قدر کتاب ''حجة اللہ البالغة'' کے ساتھ بھی چھپ چکی ہے۔

اس اہم اُصولی فقہی پہلو پر بہت سے نئے علماء و محققین نے بھی کتابیں لکھی ہیں جن میں سے چند کتابیں درج ذیل ہیں:

"سباب اختلاف الفقهاء " از شیخ علی الخفیف۔ " اسباب اختلاف الفقهاء فی الاحكام الشرعية " (برائے ڈاکٹریٹ) از مصطفے ابراہیم الزلمی۔ "اثر الاختلاف فی القواعد الاصوليه فی اختلاف الفقهاء " از ڈاکٹر مصطفیٰ سعید الخن۔ " اسباب اختلاف الفقهاء" (برائے ایم۔اے) از ڈاکٹر عبداللہ ترکی۔" اثر الأدلة المختلف فيها " از ڈاکٹر مصطفیٰ البغا۔" دراسات فی الاختلاف الفقهيه " از محمد ابوالفتح البیانونی۔" مالا يجوز الاختلاف فيه بين المسلمين " از شیخ عبدالجلیل عیسیٰ۔

❸ قیاس پر وارد سوالات اور قواعد علت کے مباحث کا مطالعہ کیا جائے۔

فقہی پہلو:

فقہ کے تقابلی مطالعہ سے متعلق یا اختلافی کتابوں میں اس کے مسائل ومباحث ملتے ہیں۔

طبقات وتراجم اور تاریخ ومناظرہ وغیرہ کی کتابوں میں آدابِ اختلاف کی بہت سی مثالیں اوراس کے نمونے مل جائیں گے۔

ہم نے اس کتاب میں سارے مراجع ومصادر سے استفادہ کی کوشش کی ہے۔اوراس کی ترتیب یوں رکھی ہے۔ایک مقدمہ...... چھ فصلیں ...... اورخاتمہ۔جگہ جگہ تعلیقات وحواشی بھی ہیں۔تاکہ ہماری پیش کردہ ہر بات مزید مضبوط اور مستحکم ہوجائے اوراس کے ماخذ کا بھی علم ہوتا رہے۔اسی طرح فہرست موضوعات بھی مرتب کردی گئی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ حق وصواب کی توفیق عطا فرمائے۔مسلمانوں کواتحاد واتفاق کی دولت سے نوازے۔ان کے دلوں میں اپنی رائے اوراپنے رسول ﷺ کی محبت پیدا کر کے ان کے درمیان اُلفت و یگانگت پیدا فرمائے اورنفرت واختلاف کے سارے اسباب ختم فرمادے۔(آمین)إِنَّهُ سَمِيْعٌ مُّجِيْبٌ

ڈاکٹر طٰہٰ جابر فیاض علوانی

فصل اوّل:

حقیقت اختلاف اور اس کے متعلقات

اختلاف۔ خلاف۔ علم خلاف:

کسی کے احوال یا اس کی باتوں سے کوئی الگ راستہ اختیار کرنے کو اختلاف اور مخالفت کہتے ہیں۔ اور خلاف ضد سے زیادہ عام ہے۔ کیونکہ ہر دو ضد ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ لیکن ہر دو مختلف چیزیں ایک دوسرے کی ضد نہیں ہوتیں۔ جب کسی بات کا اختلاف تنازع کی شکل اختیار کر لے تو اسے منازعہ اور مجادلہ کہا جاتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ﴾ (مریم: ۳۷)

”پھر جماعتیں آپس میں مختلف ہوئیں۔“

﴿وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ﴾ (هود: ۱۱۸)

”اور وہ ہمیشہ اختلاف میں رہیں گے۔“

﴿إِنَّكُمْ لَفِي قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ٥﴾ (الذاریات: ۸)

”تم مختلف بات میں ہو۔“

﴿إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ٥﴾

(یونس: ۱۷)

”بے شک تمہارا رب ان کی اس بات کا قیامت کے دن فیصلہ فرما دے گا جس پر جھگڑ رہے ہیں۔“

ان شواہد کی روشنی میں خلاف اور اختلاف کا مطلب ہو گا ہر وہ بات، رائے، حالت،

ہیئت اور موقف جس میں مغایرت ہو۔

خاص اصطلاحِ علماء میں کسی امام کے مسائل مستنبط کا حفظ و استحضار، اور بلا کسی مستند دلیل کے اس سے مختلف مسائل کے باطل ٹھہرانے کو ''علم خلاف'' کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اگر وہ کوئی مستند دلیل پیش کر کے اس سے استدلال کرے تو وہ اُصولی اور مجتہدانہ حیثیت کا حامل ہو جائے گا۔ خلافی شخص فقہی دلائل اور اس کے احوال کا محقق نہیں ہوا کرتا بلکہ وہ اپنے امام کی بات پر مضبوطی سے قائم رہ کر اس مسئلہ میں اجمالی طور پر اتنا ہی جانتا ہے کہ اس کے امام نے یہی رائے دی اور یہی حکم لگایا ہے۔ اس کے نزدیک اثباتِ حکم کے لیے بس اتنا ہی کافی ہے اور اس کے امام کا کسی دوسرے نتیجہ تک پہنچنا بھی اس کے حکمِ مخالفت کی تردید کے لیے کافی ہے۔

جدل اور علم جدل:

ایک یا دونوں مخالفین کسی بات یا رائے پر موقف کے اثبات و دفاع یا حملہ میں شدت اختیار کر لیں تو ایسی کوشش کو جدل کا نام دیا جائے۔ تنازعہ اور غلبہ حاصل کرنے کی نیت سے جو مباحثہ ہو اسے لغت میں جدل کہتے ہیں جو ''جدلت الحبل'' سے ماخوذ ہے۔ یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب رسی کو بٹ کر مضبوط بنا دیا جائے۔ چونکہ ہر مخالف قوت اور مضبوطی رائے سے اپنے مقابل کو توڑ مروڑ کر اس پر حاوی ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ اس لیے ایسے مباحثہ کو جدل کہا جاتا ہے۔

علم جدل کی تعریف یہ ہے کہ ایسا علم جس سے راجح فقہی اقوال کے اظہار کے لیے دلائل کا تقابل کیا جائے۔ [1] بعض علماء نے اس کی یہ تعریف بھی کی ہے جس علم سے ایسی قدرت حاصل ہو جائے کہ اگر وہ چاہے تو باطل کا دفاع کر لے یا حق کو ناحق ثابت کر دے۔ [2]

دوسری تعریف سے جدل کے لغوی معنی کا اثر اچھی طرح ظاہر ہوتا ہے۔ کیونکہ ایسی صورت میں یہ ایسا علم ہوتا ہے جس کا صرف مخصوص اور مستند دلائل سے تعلق نہیں رہ جاتا ہے۔ بلکہ ایسی قوت یا ملکہ بن جاتا ہے جو کسی کو بھی حاصل ہو جائے خواہ کتاب وسنت وغیرہ سے

---

[1] مفتاح السعادہ : ۲/۵۹۹ ۔ مطبوعہ مصر۔ التعریفات از جرجانی : ٦٦.

اس کا کچھ بھی ربط و تعلق نہ ہو۔

شقاق:

متحاربین کے درمیان الفاظ کی جنگ اتنی شدید ہو جائے کہ اظہارِ حق وصواب کی بجائے ہر فریق ایک دوسرے پر محض غلبہ حاصل کرنا چاہے اوران کے درمیان افہام و تفہیم یا اتفاق پیدا ہونا مشکل ہو جائے تو ایسی حالت کو شقاق کا نام دیا جاتا ہے۔ شقاق کی اصل یہ ہے کہ ہر فریق زمین کے کچھ نصف حصے یا اس کے گوشے میں ہو گویا وہ زمین ان دونوں کے لیے تنگ ہو رہی ہے کہ وہ ایک ساتھ اس میں نہیں رہ سکتے۔ قرآنِ حکیم میں ہے:

﴿وَ اِنۡ خِفۡتُمۡ شِقَاقَ بَیۡنِهِمَا﴾ (النساء: ۳۵)

''اور اگر تمہیں زوجین کے جھگڑے کا خوف ہو۔''

یعنی سخت اختلاف جس کے بعد ایسا نزاع پیدا ہو جائے کہ وہ ایک دوسرے کے مخالف حصے میں ہیں۔ جیسا کہ قرآنِ کریم میں ہے:

﴿فَاِنَّمَا هُمۡ فِیۡ شِقَاقٍ﴾ (البقرہ: ۱۳۷)

''تو وہ ضد اور جھگڑے میں ہیں۔''

اختلافِ مقبول ومردود:

زبان، رنگ اور تصورات وافکار کے اختلاف کے ساتھ ہی متنوع انسانی عقل وحواس کی تخلیق بھی مشیت خدوندی ہے۔ جس سے لازمی طور پر کسی ایک مسئلہ میں بھی متعدد اقوال اور آراء و احکام سامنے آئیں گے۔ رنگ و زبان اور مظاہر تخلیق کے اختلافات جب خدا کی نشانیاں ہیں تو حواس و عقلیں بھی اپنے نتائج کے ساتھ ہی خدا ہی کی نشانیاں اور اس کے قدرتِ کاملہ کے دلائل ہیں۔ اگر سارے انسان ہر چیز میں برابر ہوتے تو دنیا کی یہ آبادی و شادابی اور اس کی یہ زندگی کیسے رواں دواں رہتی اور جو چیز جیسے اور جس کے لیے پیدا کی گئی ہے وہ اسے حاصل بھی ہے:

﴿وَ لَوۡ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لَا یَزَالُوۡنَ مُخۡتَلِفِیۡنَ ۝

إِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ وَ لِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ﴾ (ھود: ۱۱۸، ۱۱۹)

''اور اگر تمہارا رب چاہتا تو سب انسانوں کو ایک ہی اُمت بنا دیتا۔ وہ تو ہمیشہ اختلاف میں رہیں گے۔ مگر جن پر تمہارا رب رحم فرمائے اور اسی لیے اس نے لوگوں کو پیدا کیا۔''

اس اُمت کے اسلاف میں جو اختلافات واقع ہوئے اور ہمیشہ ہوتے ہی رہیں گے۔ وہ انہیں مظاہر فطرت کے اجزاء ہیں۔ یہ اختلافات اپنے حدود سے متجاوز نہ ہوں اور ان کے اُصول و آداب کا التزام کیا جائے تو یہ ایک بہت زیادہ مفید و نفع بخش مثبت چیز ہوگی۔

اختلافِ مقبول کے بعض فوائد:

ہم ابھی بتلا چکے ہیں کہ حدود اختلاف کا خیال رکھا جائے اور اس کے آداب بھی سامنے رہیں تو اس کے بعض مثبت فوائد برآمد ہو سکتے ہیں۔ مثلاً:

۱۔ نیتیں صحیح ہوں تو ان سارے احتمالات کے جاننے کا موقع ملتا ہے جن میں کسی بھی رُخ سے دلیل دینا ممکن ہو۔

۲۔ ایسے اختلافات سے ذہنی ریاضت اور تبادلہ خیالات کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور مختلف عقلیں جو مفروضات قائم کر سکتی ہیں ان پر غور و فکر کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

۳۔ متعدد حل سامنے آ جاتے ہیں جن سے درپیش مسئلہ میں اس دین فطرت کے مناسب حل کی طرف رہنمائی ہو جاتی ہے۔

مذکورہ فوائد اسی صورت میں ممکن ہیں جب اختلاف اپنے ان آداب و حدود کے دائرے میں رہے جن کی رعایت ہر حال میں ضروری ہے۔ اگر وہ اپنے حدود سے تجاوز کرے اور ان کے آداب کا لحاظ نہ کیا جائے تو وہ جدال و شقاق میں تبدیل ہو جاتا ہے جس سے منفی اور بُرے نتائج سامنے آتے ہیں اور اُمت کے اندر ایک نیا انتشار اُٹھ کھڑا ہو جاتا ہے جس کے نتائج

ظاہر و باہر ہیں تو ایسی شکل میں یہ اختلاف تعمیر کی بجائے سبب تخریب بن جاتا ہے۔

اقسامِ خلاف کے محرکات

۱۔ خلاف !مبنی بر نفسانیت:

ذاتی معاملات، شخصی اغراض و مقاصد کے حصول کے اور کبھی کبھی علم و فہم اور تفقہ کے اظہار کے لیے خلاف کی بنیاد پڑتی ہے۔ جس کی تمام شکلیں معیوب اور مذموم ہیں۔ کیونکہ تحقیق حق کی بجائے ہوائے نفس کا اس پر غلبہ ہوتا ہے جو ہمیشہ باعث شر و فساد ہوتا ہے۔ اور یہ نفسانیت شیطان کی ایسی سواری ہے جو منزل کفر و عصیان تک پہنچا دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ۝﴾ (البقرہ: ۸۷)

''کیا جب تمہارے پاس کوئی رسول وہ چیز لے کر آئے جسے تمہارے نفس نہ چاہتے تھے تو تم اس سے تکبر کرتے اور ان انبیاء میں سے کسی گروہ کو جھٹلاتے اور کسی کو شہید کر دیتے۔''

نفسانیت کی وجہ سے جن باطل پرستوں اور گمراہوں نے عدل سے پہلو تہی کی عدل و انصاف بھی اس سے دُور ہی رہا:

﴿فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا﴾ (النساء: ۱۳۵)

''تو خواہش نفس کے پیچھے نہ پڑو کہ حق سے دُور ہو جاؤ۔''

نفس پرستی ہی میں گمراہ راہِ حق سے بھٹکتے رہتے ہیں:

﴿قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّ مَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ۝﴾

(الانعام: ۵۶)

''تم کہو میں تمہاری خواہش کی اتباع نہیں کرتا۔ ایسا ہو تو میں بہک جاؤں اور

ہدایت پر نہ رہوں۔''

نفسانیت! علم کی ضد، حق کے مخالف، شر و فساد کا دلدادہ اور ضلالت و گمراہی کا سیدھا راستہ ہے۔

﴿وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ (ص: ٢٦)

''خواہش نفس کی پیروی نہ کرنا کہ وہ تمہیں اللہ کی راہ سے بھٹکا دے گی۔''

﴿وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ﴾ (المؤمنون: ٧١)

''اور اگر حق ان کی خواہشات کی پیروی کرتا تو زمین و آسمان اور جو کچھ اس میں ہے سب تباہ ہو جاتے۔''

﴿وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ (الانعام: ١١٩)

''اور بے شک بہت سے لوگ بغیر علم کے محض اپنی خواہشات سے گمراہ کرتے ہیں۔''

نفسانیت کی متعدد قسمیں اور اس کی مختلف منزلیں ہیں۔ بحیثیت مجموعی وہ محض خواہش نفس اور خود پسندی ہے۔ بہت سی غلطیاں اور گمراہیاں اس سے جنم لیتی ہیں۔ اس کے جال میں انسان اسی وقت پھنستا ہے جب جادۂ حق سے انحراف اور راہِ ضلالت کی خوش نمائیاں اسے اتنی دل فریب لگنے لگیں کہ وہ حق کو باطل اور باطل کو حق سمجھنے لگے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ

اسلام میں نفسانیت کے داعیوں اور باطل فرقوں کا ردّ اس طرح ہو سکتا ہے کہ جس خوش نصیب کو اللہ نے اپنے انعام و اکرام سے علم و فہم کی دولت عطا فرمائی ہے وہ گمراہ شخص کو نفس پرستی کے عمیق دلدل میں پھنسنے سے پہلے اس کے مسلک و اعتقاد اور فکر و خیال کی وہ بنیاد ظاہر کر دے جو براہِ راست اس کی نفسانیت سے وابستہ ہے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ اس کے دل میں فانوس ایمان روشن کر دے اور وہ اپنے فکر و اعتقاد کی کج روی اور اس کا وہ کھوٹا پن اچھی طرح جان لے۔ جس کے ظاہری حسن و جمال کا کوئی حقیقی وجود نہیں بلکہ خود اسی کے ذہن کی پیدا کردہ

ایک بے حقیقت خیالی تصویر ہے جس کی بدنمائی کو اس کی نفسانیت نے مرصع اور مزین کر رکھا ہے۔ کسی بھی فکر وخیال کے اندر تاثیر نفسانیت کے بہت سے داخلی اور خارجی طریقے ہیں:

(ا)......خارجی طریقے:

زیر بحث مسئلہ میں اس کی رائے کا کتاب وسنت سے صریحاً تناقض ہو اور وہ حق جاننے کے لیے ایسی فکر و رائے کے پیچھے نہ چلنا چاہتا ہو جو کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ سے مختلف اور متناقض ہو۔

خالص نفسانی فکر اس طرح پہچانی جا سکتی ہے کہ عقل سلیم سے اس کا تصادم ہو اور وہ اسے قبول نہ کر سکے۔ کیونکہ عبادت غیر اللہ، غیر شرعی حکم، زنا کاری کے جواز، کذب بیانی اور اسراف وتبذیر کی دعوت دے۔ اس کا سرچشمہ صرف نفسانیت ہی ہو سکتی ہے اور وہی شخص اس کا داعی ہو سکتا ہے جس کی لگام شیاطین کے ہاتھ میں ہو۔

(ب)......داخلی طریقے:

سچائی کے ساتھ غور وخوض کر کے یہ حقیقت جانی جا سکتی ہے کہ اس فکر کا سرچشمہ کیا ہے اور اسے ہی اختیار کرنے کا سبب کیا ہے؟ اس پر کن خیالات کا اثر ہے اور وہ ان کی تبدیلی سے کس حد تک اس بات پر ثابت قدم رہ سکتا ہے یا کسی غیر شعوری دباؤ نے اسے ایسا سوچنے پر مجبور کیا ہے اور خود اس فکر کی بنیاد کیا ہے؟ ان نکتوں پر غور کرنے کے بعد اگر یہ نتیجہ نکلے کہ اس کے اندر اضطراب ہے اور مخصوص احساس اور طرزِ فکر کے اعتبار سے اس کی قوت و ضعف میں کمی بیشی پیدا ہو سکتی ہے تو یقیناً وہ نفسانیت کی پیداوار اور شیطانی وسوسہ ہے۔ اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہ

اللہ تعالیٰ کا شکر واحسان ہے کہ اس نے نفسانی راہ پر لگنے سے پہلے ہی ہمیں حقیقت کا صحیح علم اور بصیرت عطا فرما دی۔

۲۔ خلاف! مبنی برحق

جس خلاف میں نفسانیت کا کوئی حصہ اور اس پر غلبہ نہ ہو وہ خلاف مبنی برحق ہے۔ جس کا

محرک ایمان اور علم و عقل دونوں ہیں۔ کفار و مشرکین اور ملحدین و منافقین، جیسے یہود و نصاریٰ اور بت پرست و اشتراکی کی مخالفت ہر مسلمان پر فرض ہے جس سے پہلوتہی کرنا جائز نہیں۔ اور کسی کو بھی یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ایسی مخالفت کے ازالہ کی بات کرے۔ کیونکہ یہ خلاف ایسا ہے جس کا رشتہ ایمان اور حق سے جڑا ہوا ہے۔ ہاں! ان اقوام وملل کی مخالفت کا ازالہ اس طرح ضرور کیا جاسکتا ہے کہ انہیں دعوتِ اسلام دی جائے جس سے وہ اپنے اسباب اختلاف جیسے کفر وشرک، نفاق و انشقاق، بداخلاقی و بدکرداری، الحاد و بے دینی اور عقائد باطلہ کی اشاعت سے دُور ہوکر اللہ تعالیٰ کے دین میں داخل اور اس کی فوج میں شامل ہو جائیں۔

۳۔ خلافِ متردد:

فرعی احکام جن میں دونوں پہلو پائے جاتے ہوں اور ایک دوسرے پر ترجیح کے ان میں متعدد احتمالات ہوں۔ آگے چل کر ہم ان شاء اللہ ان کا ذکر کریں گے۔

چند مثالیں یہ ہیں:

زخم اور قے سے نکلے ہوئے خون سے نقض وضو، قرأت خلف الامام، قبل فاتحہ قرأت بسم اللہ، آمین بالجہر اور دوسرے بے شمار مسائل میں علماء کا اختلاف۔

ان اختلافات میں لغزش ہوسکتی ہے۔ احتیاط وتقویٰ اور نفسانیت، علم وظن، راجح و مرجوح، مقبول ومردود سب آپس میں خلط ملط ہوسکتے ہیں اور ان سے بچنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے کہ مقررہ قواعد وضوابط اور آداب کا پورا پورا لحاظ رکھا جائے، اور ان سے سر مو انحراف نہ کیا جائے۔ ورنہ اختلاف و افتراق کا ماحول پیدا ہو جائے گا۔ اور انتشار و انار کی سے شیطان کو موقع مل جائے گا کہ وہ دونوں فریق کو مقامِ احتیاط سے ہٹا کر درجہ نفسانیت تک پہنچا دے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ

اختلاف کے سلسلے میں علماء کی رائیں:

علماء کرام نے اختلاف کی تمام قسموں سے روکا ہے اور حتی الامکان اس سے بچتے رہنے

کی شدید تاکید کی ہے۔ سیّدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اَلْخلاف شرّ ❶ کہہ کر اس کی مذمت فرمائی ہے اور علامہ تقی الدین سبکی نے إن الرحمة تقتضی عدم الاختلاف کہہ کر اپنی رائے ظاہر فرمائی کہ تقاضائے رحمت یہ ہے کہ اختلاف نہ کیا جائے۔ قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَ لٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَ مِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ﴾

(البقرہ: ۲۵۳)

''لیکن ان میں اختلاف ہوگیا کوئی ایمان پر رہا اور کوئی کافر ہوگیا۔''

اور حدیث شریف میں ہے:

((انما هلكت بنو اسرائيل بكثرة سؤالهم واختلافهم على انبيائهم .)) ❷

''بنی اسرائیل اپنے انبیاء کے سلسلے میں اختلاف اور کثرتِ سوال کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔''

اس سلسلے میں بہت سی آیات واحادیث ہیں۔

علامہ تقی الدین سبکی نے اختلاف کی تیسری قسم (متردد بين المدح والذم) کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے:

۱۔ اختلافِ اُصول ...... قرآنِ حکیم میں یہی مراد ہے اور بلاشبہ یہ بدعت وگمراہی ہے۔

۲۔ اختلافِ آراء ...... یہ حرام ہے کیونکہ اس میں اضاعت مصالح ہے۔

۳۔ اختلافِ فروع ...... حلال وحرام وغیرہ میں پایا جانے والا اختلاف۔ ❸

---

❶ تاویل مختلف الحدیث از ابن قتیبہ، ص: ۲۲۔ العواصم من القواصم، ص: ۸۔ المحصول: ۲ق ۱/ ۴۸۰

❷ مکمل حدیث بطریق سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس طرح ہے: ذرونی ما ترکتکم فانما هلك من کان قبلکم بکثرة سؤالهم۔ واختلافهم على انبيائهم فاذا امرتكم بشيء فاتوا منه ما استطعتم واذا نهيتكم عن شيء فدعوه مسند احمد، مسلم، نسائی، ابن ماجه، کما فی فتح الکبیر: ۲/ ۱۲۰۔ والاحکام: ۵/ ۶۶.

❸ الابهاج: ۳/ ۱۳

اس تیسری قسم میں یہ بات طے شدہ ہے کہ اتفاق اختلاف سے بہتر ہے۔ لیکن اس صورت میں بھی ابن حزم ظاہری نے اختلاف کی جو مذمت کی ہے اس پر آپ نے تنبیہ فرمائی ہے۔ ابن حزم کی رائے ہے کہ کوئی اختلاف رحمت نہیں بلکہ اختلاف ہی اختلاف ہے۔

اختلاف کے خطرے اور اس کے نقصانات جاننے کے لیے یہی بات کافی ہے کہ سیّدنا ہارون علیہ السلام نے اختلاف کو گویا بتوں کی پرستش سے زیادہ مضر اور خطرناک سمجھا۔ سامری نے جب بچھڑے کی شکل میں سونے کا ایک بت بنا کر قوم سے کہا کہ:

﴿هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَ اِلٰهُ مُوْسٰى﴾ (طٰه: ٨٨)

''یہ ہے تمہارا معبود اور موسیٰ کا معبود۔''

تو آپ خاموش رہے اور اپنے بھائی سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کا انتظار کیا اور جب آپ نے واپس آ کر دیکھا کہ قوم سونے کے بچھڑے پر ٹوٹی پڑ رہی ہے تو اپنے بھائی کو سخت ملامت کی۔ جس کے جواب میں انھوں نے صرف اتنا کہا کہ:

﴿يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَ لَا بِرَاْسِيْ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَ لَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ۝﴾ (طٰه: ٩٤)

''اے میرے بھائی! میری داڑھی اور میرے سر کا بال نہ پکڑو۔ مجھے ڈر ہوا کہ تم کہو گے تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور میری بات کا انتظار نہ کیا۔''

اس طرح سیّدنا ہارون علیہ السلام نے ابنائے قوم کے درمیان اختلاف و انتشار اور نصیحت مؤثر نہ ہونے کی صورت میں علیحدگی و مزاحمت کا عذر پیش کیا۔

❀❀❀❀

دوسری فصل:

تاریخ اختلاف اور اس کی تبدیلیاں

عہد رسالت میں اختلافِ صحابہ:

رسول اللہ ﷺ کے زمانے کا اختلاف مذکورہ معانی میں نہیں۔ چونکہ آپ بالاتفاق سارے صحابہ کرام کے مرجع و مآب تھے۔ کوئی تفرقہ آمیز معاملہ اور کوئی مشکل و پریشانی پیش آئے تو سب آپ کے پاس حاضر ہو کر ہدایت پاتے۔ اور ان کے اختلافی اُمور میں آپ راہِ حق کی وضاحت فرما دیتے۔ ہاں! وہ صحابۂ کرام جو مدینہ منورہ سے دُوری کی وجہ سے اپنے اُمور و معاملات کے سلسلے میں براہِ راست آپ سے استفادہ نہ کر سکتے اور تفسیر قرآن، سنت رسول اور اس کی تطبیق کے لیے کوئی نص صریح نہ پاتے تھے ان کے اجتہاد میں اختلاف پیدا ہو جاتا تھا بعد میں مدینہ طیبہ آ کر جب رسول اللہ ﷺ کے سامنے وہ اپنی مشکلات پیش کرتے کہ ہم نے اس معاملہ میں یہ بات سمجھی ہے یا فلاں مسئلے میں ہمارا استنباط یہ ہے تو آپ اس کی تصویب فرماتے جس سے وہ سنت رسول ہی کا ایک جزو بن جاتا۔ یا انہیں صحیح یا درست حل سے نوازتے جس سے وہ مطمئن ہو کر اسے ہی اختیار کر لیتے اور اختلاف کی بنیاد ختم ہو جاتی۔

اس کی دو مثالیں درج ذیل ہیں:

غزوۂ احزاب کے موقع پر آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا:

((لا يصلين احدٌ العصر الا في بني قريظة .))

''دیارِ بنی قریظہ سے پہلے کوئی نمازِ عصر نہ ادا کرے۔''

اور راستے ہی میں جب عصر کا وقت آ گیا تو بعض صحابہ نے کہا کہ دیارِ بنی قریظہ سے پہلے نماز نہیں پڑھ سکتے اور کچھ صحابہ نے کہا ہم تو پڑھ لیں گے۔ آپ کے سامنے جب اس کا ذکر آیا

تو دونوں فریق میں سے کسی سے بھی آپ نے کوئی باز پرس اور تنبیہ نہ کی۔ ❶

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ اداءِ عصر کے لیے صحابۂ کرام کے موقف الگ الگ تھے۔ ایک فریق نے ظاہر لفظ (باصطلاح مناطقہ) یا عبارۃ النص (باصطلاح احناف) پر عمل کیا اور دوسرے فریق نے نص کے معنی مخصوص کا استنباط کیا۔ اور رسول کریم ﷺ نے دونوں کی تصویب کی جو اس بات کی دلیل ہے کہ دونوں موقف صحیح ہیں۔ اور ظاہر نص پر عمل کے علاوہ مضبوط دلائل کے ساتھ معانی و مفاہیم کا استنباط کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ صحیح علم اور مطلوبہ صلاحیت پائی جائے۔

صحابۂ کرام کے فریق ثانی نے یہی سمجھا کہ رسول اللہ ﷺ کا مقصود صرف جلدی اور تیز رفتاری ہے۔ اس لیے انہوں نے دیارِ بنی قریظہ پہنچنے سے پہلے نمازِ عصر پڑھنے کو جب کہ وہ سبب تاخیر نہ ہو حکم رسول اللہ ﷺ کے خلاف نہیں سمجھا...... امام ابن قیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ فقہاء کا اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ کس فریق کا عمل زیادہ صحیح اور بہتر تھا۔ کسی نے کہا کہ افضل فریق وہ ہے جس نے راستے میں نماز پڑھ کر اس امر رسول (ﷺ) کی بجا آوری میں سبقت حاصل کر لی کہ نماز اپنے وقت پر پڑھو۔ اور کسی نے کہا کہ افضل وہ ہے کہ جس نے دیارِ بنی قریظہ جلد پہنچنے کے لیے نماز مؤخر کر دی۔ ❷ میرا اپنا خیال یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے کسی فریق کے عمل۔ پر اظہارِ ناراضگی نہیں فرمایا اور آپ کے سامنے ہی اس کا فیصلہ بھی ہو گیا تو اس معاملے میں زیادہ غور وخوض کرنا مناسب نہیں۔

ب:...... عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کہا غزوۂ ذات السلاسل ❸ کے موقع پر ایک سرد رات میں مجھے احتلام ہوا۔ اگر میں غسل کرتا تو ہلاکت کا خطرہ تھا اس لیے تیمّم کر کے جماعت سے

---

❶ حاشیہ فتح الباری: ۷/۳۱۳۔ ارشاد الساری: ۸/۲۵۴۔ بخاری: ۵/۴۷، کتاب المغازی و باب صلوٰۃ الخوف۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ.

❷ اعلام الموقعین از ابن القیم.

❸ مشارف شام میں ایک مقام۔

نمازِ فجر پڑھ لی۔ میرے ساتھیوں نے جب نبی کریم ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ عمرو! حالت جنابت ہی میں تم نے جماعت سے نماز پڑھ لی۔ میں نے عرض حال کیا اور یہ آیت پڑھی:

﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝﴾ (النساء: ۲۹)

''اور اپنی جانیں قتل نہ کرو۔ بے شک اللہ تم پر مہربان ہے۔''

یہ سن کر آپ ہنسنے لگے اور کچھ نہیں فرمایا۔ [1]

تاویل اور اس کی قسمیں

صحابہ کرام اپنے حالات و واقعات سے یہ سمجھتے تھے کہ دین اسلام میں سہولت و آسانی ہے اور شریعت نے فقہی مسائل میں مختلف مناہج اور طریقوں کی گنجائش رکھی ہے۔ ان کے درمیان عہد رسالت اور اس کے بعد جن مسائل پر اختلاف ہوا کہ کوئی ظاہری نص کو صحیح سمجھ رہا ہے کوئی اس کے متعدد گوشوں پر فکر و تدبیر سے کام لے رہا ہے اور اس کے کئی ایک معنی اس کی نظر میں ہیں۔ جن کا ذکر بہت طویل ہو جائے گا۔ کیونکہ اس بحث سے قطع نظر صرف اس بیان اختلاف ہی کے لیے کئی جلدیں ناکافی ہو جائیں گی۔ اس لیے ہم ان سب کا ذکر نہیں کر سکتے۔

ماہر فقہاء و مجتہدین ہی ان معاملات میں اپنی وہ جولانی فکر دکھا سکتے ہیں جو مقاصد و مطالب شریعت کی تکمیل کر سکے۔ جہاں کبھی ظاہر لفظ اور کبھی تاویل کے ذریعہ اس کا نتیجہ سامنے آتا ہے اس موضوع پر ہم کچھ روشنی ڈال رہے ہیں۔ اختصار کے ساتھ تاویل کی قسمیں اور اس کے ضوابط کا ذکر بھی قارئین کے لیے مفید ہوگا۔

ظاہر لفظ چھوڑ کر جو معنی مراد لیا جائے اسے تاویل کہتے ہیں اور اس کی قسمیں یہ ہیں:

---

[1] سنن ابی داؤد، حدیث: ۳۳۴۔ باب اذا خاف الجنب البرد۔ فتح الباری: ۱/ ۳۵۸۔ نیل الاوطار: ۱/ ۳۲۴۔

ا۔ تاویل قریب:

ادنیٰ تامل سے جسے سمجھ لیا جائے اور لفظ میں بھی اس کی گنجائش ہو۔ جیسے مال یتیم سے کسی دوسرے کو صدقہ وخیرات یا اس کی اضاعت کو کھانے کی طرح کہنا یا اس میں نسبتاً زیادہ حرمت قرار دینا۔ جیسا کہ قرآنِ حکیم میں ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا﴾ (النساء: ۱۰)

''جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں۔''

کسی برتن کے پیشاب کو ٹھہرے ہوئے پانی میں انڈیل دیا جائے تو اسے بھی ایسا ہی سمجھا جائے گا جیسے براہِ راست اسی میں پیشاب پڑا ہو۔ اور اس سے یہ کہہ کر نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے:

((لا يبولن احدكم فى الماء الدائم ثم يغتسل فيه .)) [1]

کیونکہ ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنا اور اس میں غسل کرنا دونوں کام گندگی اور جراثیم پیدا کرنے والے ہیں۔

۲۔ تاویل بعید:

جس کے جاننے کے لیے مزید تامل کی ضرورت پڑے اور لفظ میں بھی اس تاویل کی گنجائش ہو جیسے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ان دونوں آیتوں سے استنباط کیا ہے کہ حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہو سکتی ہے:

﴿وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا﴾ (الاحقاف: ۱۵)

''اس کا حمل اور دودھ چھڑانا تیس (۳۰) مہینہ میں ہے۔''

﴿وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ

[1] الجامع الصغير: ۲/ ۱۰۵ متفق عليه۔ الفتح الكبير: ۳/ ۳۵۲ ۔ ابو داؤد ، نسائی ، احمد ، ترمذی، ابن ماجه۔

الرَّضَاعَةَ﴾ (البقرہ: ۲۳۳)

''اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں۔ یہ اس کے لیے ہے جو دودھ کی مدت پوری کرنی چاہیے۔''

اسی طرح امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت سے اجماع کی حجت کا استدلال کیا:

﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا﴾

(النساء: ۱۱۵)

''حق راستہ واضح ہو جانے کے بعد بھی جو رسول کی مخالفت کرے اور مسلمانوں کی راہ سے الگ چلے ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور جہنم میں داخل کریں گے جو پلٹنے کی بڑی بُری جگہ ہے۔''

اصولیوں نے حجیت قیاس اور اس کے دلیل شرعی ہونے کا اس آیت سے استدلال کیا ہے:

﴿فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ﴾ (الحشر: ۲)

''اے نگاہ والو! عبرت حاصل کرو۔''

یہ نتائج بظاہر آسان ہیں لیکن جب تک صاحب علم انسان فکر رسا اور بلندی نظر کا مالک نہ ہو اِن نتائج تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور اس کے لیے جو بصیرت و تدبر درکار ہے وہ عامۃ الناس کے اندر بلکہ خواص میں بھی نہیں۔

۳۔ تاویل مستبعد:

لفظ میں جس کی گنجائش اور تاویل کرنے والے کے پاس کوئی دلیل بھی نہ ہو، مثلاً:

﴿وَعَلٰمٰتٍ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ﴾ (النحل: ۱۶)

''علامتیں اور ستارے جن سے وہ راہ پاتے ہیں۔''

کی تفسیر میں بعض لوگوں نے کہا کہ نجم سے رسول اللہ ﷺ اور علامات سے ائمہ کرام مراد ہیں۔ اسی طرح آیت کریمہ:

﴿وَ مَا تُغۡنِی الۡاٰیٰتُ وَ النُّذُرُ عَنۡ قَوۡمٍ لَّا یُؤۡمِنُوۡنَ﴾ (یونس: ۱۰۱)

''آیتیں اور رسول ایسے لوگوں کو کچھ فائدہ نہیں پہنچاتے جو ایمان والے نہیں۔''

کی تفسیر کرتے ہوئے آیات سے ائمہ اور نذر سے انبیاء کرام مراد لیا ہے۔ اور کچھ لوگوں نے:

﴿عَمَّ یَتَسَآءَلُوۡنَ ۝ عَنِ النَّبَاِ الۡعَظِیۡمِ ۝﴾ (النباء: ۱، ۲)

''آپس میں کس چیز کی چہ می گوئی کر رہے ہیں بڑی خبر کے بارے میں پوچھ رہے ہیں۔''

کی تفسیر کی ہے کہ ''نباء عظیم'' سے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔ [1]

تاویل کے قواعد وضوابط:

مذکورہ بالا باتوں سے واضح ہو جاتا ہے کہ فکر و تدبر کی مناسب صلاحیت کے ساتھ یہ علم بھی ضروری ہے کہ نص کا مقتضی اور مدلول کیا ہے۔ ورنہ ظاہر ہی مراد لینے میں سلامتی ہے اور یہ تاویل بھی صرف اجتہادی اُمور میں ممکن ہے۔ اعتقادی مسائل میں کبھی بھی اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں۔ اور ظاہر نصوص کے ساتھ ان کے معانی و کیفیات مراد لینا ہی باعث سلامتی ہے۔ سلف صالحین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہی موقف ہے۔

تاویل کی شدید ضرورت کے وقت نص کا فہم صحیح، اس کا تحلیل و تجزیہ مقاصد شریعت کے مطابق از روئے لغت اس کے سارے وجوہ اور عام شرعی قواعد و اُصول کی معرفت لازم ہے۔ اسی لیے ظاہری نص سے حکم لگانے، اس کے سارے تقاضے جاننے کے لیے اس کے تحلیل و تجزیہ کا فقہی اجتہاد اور اس شرعی اعتبار کی ایک اہم قسم سمجھا گیا ہے جس کا ذکر قرآن حکیم میں ہے:

﴿فَاعۡتَبِرُوۡا یٰۤاُولِی الۡاَبۡصَارِ﴾ (الحشر: ۲)

''اے نگاہ والو! عبرت حاصل کرو۔''

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ضوابط تفسیر کی چار قسمیں بیان فرمائی ہیں:

پہلی قسم...... اہل عرب جسے اپنے کلام سے سمجھ لیں۔

[1] أصول الكافي: ۱/ ۲۱٦۔

دوسری قسم...... جسے ہر شخص سمجھ لے۔
تیسری قسم...... جسے صرف اہل علم سمجھ لیں۔
چوتھی قسم......جس کا علم صرف خدا کو ہے۔

تاویل جس کا معنی اور اس کی اقسام گذر چکی ہیں۔ اس کے اور تفسیر کے درمیان مضبوط رشتہ ہے۔ بہت سی جگہوں پر تفسیر و تاویل کو ایک دوسرے کی جگہ پر استعمال کیا گیا ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

﴿وَ مَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ﴾

(آل عمران : ۷)

”اور اس کی صحیح تاویل اللہ ہی کو معلوم ہے اور پختہ علم والے کہتے ہیں ہم اللہ پر ایمان لائے۔“

بہت سے مفسرین نے کہا ہے کہ یہاں تاویل سے تفسیر و بیان مراد ہے۔ امام طبری رحمہ اللہ نے سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما و دیگر اسلاف کے اس سلسلے میں کوئی اقوال نقل کیے ہیں۔

اسی طرح سیّدنا ابن عباس کے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا: اللّٰهم فقّهه في الدين و علّمه التاويل میں تاویل کا استعمال تفسیر و بیان کے لیے ہے۔ اگرچہ بعض اہل علم جیسے راغب اصفہانی نے تفسیر کو تاویل سے زیادہ عام بتایا ہے اور یہ کہا ہے کہ تفسیر کا استعمال الفاظ کے شرح و بیان اور تاویل کا معانی و کلام کے لیے زیادہ ہوتا ہے۔

کتاب و سنت کی ان مخصوص اصطلاحوں کے یہ رشتے اتنے گہرے ہیں کہ مفسرین نے تفسیر کے جو ضوابط متعین کیے ہیں انہیں تاویل کے لیے بھی استعمال کر لیا جاتا ہے۔

بلاشبہ کتاب حکیم کے بہت سے اُمور جیسے حقائق اسماء و صفات کی معرفت اور غیب کی تفصیلات وغیرہ کا علم صرف خدا کو ہے اور بعض اُمور و معاملات کی معرفت خدا نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی خاص کر دی ہے۔ جن میں تفسیر و تاویل نہ کر کے ان حدود کا التزام ضروری ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین کر دیے ہیں۔

تفسیر وتاویل کے علاوہ ایک تیسری قسم بھی ہے۔ کتاب مقدس کے وہ علوم جنہیں خدا نے اپنے نبی ﷺ کو دیے اور جن کی تعلیم کا آپ کو حکم ملا اس کی بھی دو قسمیں ہیں:

اوّل: ...... جو صرف سماعی ہے اور اس میں غور و خوض جائز نہیں۔ جیسے اسباب نزول اور ناسخ ومنسوخ وغیرہ۔

دوم: ...... بطریق نظر واستدلال جسے حاصل کیا جائے۔ اس میں بھی علماء متبحرین کے دو موقف ہیں:

۱۔ جس کے جواز تاویل میں اختلاف ہے جیسے آیات اسماء وصفات۔ اسلاف کا مسلک یہی ہے کہ اس میں تاویل ممنوع ہے اور یہی صحیح بھی ہے۔

۲۔ اس کے جواز پر اتفاق ہے اور یہ ہے تفصیلی دلائل کے ساتھ احکامِ شرعیہ کا استنباط۔ اس کا اصطلاحی نام "فقہ" ہے۔

علماء کرام نے تفسیر وتاویل کے لیے متعدد شرطیں عائد کی ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

پہلی شرط: ...... لغوی قواعد اور عرف اہل عرب کے مطابق لفظ کا ظاہر مفہوم اس تاویل سے ختم نہ ہو۔

دوسری شرط: ...... کسی نص قرآنی کے خلاف نہ ہو۔

تیسری شرط: ...... علماء وائمہ کے کسی اجماعی قاعدہ شرعیہ کے خلاف نہ ہو۔

چوتھی شرط: ...... نص جس سبب سے وارد ہو اس کے مقصد کی مکمل رعایت ہو۔

تاویل باطل ومردود کی مندرجہ ذیل قسمیں ہو سکتی ہیں:

پہلی قسم: ...... کسی نا اہل کی ایسی تاویل وتفسیر جس کے پاس نحو وفقہ اور لوازم تاویل کی مطلوبہ صلاحیت نہ ہو۔

دوسری قسم: ...... بغیر کسی سند صحیح کے متشابہات کی تاویل۔

تیسری قسم: ...... ایسی تاویل جو ظاہر کتاب وسنت یا اجماع اُمت کے خلاف باطل و فاسد مسلک وموقف کو تقویت پہنچائے۔

چوتھی قسم :......قطعیت کے ساتھ بلا کسی دلیل کے ایسی تاویل کہ شارع کی مراد صرف یہی ہے۔

پانچویں قسم :......مبنی برنفسانیت تاویل۔ جیسے باطنیہ وغیرہ کی تاویلات۔

یہ تاویلات مذکورہ تاویل مستبعد کے ضمن میں داخل ہیں۔

اہل اجتہاد صحابۂ کرام:

اجتہاد اور اس کے نتائج کی عظمت کے پیش نظر وہی صحابۂ کرام اس میدان میں اُترتے جو اپنے اندر استنباط واستخراج مسائل کی مکمل صلاحیت موجود پاتے۔ بصورتِ دیگر جب کسی صحابی کی غلطی رسول اللہ ﷺ کے سامنے آتی تو آپ ناپسند فرماتے اور اس کی اجازت نہ دیتے۔

سیّدنا جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''ہم لوگ ایک سفر میں تھے ہمارے ایک ہم سفر کے سر پر پتھر لگا پھر اس کو احتلام ہوگیا۔ اپنے ساتھیوں سے اس نے پوچھا کہ کیا میں تیمّم کرسکتا ہوں؟ تو سبھوں نے کہا کہ نہیں؟ جب پانی سے وضو کرسکتے ہو تو تیمّم کی رخصت نہیں۔ یہ جواب سن کر اس نے غسل کیا جس سے اس کا انتقال ہوگیا۔ اس کے بعد ہم جب رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے اور انہیں حادثہ کی خبر دی تو آپ نے فرمایا: تم لوگوں نے اسے مار ڈالا۔ اللہ ہلاک کرے۔ تم جب جانتے نہیں تھے تو کیوں نہ پوچھ لیا؟ لاعلمی وجہالت کا علاج تو سوال ہی ہے۔ اسے تیمّم ہی کافی تھا۔ یا زخم پر ایک ٹکڑا لپیٹ کر اس پر مسح کر لیتا اور بقیہ سارے بدن پر پانی ڈال لیتا۔'' [1]

رسول اللہ ﷺ نے بغیر علم کے فتویٰ دینے والوں کی زجر وتوبیخ فرمائی اور انہیں گویا اپنے بھائی کا قاتل سمجھا اور وضاحت سے بتلا دیا کہ جو چیز معلوم نہیں اسے دریافت کر لینا ضروری ہے۔ بغیر سمجھے ہوئے فتویٰ دینا اس کا حل نہیں۔ ضرورتِ سوال کی یہی تنبیہ قرآنِ حکیم

[1] سنن ابی داؤد، باب فی المجروح یتیمم، حدیث: ٣٣٦۔ تخریج ابن ماجہ، حدیث: ٥٧٢ تصحیح ابن السکن در نیل الاوطار: ٣٢٣/١۔

میں بھی ہے:

﴿فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝﴾ (النحل : ٤٣)

''اے لوگو! اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے پوچھو۔''

سیّدنا اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ:

''رسول اللہ ﷺ نے ایک سریہ (وہ جہاد جس میں رسول اکرم ﷺ نے بذاتِ خود شرکت نہ فرمائی ہو) میں بھیجا تو ہم جہینہ کے علاقے میں صبح کو پہنچے۔ وہاں ایک آدمی کو میں نے جا پکڑا جس نے لا الٰہ الا اللہ پڑھا مگر میں نے اسے نیزہ مار دیا۔ میرے دل میں اس بات کی کھٹک پیدا ہوئی جس کا ذکر نبی اکرم ﷺ سے کیا۔ آپ نے فرمایا: اس نے لا الٰہ الا اللہ کہا، پھر بھی تم نے اسے مار ڈالا؟ میں نے کہا: یا رسول اللہ! اس نے تو ہتھیار کے خطرے اور جان کے خوف سے ایسا کیا۔ آپ نے فرمایا: کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا کہ اس نے اسی لیے کہا؟ بروزِ قیامت تم اس کے لا الٰہ الا اللہ کا کیا جواب دو گے؟ اور اس کا ذمہ دار کون ہوگا؟ رسول اکرم ﷺ بار بار اس بات کو دہراتے رہے جس سے میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ کاش! اس سے پہلے میں مسلمان نہ ہوا ہوتا۔'' ❶

پہلی حدیث میں رسول اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کے ایسے دلائل کے عموم کو مسترد فرمایا جن سے پانی پائے جانے کی صورت میں اس کا استعمال ضروری ہو جاتا ہے۔ اور اس کے احوال وظروف سے انہوں نے صرفِ نظر کر لیا اور اس آیت تک ان کا ذہن نہ پہنچا:

﴿وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا﴾ (المائدہ : ٦)

---

❶ امام احمد، بخاری، مسلم، ابو داؤد، نسائی، طبرانی نے اس کی تخریج کی ہے اور بعض الفاظ میں اختلاف بھی ہے۔ دیکھیے: صحیح بخاری : ٣٩٨/٧.

''اگر تم مریض ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے آیا ہو یا عورتوں سے صحبت کی اور پانی نہ پایا تو پاک مٹی سے تیمّم کرو۔''

دِقت نظر سے کام لیا اور نہ ہی استفسار کیا۔

حدیث اُسامہ بن زید سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ گویا یہ آیت کریمہ:

﴿فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا﴾ (المومن: ٨٥)

''تو ان کے ایمان نے انہیں فائدہ نہ پہنچایا جب انہوں نے ہماری طاقت اور عذاب دیکھا۔''

اس سے یہ مفہوم ان کے ذہن میں آیا کہ نفع دنیا و آخرت دونوں کی اس میں نفی کی گئی ہے اور یہ صرف آخرت کے لیے خاص نہیں۔ جیسا کہ آیت سے ظاہر ہوتا ہے اور شاید اسی لیے رسول اکرم ﷺ نے انہیں تنبیہ بھی کی۔

صحابۂ کرام کے ان فتاویٰ کو آپ نے قبول نہیں کیا اور ان کی صحیح راہنمائی فرمائی۔ ❶

اپنے اُمور و معاملات میں صحابہ کرام آپ سے ہدایت حاصل کرتے اور استغفار کرتے تو انہیں صحیح مسائل و احکام بتلاتے اور خود ان کا فیصلہ اور تصفیہ فرماتے۔ ❷

ان کے اچھے کام دیکھ کر پسند فرماتے اور ان کی تعریف کرتے اور کوئی نا مناسب بات دیکھتے تو اسے ناپسند فرماتے۔ صحابۂ کرام آپ سے یہ باتیں سیکھ کر انہیں ایک دوسرے سے بیان کرتے جس سے عوام و خواص ہر ایک کو ان کی خبر ہو جاتی۔ ان میں کبھی اختلاف ہوتا اور مختلف فیہ مسائل پر گفتگو ہوتی تو اعتدال و سنجیدگی کے ساتھ ہوتی اور تنازع و انشقاق تک کبھی نہ پہنچتی نہ ایک دوسرے پر طعنہ زنی اور الزام تراشی ہوتی۔ کیونکہ وہ ہر مسئلہ میں کتاب اللہ اور سنت رسول (ﷺ) کو اپنا مرجع مانتے تھے اور کوئی ایسی بات نہیں رہنے دیتے جس سے ان

---

❶ ابن حزم نے صحابۂ کرام کے ایسے بہت سے فتاویٰ جمع کیے ہیں جنھیں رسول اللہ ﷺ نے قبول نہیں فرمایا۔ دیکھیے: الاحکام: ٦/٨٤، ٨٥ و ٢/١٢٦، ١٢٧۔

❷ حجة الله البالغه: ١/٢٩٨۔

کی محبت واخوت پر آنچ آ سکے۔

صحابہ کو اختلاف سے اجتناب کی ہدایت وتنبیہ:

رسول اللہ ﷺ جانتے تھے کہ اس اُمت کی بقا اسی میں ہے کہ محبت خداوندی کے سایہ میں ان کے دل آپس میں ملے رہیں۔ کیونکہ اگر دل بچھڑ جائیں تو ان کی موت ہے۔ اسی لیے آپ اختلاف سے روکتے اور انھیں تنبیہ وہدایت فرماتے رہتے کہ لا تختلفوا فتختلف قلوبکم ❶ اور صحابہ کرام بھی سمجھتے تھے کہ اختلاف کا نتیجہ کبھی خیر نہیں ہوتا بلکہ شر ہی ہوتا ہے۔ جیسا کہ سیّدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: الخلاف شر۔

اختلاف کی بیج پنپنے سے پہلے ہی آپ اسے جڑ سے اُکھاڑ پھینکتے تھے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ:

”میں ایک روز دوپہر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا وہاں میں نے دو آدمیوں کی آوازیں سنیں جو کسی آیت کے سلسلے میں اختلافی بحث کر رہے تھے۔ ان کی آواز سن کر آپ غضب ناک ہو کر نکلے اور فرمایا:

((انما هلك من كان قبلكم باختلافهم في الكتاب .)) ❷

”تم سے پہلے کے لوگ کتاب میں اختلاف کر کے ہی ہلاک ہوئے۔“

نزال بن سبرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ کہتے ہوئے سنا:

”میں نے ایک شخص کو ایک آیت پڑھتے سنا جو اس طریقہ کے خلاف پڑھ رہا تھا جسے میں نے نبی اکرم ﷺ سے سن رکھا تھا۔ اس لیے میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور آپ کے پاس اسے لے کر حاضر ہوا۔ ہماری بات سن کر آپ نے ارشاد فرمایا: تم دونوں نے اچھا کیا کہ اصلاح کے لیے یہاں آئے۔ شعبہ نے کہا: میرا خیال ہے

---

❶ بخاری۔ کما فی الجامع الصغیر : ۲/ ۴۹۴۔

❷ الاحکام: ۵/ ۶۶۔

ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا:

((لا تختلفوا فإن من قبلکم اختلفوا فھلکوا .)) ❶

''اختلاف نہ کرو تم سے پہلے کے لوگ اختلاف کر کے ہلاک ہو گئے۔''

یہاں رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام اور اُمت مسلمہ کو اختلاف کے نتائج بتلا کر اس سے بچتے رہنے کی تعلیم دی ہے۔

قرآنِ حکیم کے اُصول وآداب آپ نے خاص طور سے سکھلائے ہیں کہ:

((اقرؤوا القرآن ما ائتلفت علیه قلوبکم فاذا اختلفتم فیه فقوموا .)) ❷

''قرآنِ حکیم پڑھو جب تک کہ تمہارے دل ملے رہیں اور جب اس میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اُٹھ کھڑے ہو جاؤ۔''

آپ نے قرأت یا آیات کے معانی میں اختلاف کی صورت میں قرآنِ حکیم پڑھنے سے اس وقت تک کے لیے منع فرما دیا جب تک کہ احساسات و جذبات اور دل پرسکون نہ ہو جائیں اور بحث ومباحثہ کی ایسی گرمی کے اسباب جو موجب تنازع وانشقاق بن جائیں وہ ختم نہ ہو جائیں۔ ہاں جب دل پرسکون ہو کر آپس میں مل جائیں اور فہم وشعور کی مخلصانہ خواہش جاگ اُٹھے تو پھر قراءت وآیات میں تدبر کا آغاز کر دیں۔ صحابۂ کرام کے درمیان جب اختلاف ہوتا تو قرآنِ حکیم بھی انہیں آدابِ اختلاف کی تعلیم دیتا۔ جیسا کہ سیّدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ دونوں اچھے آدمی یعنی سیّدنا ابوبکر صدیق وسیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما ہلاکت میں پڑنے والے تھے۔ اس طرح کہ جب بنوتمیم کا ایک قافلہ آیا تو

---

❶ الاحکام از ابن حزم ...... صحیح بخاری باب کراھیة الاختلاف : ۲۸۹/۱۳ ، باب نزل القرآن علی سبعة احرف : ۲۲/۹، ۳۶۔

❷ بخاری ، مسلم، مسند احمد، اور نسائی کما فی الجامع الصغیر : ۸۶/۱ اورالفتح الکبیر : ۲۱۸/۱.

دونوں نے آوازیں بلند کیں۔ ایک نے اقرع بن حابس اور دوسرے نے قعقاع بن معبد بن زرارہ کو اشارہ کیا تو سیّدنا ابوبکر نے سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے کہا کہ آپ میری مخالفت کر رہے ہیں۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں! میں نے آپ سے اختلاف نہیں کیا۔ اسی پر دونوں کی آواز اونچی ہوگئی۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْھَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝﴾ (الحجرات : ٢)

”اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے اونچی نہ کرو اور نہ اس طرح زور سے بات کرو جیسے آپس میں کرتے ہو کہیں تمہارے عمل ضائع ہو جائیں اور تمہیں اس کی خبر ہی نہ ہو۔“

سیّدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس آیت کے بعد عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہر بات آپ سے سمجھ لیا کرتے تھے۔ [1]

عہدِ رسالت میں آدابِ اختلاف:

اس عہد کے آدابِ اختلاف کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی امکانی کوشش یہ ہوتی تھی کہ کوئی اختلاف پیدا نہ ہو۔ اسی لیے مسائل اور فروعی اُمور میں زیادہ گفتگو کی بجائے ہدایات رسول اللہ ﷺ ہی کی روشنی میں مسائل و معاملات کا حل تلاش کر لیا کرتے تھے۔ [2]

اسی طرح کسی مسئلہ کا حل نکال لیا جائے تو اختلاف کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔ تنازع اور افتراق کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

۲۔ اختلاف سے بچنے کی کوششوں کے باوجود اگر کسی معاملہ میں اختلاف ہو جاتا تو

[1] بخاری۔ حاشیہ فتح الباری : ٨/٦٦ و ٤٥٤ و ٢٣٥/١٣۔

[2] فتح الباری: ١٣/ ٢١٩، ٢٢٨۔

کتاب اللہ اور سنت رسول (ﷺ) سے وہ فوراً فیصلہ لے لیتے جس سے ان کا سارا اختلاف دُور ہو جاتا۔

۳۔ حکم خدا اور رسول کے سامنے وہ فوراً جھک جاتے۔ اسے مکمل طور پر تسلیم کر لیتے اور ہمیشہ اس کا التزام رکھتے۔

۴۔ جن اُمور میں تاویل ممکن ہوتی ان میں رسول اللہ ﷺ ان کی تصویب فرماتے اور ان کے استنباط کو درست قرار دیتے۔ ہر صحابی کو یہ احساس بھی رہتا کہ اس کے بھائی کی رائے بھی اسی طرح درست ہوسکتی ہے جیسے اس کی نظر میں اپنی رائے درست اور برحق ہے۔ یہ احساس ہی اس بات کا ضامن ہے کہ اپنے بھائی کا احترام کیا جائے اور تعصب رائے سے دُور رہا جائے۔

۵۔ نفسانیت سے دُور رہ کر احتیاط و تقویٰ کی راہ اختیار کرتے۔ جس کا فائدہ یہ ہے کہ حقیقت تک رسائی ہی فریقین کا مطمحِ نظر اور ان کا مقصودِ اصلی ہوتا۔ اور ان کی نظر میں اس کی کوئی اہمیت نہ ہوتی کہ اس کا اظہار خود اس کی زبان سے یا اس کے کسی بھائی کی زبان سے ہو رہا ہے۔

۶۔ اسلام کے ان آداب کی رعایت کرتے کہ نرمی کے ساتھ اچھی طرح گفتگو کی جائے جارحانہ الفاظ اور طرزِ تخاطب سے اجتناب کیا جائے اور ہر ایک کی بات نیک نیتی اور دل جمعی سے سنی جائے۔

۷۔ گفتگو کی تلخی سے حتی الامکان پرہیز کرتے ہوئے موضوع بحث میں ایسی کوشش جس سے ہر ایک کی رائے میں سنجیدگی اور احترام کا پہلو غالب رہے۔ تاکہ مخالف ہماری اپنی رائے قبول کر لے یا اس کے سامنے اچھی رائے پیش ہو جائے۔

عہد رسالت میں اختلاف کے جو واقعات پیش آئے اور ان میں غور وخوض کر کے اُصول وآداب اختلاف کا یہ خلاصہ نذرِ قارئین کر دیا۔

عہد صحابہ میں آدابِ اختلاف:

بعض مسلم مصنفین کی کوشش یہ رہی ہے کہ جماعتِ صحابۂ کرام کی ایسی تصویر کشی کریں جس سے لوگ یہ سمجھیں کہ اس جماعت جیسے ممکنہ عملی اوصاف رکھنے والے افراد اب اس اُمت میں پیدا ہی نہیں ہو سکتے جو علم وعمل میں ان کی یادگار اور سچے جانشین ثابت ہو سکیں۔ ایسا خیال جو اسلام سے اسی طرح ایک کھلی ہوئی بدگمانی ہے جیسے بعض کج فکر حضرات کا یہ خیال کہ عہد صحابہ کے بعد کتاب اللہ اور سنت رسول (ﷺ) کے سائے میں اب دوبارہ اسلامی زندگی کا آغاز ایک امر محال ہے جس کا تصور بھی نہیں کرنا چاہیے۔ یہ لوگ ایسے خیالات کی اشاعت کر کے ان دلوں سے اُمید کی کرن بھی ختم کر دینا چاہتے ہیں جن کی خواہش وتمنا ہے کہ شریعت اسلامیہ کے سائے میں ہماری اجتماعی زندگی پروان چڑھے۔

صحابۂ کرام کو ایسی مثالی اُمت کتاب اللہ اور سنت رسول (ﷺ) نے ہی بنایا اور یہ دونوں چیزیں ہمارے سامنے ہیں جن پر اسی طرح عمل کیا جائے جیسے صحابۂ کرام کرتے تھے اور ان کی اختیار کردہ راہوں پر چلتے رہیں تو ان کی قوت واثر سے ایک مثالی اور قابل تقلید جماعت پھر عالم وجود میں آسکتی ہے۔ شرف صحابیت تو نہیں مل سکتا مگر یہ کہنا کہ اب کسی شکل میں پہلی جیسی اسلامی زندگی پیدا ہی نہیں ہو سکتی۔ کتاب اللہ وسنت رسول (ﷺ) میں ضعف ونقص ماننے کے مترادف ہے اور اس بات کی ناکام کوشش کہ ان دونوں کا اثر صرف مخصوص حالات کے تابع تھا۔ اور اب اس نئے زمانے میں جو زندگی کے نئے نئے تقاضے اور اُصول وضوابط سامنے آئے ہیں انہوں نے ان دونوں کو پس پشت ڈال دیا (معاذ اللہ) ایسا کہنے والا یقینی طور پر انکار وعصیان کا صریحاً ارتکاب کر رہا ہے۔

صحابۂ کرام کے اندر بہت سے اُمور میں اختلاف تھا جو اگرچہ رسول اللہ ﷺ تک پہنچ کر ختم ہو گیا مگر آپ ہی کے دور میں جب یہ فضا تھی تو بعد میں کیسے نہ ہو؟ یہ الگ بات ہے کہ ان کے درمیان جو اختلاف مختلف اسباب کے تحت ہوئے اس کے اُصول وآداب بھی ان کے سامنے ہوتے...... بعض اہم اختلافی معاملات یہ ہیں:

ا۔ رسول اکرم ﷺ کے انتقال کے سلسلے میں اختلاف:

آپ کے انتقال کے بعد سب سے پہلا اختلاف آپ کی حقیقتِ وفات کے سلسلے میں ہوا۔ سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا اس بات پر اصرار تھا کہ آپ کی وفات نہیں ہوئی اور یہ محض منافقین کی اڑائی ہوئی خبر ہے جس پر آپ نے انہیں دھمکیاں بھی دیں۔ سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب تشریف لائے تو آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝﴾ (آل عمران : ١٤٤)

''اور محمد (ﷺ) تو ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے بھی رسول ہو چکے ہیں۔ تو کیا اگر وہ انتقال کر جائیں یا شہید ہو جائیں تو تم اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے اور جو اُلٹے پاؤں پھرے گا وہ اللہ کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔ اور اللہ شکر کرنے والوں کو جلدی صلہ عطا فرمائے گا۔''

اور......

﴿اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ۝﴾ (الزمر: ٣٠)

''بے شک تمہیں بھی موت آئے گی اور انہیں بھی مرنا ہے۔''

یہ آیتیں سنتے ہی سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے تلوار اور ساتھ ہی آپ خود بھی زمین پر گر پڑے۔ پھر آپ کو یقین آ گیا کہ رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہو گیا اور سلسلۂ وحی بھی منقطع ہو گیا۔ اس کے بعد آپ نے سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تلاوت کردہ آیتوں کے بارے میں کہا کہ: بخدا! گویا کہ میں نے انہیں کبھی پڑھا ہی نہیں۔ [1]

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں مجھ سے

[1] الاحکام: ۲/ ۱۲۵۔ تفسیر ابن کثیر: ٤/ ٥٢۔ تفسیر طبری: ۲٤/ ۲۰۳۔ سیرۃ ابن ھشام: ۲/ ٦٥٥۔

فرمایا: ابن عباس! آپ جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے وقت میں نے جو کہا تھا اس کا سبب کیا تھا؟ میں نے کہا: امیر المؤمنین! میں نہیں جانتا آپ ہی زیادہ جان سکتے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا یہ آیت کریمہ:

﴿وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾ (البقرہ: ۱۴۳)

''اور یوں ہی ہم نے تمہیں معتدل وافضل اُمت بنایا تا کہ لوگوں پر تم گواہ رہو اور رسول تم پر گواہ رہیں۔''

بخدا! جب میں اسے پڑھتا تو خیال ہوتا کہ رسول اللہ ﷺ اپنی اُمت میں اسی طرح باقی رہیں گے تا کہ اس کے آخری عمل کی بھی شہادت دیں۔ اسی نے مجھ سے وہ بات کہلوائی جو میں نے کہی۔ ❶ گویا کہ سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آیاتِ کریمہ کے معانی میں اجتہاد کیا اور یہ سمجھا کہ اس سے شہادت دنیا مراد ہے۔ جس کا تقاضا یہ ہے کہ اُمت کے آخری دن تک رسول اللہ ﷺ ان کے ساتھ اسی طرح باقی رہیں گے۔

۲۔ تدفینِ رسول پر اختلاف:

صحابۂ کرام کے درمیان اس معاملہ میں بھی اختلاف ہوا کہ آپ کو کہاں دفن کیا جائے۔ کسی نے کہا مسجد نبوی میں آپ کو دفن کیا جائے۔ کسی کی رائے ہوئی کہ آپ کے اصحاب کے ساتھ آپ کی تدفین ہو۔ سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ:

((مَا قُبِضَ نَبِيٌّ اِلَّا دُفِنَ حَيْثُ يُقْبَضُ .))

''ہر نبی کی تدفین وہیں ہوئی جہاں اس کی روح قبض ہوئی۔''

یہ سن کر صحابۂ کرام نے اس بستر کو اُٹھایا جس پر آپ کا انتقال ہوا تھا اور وہیں زمین کھود

❶ سیرة ابن هشام: ۲/ ۶۶۱-۶۶۶۔ سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ ہی سے یہ بھی منقول ہے کہ بیعت صدیق اکبر کے وقت بھی آپ نے یہی فرمایا تھا۔

کر آپ کی قبر بنائی۔ ❶

۳۔ خلافتِ رسول پر اختلاف:

آپس میں اس بات پر اختلاف پیدا ہو گیا کہ خلافت مہاجرین میں ہو یا انصار میں؟ خلیفہ ایک ہی ہو یا متعدد؟ اس کی صلاحیتیں کیسی ہونی چاہئیں؟ بحیثیت امام و حاکم مسلمین رسول اللہ ﷺ جیسی ہی کچھ صلاحیتیں ہوں یا ان سے کم اور مختلف؟

ابن اسحاق نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے جب انتقال فرمایا تو انصار سعد بن عبادہ کے ساتھ سقیفۂ بنی ساعدہ میں علی بن ابی طالب، زبیر بن عوام، طلحہ بن عبید اللہ، بیت فاطمہ میں ...... اور بقیہ مہاجرین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہم اجمعین کے پاس مع اسید بن حضیر بنی عبدالاشہل میں اکٹھے ہو گئے۔ ❷ اور ایک بڑے فتنہ کا خوف پیدا ہو گیا جو پیش آ جاتا تو بھی جائے تعجب نہ تھا۔ کوئی بڑی شخصیت اور وہ بھی رسول اللہ ﷺ جیسی ذات والا صفات اپنی اُمت میں خلاف چھوڑ جائے تو اسے کس طرح پُر کیا جا سکتا ہے؟ خاص طور سے ایسی صورت میں جب کہ آپ سے شدید محبت رکھنے والے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ جیسے لوگ موجود ہوں جن کے ذہن و دماغ میں یہ بات تھی کہ آپ کو موت آ ہی نہیں سکتی اور ہر صحابیِ رسول اکرم ﷺ کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا اور یہی لوگ تھے کہ آپ کے وضو کا پانی زمین پر گرنے سے پہلے اُچک لیتے اور زمین کی بجائے کسی نہ کسی صحابی کے ہاتھ میں آیا کرتا تھا۔ روئے زمین پر کوئی ایسی قوم وملت پیدا نہیں ہوئی جس نے اپنے نبی اور قائد سے اتنی محبت کی ہو جتنی صحابۂ کرام نے آپ سے کی ہے۔ آپ سے انہیں عشق و محبت ایسی تھی اور ان کے قلوب و اذہان میں آپ کی ایسی ہیبت طاری تھی کہ آپ کے تواضع وانکساری کے باوجود وہ نظر بھی اُٹھا کر نہیں دیکھ پاتے تھے۔ اس لیے آپ کی وفات کا ایسا صدمہ جس سے بہت سے صحابۂ کرام وقتی طور پر شدتِ غم سے اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھیں تو کوئی حیرت و تعجب کی بات نہیں۔ کیونکہ آپ ہی کے دستِ مبارک سے

❶ مصدر سابق۔ و سنن ترمذی۔ حدیث: ۱۰۱۸۔

❷ سیرۃ ابن ھشام: ۲/ ٦٥٦۔

انہیں دنیاوی عزت اوراخروی سعادت حاصل ہوئی تھی لیکن شدتِ حزن وغم اور کرب فراق کے باوجود انہوں نے یہ آیت پڑھی:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلاَّ رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ٥﴾ (آل عمران : ١٤٤)

''اور محمد تو ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے بھی رسول ہو چکے ہیں۔ تو کیا اگر وہ انتقال کر جائیں یا شہید ہو جائیں تو تم اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے اور جو اُلٹے پاؤں پھرے گا وہ اللہ کا کچھ نہ بگاڑ پائے گا۔ اور اللہ شکر کرنے والوں کو جلدی صلہ عطا فرمائے گا۔''

پھر صحابہٴ کرام اپنے بکھرے معاملات کی ترتیب وتنظیم، دائمی دعوتِ اسلام کی حفاظت، اور اسباب فتنہ کے سدباب کے لیے کمربستہ ہو گئے۔

خلافت وقیادت کے صحیح حق دار سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور پھر سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے اور ان کی طرح کسی دوسرے پر لوگوں کی نظر نہیں اُٹھتی تھی۔ اس لیے کہ سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے وزیر، رفیق ہجرت اور آپ ﷺ کی محبوب زوجہ کے والد محترم تھے اور ہر اہم معاملے میں آپ کی شرکت ضروری تھی۔ سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بھی وہ ممتاز شخصیت تھی جس کے اسلام لانے سے مسلمانوں کو عزت وشوکت تھی جس نے مشرکین کی ناک خاک آلود کر دی اور جس کی رائے کو تائید ربانی حاصل تھی۔ احادیث میں اکثر آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور ان کے ساتھ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما تھے۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لے گئے اور ان کے ساتھ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ فرمایا اور ان کے ساتھ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما تھے۔

ایسی صفات اس حادثہ کا اثر کم کر دیتی ہیں، جن سے قدم لڑکھڑانے لگیں اور دلوں کا عالم زیروزبر ہونے لگے۔ اگرچہ اس خلاف کا احساس جو ایسے مواقع پر نظر آتا ہے وہ اتنا حوصلہ

شکن ہوتا ہے کہ صبر و حلم و دیگر فضائل سے تجاوز کر کے ایسی پیچیدگی پیدا کر دیتا ہے جسے سلجھانا اور قابو پانا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہاں پر وہ صحابۂ کرام جنہوں نے سایۂ نبوت میں پرورش پائی، اتفاق و اختلاف اور زندگی کے ہر معاملے میں جس کے ادب و تربیت کو وہ فیصلہ کن طاقت مانتے تھے۔ یہی اُصول و آداب ممکنہ خطرات کے ازالہ، دعوتِ اسلام کی حفاظت اور وحدتِ اُمت کی نگہداشت، اور دیگر مسائل و معاملات زندگی کو تقریباً اسی شکل میں چلانے کے ضامن تھے جیسے کہ وہ عہد رسالت میں تھے۔

راویوں نے بیان کیا ہے کہ ایک شخص سیّدنا ابوبکر صدیق و سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ انصار سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہیں۔ اگر لوگوں کے اُمور سے آپ حضرات کو کچھ دلچسپی اور ضرورت ہے تو ان کا معاملہ بڑھنے سے پہلے وہاں پہنچ جائیں۔ یہ خبر ان دونوں حضرات کو ایسے وقت ملی جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین بھی نہ ہو سکی تھی۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ چلیے ہم اپنے انصار بھائیوں کو دیکھیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ اس کے بعد کا واقعہ خود سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی زبان سے سماعت فرمایئے:

"انصار نے سقیفہ بنی ساعدہ میں اپنے اشراف اور معززین کے ساتھ اجتماع کر کے ہماری مخالفت کی تو ہم ان کے یہاں پہنچے۔ وہاں ہمیں دو صالح حضرات ملے۔ جنہوں نے قوم کا رجحان بتلایا اور پوچھا کہ اے مہاجرو! کہاں کا ارادہ ہے؟ ہم نے کہاں کہ ہم اپنے انصار بھائی کے پاس جا رہے ہیں۔ ان دونوں نے وہاں جانے سے ہمیں منع کیا اور کہا کہ وہاں مہاجرین کا جانا ٹھیک نہیں۔ آپ لوگ بس اپنا فیصلہ کریں۔ ہم نے جواب دیا بخدا ہم تو ضرور جائیں گے اور یہ کہہ کر سقیفۂ بنی ساعہ پہنچے۔ دہاں ہم نے ایک شخص کو دیکھا جو چادر لپیٹے ہوئے ہے۔ اس کے بارے میں پوچھا گیا تو لوگوں نے بتلایا کہ یہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ میں نے کہا انہیں کیا ہوا ہے تو معلوم ہوا کہ انہیں کچھ تکلیف اور درد ہے۔ پھر ہم

نے ان کے خطیب کی بات سننے بیٹھ گئے جس نے انصار کے ایسے فضائل و مآثر بیان کیے جن سے یہ معلوم ہو کہ انصار دوسروں کے مقابلہ میں خلافتِ رسول ﷺ کے زیادہ حق دار ہیں۔''

یہاں ایک نکتہ پر غور کیجیے۔ انصار مدینہ منورہ کے اصل باشندے ہیں اور انہیں کی غالب اکثریت بھی ہے۔ انہوں نے ہی مہاجرین کو پناہ دی۔ ان کی مدد کی۔ گھر بار دیا اور اسلام کے لیے گھروں سے پہلے اپنے دلوں کے دروازے کھول دیے۔ کوئی ایسا مہاجر نہیں جس کا کوئی انصاری بھائی نہ ہو اور جس کے اس پر احسانات نہ ہوں۔

اگر مسئلہ خلافت پر کتاب اللہ یا سنت رسول (ﷺ) کی کوئی نص یا واضح حکم ہوتا تو اس کے فیصلہ سے یہ معاملہ صاف ہو جاتا اور اختلاف بھی ختم ہو جاتا۔ لیکن کوئی ایسی چیز پہلے سے موجود نہ تھی اس لیے سوائے اس کے کوئی صورت نہ تھی کہ کوئی ایسا مقتدر اور بااثر شخص سامنے آئے جو حکمت و مہارت کی ساری خوبیوں سے مزین ہو اور آدابِ اختلاف سے واقف ہو۔ عقلی سطح پر بھی ایسی معتدل اور پرسکون گفتگو کر سکے جو فریقین کے درمیان اچھے جذبات و احساسات پیدا کر سکے جس سے حائل خلیج دُور ہو اور اس بحران سے نکلا جا سکے۔ یہ سارے خیالات سیّدنا عمر کے ہیں۔

''انصار کا خطیب جب خاموش ہو گیا تو میں نے جو باتیں سلیقہ سے کہنے کے لیے دل میں سوچ رکھی تھیں انہیں کہنا چاہا لیکن سیّدنا ابوبکر نے مجھے روک دیا۔ انہیں میں ناراض نہیں کر سکتا تھا کیونکہ وہ مجھ سے زیادہ صاحب علم و وقار تھے۔ انہوں نے جب بولنا شروع کیا تو بخدا! ارتجالاً ہی وہ ساری باتیں جو میں نے بہت سوچ سمجھ کر ذہن میں مرتب کی تھیں بالکل ویسے ہی یا اس سے اچھے ڈھنگ سے آپ نے بیان فرما دیں۔ انہوں نے ارشاد فرمایا: اپنے اندر جن خوبیوں کا آپ نے ذکر کیا اس کے آپ پورے اہل ہیں۔ اس کے علاوہ انصار نے دین اور اپنے مہاجرین بھائیوں کے لیے جو کچھ کیا تھا ان کی تائید اور پھر تعریف کی اور کچھ ایسے

فضائل اور مناقب کا بھی ذکر فرمایا جو ان کے خطباء بیان نہ کر سکے تھے۔ اس کے بعد انصار خطباء کے دائرہ سے نکل کر آپ نے فرمایا: معاملہ صرف مدینہ منورہ کا نہیں آج سارے جزیرۃ العرب پر اسلام سایہ فگن ہے۔ مدینہ طیبہ میں مقیم مہاجرین اپنے انصار بھائیوں کی فضیلت و برتری کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں مستحق خلافت سمجھ لیں جب بھی بقیہ اہل عرب غیر قریشی کی خلافت تسلیم نہیں کر سکتے اور جب تک ہمارا اتحاد برقرار نہیں رہے گا اس وقت تک ہم جزیرۃ العرب سے باہر دعوتِ اسلام نہیں پھیلا سکتے۔ اسلام کے عروج و اقبال دلوں کی ہم آہنگی مکمل اتحاد و اتفاق اور دعوت کا تسلسل باقی رکھنے کے لیے کوئی قریشی خلیفہ ہونا ضروری ہے۔'' اس کے بعد آپ نے دو ایسے قریشیوں یعنی عمر فاروق اور ابو عبیدہ رضی اللہ عنہما جن کی فضیلت و بزرگی کے سبھی قائل تھے اس میں سے کسی ایک کے انتخاب کی دعوت دی اور خود اس سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔''

سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''اس انتخاب (یعنی عمر وابوعبیدہ کی نامزدگی) کے علاوہ مجھے آپ کی ہر بات پسند آئی۔ بخدا! میرے کسی اقدام سے میری گردن ماردی جائے جس سے مجھ پر کوئی گناہ عائد نہ ہو۔ یہ چیز میرے نزدیک اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے کہ مجھے ایسی قوم کا حکمران بنایا جائے جس میں ابوبکر جیسی عظیم شخصیت ہو۔

پھر انصار کا ایک دوسرا خطیب اس ارادہ سے اُٹھا کہ پہلے ہی خطیب کے دائرے تک اس موضوع کو کھینچ لائے۔ اس نے کہا: اے قریش! ایک امیر ہمارا اور ایک تمہارا ہونا چاہیے۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس تجویز کے بعد چہ می گوئی بڑھ گئی، آوازیں بلند ہونے لگیں جن سے اختلاف کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ [1]

میں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ اپنا ہاتھ بڑھائیے۔ انہوں نے ہاتھ بڑھایا

[1] اختلاف سے انتشار۔ وتنازع مراد ہے۔

اور میں نے بیعت کی۔ پھر مہاجرین نے اور انصار نے بھی بیعت کر لی۔ ❶

اژدہام اتنا زبردست ہوا کہ انصار کے نامزد خلیفہ سعد بن عبادہ کی جان کو خطرہ پیدا ہو گیا۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کے لیے لوگ ایک دوسرے کو دھکے دیتے ہوئے بے اختیاری اور لاعلمی میں گویا ان کی جان کے درپے ہو گئے۔'' ❷

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اس اختلاف کو ختم کر دیا۔ دلوں میں کوئی بغض دکینہ نہ پیدا ہونے دیا اور نہ کوئی ایسی بات باقی رہی۔ اس طرح مسلمانوں کا اتحاد برقرار رہا تاکہ پیغامِ حق وصداقت روئے زمین کے ہر گوشے میں پہنچ جائے۔

۴۔ مانعین زکوٰۃ سے جنگ:

یہ چوتھا بڑا اور اہم معاملہ تھا جس کے بارے میں صحابۂ کرام کے درمیان اختلاف پیدا ہوا۔ اپنے حسن نیت اور اُصول و آدابِ اختلاف پر عمل کرتے رہنے کی وجہ سے اس پر بھی انہوں نے قابو پا لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سیّدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت خلافت کے بعد بعض نومسلم قبائل مرتد ہو کر مسیلمہ کذاب وغیرہ جیسے مدعیانِ نبوت کے تابع بن گئے۔ کچھ قبائل نے نماز اور زکوٰۃ ہی سے انکار کر دیا۔ اور کچھ نے صرف ادائیگی زکوٰۃ روک دی۔ کبرو نخوت کی وجہ سے سیّدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو زکوٰۃ دینے سے انکار کیا۔ شیطان نے انہیں یہ تاویل فاسد بتلا دی کہ شریعت میں صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو زکوٰۃ ادا کی جا سکتی ہے کیونکہ تحصیل زکوٰۃ برائے تطہیر وتزکیہ، اور دعا کا خطاب صرف آپ ہی سے تھا:

﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝﴾ (التوبہ: ۱۰۳)

''ان کے مال سے تم زکوٰۃ لو جس سے تم انہیں ستھرا اور پاک کرو اور ان کے لیے دعائے خیر کرو۔ تمہاری دعا ان کے دلوں کا چین ہے اور اللہ سنتا جانتا ہے۔''

---

❶ سیرۃ ابن ہشام: ۶۵۶/۲۔۶۶۱۔

❷ مصدر سابق۔

مانعین زکوٰۃ یہ بھول گئے یا ان کا تجاہل عارفانہ تھا کہ یہ خطاب صرف رسول اللہ ﷺ کو نہیں بلکہ آپ کے بعد جو بھی خلیفہ اور نائب ہو اسے بھی شامل ہے۔ اس لیے کہ آپ کو یہ خطاب بحیثیت حاکم و امامِ مسلمین ہے اور زکوٰۃ لے کر اس کے مستحقین تک پہنچانا، معاشرے کی تنظیم و نگرانی میں اقامت حدود وغیرہ جیسا ایک داخلی معاملہ ہے جس کی ذمہ داری رسول اللہ ﷺ کے بعد مسلمانوں میں آپ کے نائبین تک منتقل ہوتی رہے گی۔

رسول اللہ ﷺ سے بیعت کرنے والا ہر مسلمان، نماز و زکوٰۃ کی ادائیگی کی بھی بیعت کرتا تھا جس سے ان دونوں کے درمیان تفریق کا جواز کبھی نہیں پیدا ہو سکتا۔ خلیفہ اوّل سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہر حال میں یہ چاہتے تھے کہ اشاعت اسلام کی رفتار بدستور جاری رہے اس لیے انہوں نے مانعین زکوٰۃ سے جنگ کا فیصلہ کیا تاکہ وہ توبہ کر کے ادائیگی زکوٰۃ پر آمادہ ہو جائیں اور پھر دائرۂ اسلام میں داخل ہو کر رسول اللہ ﷺ سے کیے ہوئے ہر عہد کی پابندی کریں۔ ❶

خلیفۂ اوّل کے اس موقف اور سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ جو ابتداء میں مانعین زکوٰۃ سے جنگ جائز نہیں سمجھتے تھے ان دونوں کے درمیان اختلاف پیدا ہوا۔ جس کے بارے میں سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

> ”جب رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوا اور سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بعض اہل عرب کے کفر و عصیان کا مسئلہ درپیش ہوا تو سیّدنا عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرما دیا ہے:
>
> ((أمرت ان اقاتل الناس حتى يقولوا: لا اله الا الله . فمن قالها فقد عصم منى ماله و نفسه الا بحقها . و حسابه على الله تعالىٰ .))
>
> تو جب یہ لوگ لا الٰہ الا اللہ پڑھ کر اس دنیا میں اپنے جان و مال کی امان پا چکے

❶ حاشیہ فتح الباری : ۳/ ۲۱۲۔

ہیں تو پھر آپ ان سے کیسے جنگ کر سکتے ہیں؟ سیّدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس کا جواب دیا: بخدا! میں نماز و زکوٰۃ کے درمیان تفریق کرنے والوں سے جنگ کروں گا اس لیے کہ زکوٰۃ مال کا حق ہے۔ اگر وہ ان بکریوں کو بھی روک دیں جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتے تھے جب بھی میں ان سے جنگ کروں گا۔ سیّدنا عمر فرماتے ہیں کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما کا شرح صدر دیکھ کر میں نے سمجھ لیا کہ یہی حق اور صحیح ہے۔" ❶

ابن زید کہتے ہیں کہ نماز اور زکوٰۃ دونوں فرض ہیں۔ ان کے درمیان کوئی تفریق نہیں اور پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی:

﴿فَإِنْ تَابُوا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ﴾ (التوبہ: ۱۱)

"پھر اگر وہ توبہ کر کے نماز پڑھیں، زکوٰۃ دیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں۔"

اس طرح بغیر زکوٰۃ کے نماز کی قبولیت اس نے ردّ فرما دی اور پھر انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ سیّدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر رحمتوں کی بارش برسائے۔ وہ کتنے بڑے فقیہ تھے۔ اس سے نماز اور زکوٰۃ میں تفریق کرنے والوں سے جنگ پر اصرار کی طرف اشارہ ہے۔ ❷

سیّدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے درمیان اختلاف کا سبب یہ تھا کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے ہم خیال اصحاب نے حدیث کے ظاہر لفظ سے یہ سمجھا کہ محض شہادتین کا اعلان کر کے اسلام قبول کر لینے سے ہی جان و مال کی امان اور ایسے کلمہ گو سے جنگ حرام ہو جاتی ہے۔ اور سیّدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حدیث کے اس ٹکڑے "إلا بحقها" پر توجہ مرکوز کی اور زکوٰۃ کو ایسا حق مال سمجھا جس کے انکار اور عدم ادائیگی پر اصرار سے جان و مال کی حفاظت ختم ہو جاتی ہے۔ بہت سی آیات و احادیث میں نماز اور زکوٰۃ کو ایک ساتھ بیان

---

❶ مرجع سابق: ۳/ ۲۱۱۔

❷ تفسیر طبری: ۱۰/ ۶۲۔

کیا گیا ہے جس سے آپ نے یہی سمجھا کہ ان دونوں کا حکم یکساں ہے جن میں کوئی تفریق نہیں کی جاسکتی ہے۔

نماز کے انکار کو ارتداد واتباع مدعیٔ نبوت کی دلیل سمجھنے پر اتفاق ہے تو انکار زکوٰۃ کو بھی دلیل ارتداد سمجھ کر منکرین سے جنگ کرنی چاہیے یہی وہ صحیح اجتہاد ہے جس سے سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مانعین زکوٰۃ کے ارتداد اور ان سے جنگ تاوقتیکہ وہ توبہ کر کے ادائیگی زکوٰۃ قبول نہ کرلیں، کی فرضیت پر باقی صحابۂ کرام کو آپ نے مطمئن اور راضی کیا۔ ❶

اس پیچیدہ مسئلہ کا اختلاف اس طرح ختم ہوا کہ مانعین زکوٰۃ اور مرتدین سے جنگ پر صحابۂ کرام کا اتفاق ہوگیا اور دفاعِ اسلام کے لیے ان مخلصانہ سرگرمیوں کے سامنے سینہ سپر ہو گئے جو اسلام کو شکست تو نہ دے سکیں مگر وہ اس کے ایک ایک رکن کو توڑنا چاہتی تھیں۔ اگر صدیق اکبر اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جرأت مندانہ موقف نہ ہوتا تو شاید اسلام کی یہ قوت وشوکت نہ ہوتی اور وہ حرمین طیبین میں محدود ہو کر رہ جاتا اور فتنہ وارتداد سارے جزیرۃ العرب میں پھیل جاتا۔ ❷

۵۔ بعض فقہی مسائل میں اختلاف:

وہ اہم معاملات جن کا اپنے وقت میں فیصلہ ہوگیا انہیں چھوڑ کر دوسرے اختلافی مسائل کا جائزہ لیں تو آدابِ اختلاف کے حیرت انگیز مناظر سامنے آتے ہیں کہ کس طرح وہ ایک دوسرے کی تعظیم وتوقیر کرتے تھے۔ مذکورہ اختلافات کے علاوہ مرتد قیدی عورتوں کے مسئلہ پر سیّدنا ابوبکر صدیق وسیّدنا عمر کے درمیان اختلاف تھا۔ جس میں اپنے دورِ خلافت میں سیّدنا عمر نے سیّدنا ابوبکر کے فیصلے کے خلاف انہیں آزاد کر کے ان کے مردوں کے حوالہ کر دیا۔ سوائے ان کے جن کے مالک سے کوئی اولاد ہوگئی ہو۔ جیسے محمد بن علی رضی اللہ عنہ کی ماں خولہ

❶ سیّدنا ابوبکر وسیّدنا عمر رضی اللہ عنہما کے مباحثہ اور اقوال علماء کی تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: نیل الاوطار باب الحث علی الزکوۃ والتشدید فی منعها: ٤/ ١٧٥ وغیرہ۔

❷ البدایہ والنہایۃ: ٦/ ٣١١ ودیگر کتب تاریخ میں اس کی تفصیلات ملاحظہ فرمائیں۔

بنت جعفر حنفیہ جو انہیں قیدیوں میں سے تھیں۔ اسی طرح مفتوحہ اراضی کی تقسیم پر بھی اختلاف تھا۔ سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تقسیم کے قائل تھے اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے وقف کی تھی۔

عطیات میں ترجیح کے مسئلہ پر بھی دونوں حضرات میں اختلاف تھا۔ سیّدنا ابوبکر عطیات میں مساوات اور سیّدنا علی اس میں ترجیح کی رائے رکھتے تھے اور اس پر انہوں نے عمل بھی کیا۔ سیّدنا عمر نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہما کو اپنے بعد خلیفہ نامزد نہیں کیا۔ جب کہ سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں نامزد کیا تھا۔

بہت سے مسائل فقہ میں ان کے درمیان اختلاف تھا۔ ❶ لیکن اس کے باوجود دونوں میں محبت اور تعلق خاطر بڑھتا ہی رہا۔ چنانچہ آپ نے سیّدنا عمر کو خلیفہ نامزد کیا تو کچھ مسلمانوں نے کہا آپ نے ہمارا خلیفہ عمر کو بنا دیا جن کی سختی آپ جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اگر آپ سے اس کا سوال کرے تو کیا جواب دیں گے؟ اس وقت آپ نے فرمایا: میں کہوں گا خدایا! تیرے سب سے اچھے بندے کو میں نے ان کا خلیفہ بنایا۔ ❷

کسی نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بہتر ہیں تو آپ رو پڑے اور فرمایا کہ بخدا! ابوبکر کی ایک رات عمر اور آلِ عمر سے بہتر ہے۔ ❸

سیّدنا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے باہمی اختلافات کے یہ چند نمونے ہیں۔ رائیں تو مختلف ہوئیں مگر دل ملے رہے اور چونکہ انہیں آسمانی رسیوں نے جکڑ رکھا تھا اس لیے زمین کی مٹی ان پر اثر انداز نہ ہو سکی۔

عمر فاروق اور علی مرتضی رضی اللہ عنہما کے چند اختلافات:

سیّدنا عمر اور سیّدنا علی رضی اللہ عنہما کے درمیان بھی چند اختلافات تھے مگر وہ ہمیشہ دائرہ ادب ہی میں رہتے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک عورت جس کا شوہر غائب تھا اور اس کے یہاں لوگوں کی آمد و رفت تھی جسے آپ نے روکا اور اسے بلا بھیجا۔ قاصد نے عورت سے جا کر کہا کہ چل

❶ الاحکام: ٦/٧٦۔ ❷ طبقات ابن سعد: ٣/ ١٩٩۔ الکامل: ٢/ ٢٩٢۔

❸ حیاۃ الصحابة: ١/ ٤٦٤۔

کر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جواب دو۔ اس نے کہا: ہائے تباہی! عمر سے کیا مطلب؟ اور پھر ان کی طرف جب چلی تو خوف وگھبراہٹ سے راستے ہی میں دردِ زہ شروع ہوا اور وہ ایک گھر میں داخل ہوگئی جہاں اس نے ایک بچہ جنم دیا۔ لڑکا رو چیخ کر وہیں مر گیا۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلے میں مشورہ کیا۔ بعض نے کہا آپ پر کچھ نہیں۔ آپ ادب سکھانے اور نظام درست رکھنے والے حکمران ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ خاموش تھے تو سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ آپ کی کیا رائے ہے؟ انہوں نے فرمایا: اگر ان حضرات نے صحیح رائے ظاہر کی تو ان کی رائے غلط ہے۔ اگر آپ کی رضا مندی کے لیے ایسا کیا تو وہ آپ کے خیر خواہ نہیں۔ میرا خیال ہے کہ اس کا خون بہا آپ کے اوپر ہے کیونکہ آپ ہی کی وجہ سے اس نے خوف زدہ ہو کر بچہ جن دیا۔ یہ سن کر سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ یہ بچے کا خون بہا اس کی قوم میں تقسیم کر دیا جائے۔ [1]

سیّدنا عمر نے امیر المؤمنین ہوتے ہوئے بھی سیّدنا علی کی صائب رائے قبول فرمالی اور ان کے اجتہاد پر مکمل عمل کیا۔ جب کہ دوسرے اصحاب کی رایوں میں آپ کے لیے چھٹکارا موجود تھا۔

عمر فاروق اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے بعض اختلافات:

سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کتاب اللہ کے سب سے زیادہ پڑھنے والے اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ جاننے والے صحابی تھے۔ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنی رفاقت میسر رہتی کہ بہت سے صحابۂ کرام آپ کو اہل بیت میں شمار کرتے۔ سیّدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

> ”ہم ابن مسعود اور ان کی ماں کو اہل بیت میں سے سمجھتے تھے کیونکہ ان کی آمدورفت آپ کے یہاں بہت زیادہ تھی۔ [2]

[1] مسلم باب دية الجنين: ١٦٨٢۔ ابو داؤد، نسائی، ابن حبان، دیکھیں ہمارا تحریر کردہ حاشیہ المحصول: ٢/ ق ١/ ٧٦۔ [2] مسلم۔ الاحکام: ٦/ ٦٣۔

سیّدنا ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ نے ایک بار سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو آتے ہوئے دیکھ کر کہا:

''میں نہیں جانتا کہ اپنے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آنے والے سے بڑا کوئی عالم کتاب وسنت چھوڑا ہو۔ ہم جب غیر حاضر رہتے تو وہ موجود رہتے، ہمیں جب روک دیا جاتا تب بھی انہیں اجازت رہتی۔'' ❶

سیّدنا عمر کی جلالت شان اور آپ کا تفقہ سب کو معلوم ہے۔ سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آپ کے شریک کار تھے اور بہت سے اجتہاد میں آپ نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت بھی فرمائی۔ یہاں تک کہ تشریع اسلامی کے اکثر تاریخ نگار کہتے ہیں کہ آپ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ سے سب سے زیادہ متاثر تھے۔ ان دونوں حضرات کا اجتہاد بھی یکساں ہوتا تھا۔ اور فقہی مسائل میں آپ سیّدنا عمر کی رائے کی طرف رجوع بھی کر لیتے تھے۔ جیسے دادا کی موجودگی میں بھائیوں کو بھی تیسرے اور پھر چھٹے حصہ کی تقسیم کے مسئلہ میں آپ نے کیا۔ ❷

بہت سے مسائل میں ان دونوں کا اختلاف بھی تھا۔ جیسے سیّدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ رکوع میں اپنے دونوں ہاتھ گھٹنوں کے درمیان کر لیتے تھے اور گھٹنوں پر رکھنے سے روکتے تھے۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے انت علی حرام...... تم مجھ پر حرام ہو۔ تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ یہ فرماتے کہ یہ قسم ہے اور آپ فرماتے کہ ایک طلاق ہے...... کسی عورت سے کسی شخص نے زنا کیا پھر اس سے شادی کر لی تو سیّدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق وہ جب تک ایک ساتھ رہیں زنا کار ہیں اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ پہلے زنا اور بعد کا عمل نکاح سے ہوگا۔ ❸

شیخ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ان کے درمیان سو مختلف فیہ مسائل تھے اور ان میں سے چار کا ذکر بھی کیا ہے۔ ❹ ان اختلافات کے باوجود ان دونوں حضرات کی باہمی محبت و

❶ مسلم۔ الاحکام: ٦٣/٦۔ ❷ الاحکام: ٦١/٩۔

❸ الاحکام: ٦١/١۔ ❹ اعلام الموقعین: ٢١٨/٢۔

یگانگت اور عزت واحترام میں کوئی کمی نہیں آئی۔

سیّدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس ایک روز دو آدمی آئے، ان میں سے ایک نے سیّدنا عمر سے اور دوسرے نے کسی اور صحابی رضی اللہ عنہما سے قرآن حکیم پڑھا تھا۔ پہلے شخص نے آپ سے کہا کہ مجھے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے پڑھایا ہے۔ یہ سن کر سیّدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ رو پڑے، ان کا دامن آنسوؤں سے تر ہو گیا اور فرمایا: سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تمھیں جس طرح پڑھایا ہے اسی طرح پڑھ کر مجھے سناؤ۔ وہ اسلام کا ایک مضبوط قلعہ تھے جس میں داخل ہو کر کوئی نکل نہیں سکتا تھا۔ آپ کے انتقال سے وہ قلعہ ٹوٹ کر بکھر گیا۔ ❶

سیّدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ ایک روز آئے اور سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ تشریف فرما تھے۔ آپ کو آتے ہوئے دیکھ کر سیّدنا عمر نے فرمایا: علم وتفقہ سے بھری ہوئی شخصیت۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے علم سے ایسے بھرے ہوئے کہ میں اہل قادسیہ پر انہیں ترجیح دیتا ہوں۔ ❷ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کی نگاہ میں یہ تھی سیّدنا ابن مسعود تعظیم وتوقیر۔ بعض مسائل ان کے اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کی محبت وتعظیم میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔ ان غیر معمولی واقعات سے ہمیں ایسے اُصول و آداب سیکھنے چاہئیں جو اختلافی مسائل کے حل کے لیے شمع راہ ثابت ہو سکیں۔

ابن عباس اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہما کا اختلاف:

صحابہ کرام کے آدابِ اختلاف کے مزید شواہد کے لیے چند اور اختلافی مسائل پیش کیے جا رہے ہیں۔ سیّدنا ابن عباس کی رائے سیّدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما و دیگر بہت سے صحابہ کی طرح یہ تھی کہ دادا کی موجودگی میں بھی باپ کی طرح بھائی بہنوں کی وراثت ساقط ہو جاتی ہے اور سیّدنا زید بن ثابت کی سیّدنا علی وسیّدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہما اور ایک جماعت صحابہ کی طرح یہ رائے تھی کہ دادا کی موجودگی میں بھی بھائی وراثت پائے گا اور محجوب نہ ہو گا۔ سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک روز کہا: کیا زید خدا سے نہیں ڈرتے جنھوں نے لڑکے کے لڑکے کو تو لڑکا بنا

❶ الاحکام: ٦/ ٦١۔

❷ طبقات ابن سعد: ٤/ ١٦١۔ و حیاة الصحابة: ٣/ ٧٩١۔

دیا مگر باپ کے باپ کو باپ نہیں بنایا۔ اور پھر کہا میں چاہتا ہوں کہ حصہ کے اس مسئلہ میں جو لوگ مجھ سے اختلاف کرتے ہیں وہ اور میں سبھی جمع ہو کر اللہ سے دعا کریں، گڑگڑائیں اور کہیں کہ جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہو۔ ❶

صحابۂ کرام کے فقہی اختلافات کی یہ مثالیں ہم اس لیے نہیں پیش کر رہے ہیں کہ ان کی گہرائی میں اُتر کران کی اصل حد تک پہنچیں۔ بلکہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ یہ فراموش شدہ اُصول و آداب ہم پھر ذہن میں تازہ کر کے ان کی مدد سے فقہی اختلافات حل کریں اور انہیں اپنے معاملات میں استعمال کر کے اپنا وہی اسلوبِ حیات بنالیں۔

سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما جنہیں اپنے مذکورہ اجتہاد کی صحت اور سیّدنا زید رضی اللہ عنہ کے اجتہاد کی غلطی پر اتنا کامل وثوق تھا ان کا حسن کردار یہ تھا کہ ایک بار سیّدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو انہوں نے تشریف لاتے ہوئے دیکھا تو ان کی سواری کی رکاب تھام لی اور ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ سیّدنا زید رضی اللہ عنہ نے کہا: اے فرزند عم رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ چھوڑ کر ہٹ جائیں اور ایسا نہ کریں۔ سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ہمیں یہی سکھایا گیا ہے کہ اپنے علماء اور بڑوں کے ساتھ ایسا ہی کریں۔ اس پر سیّدنا زید رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ اپنے ہاتھ بڑھائیں۔ سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ہاتھ آگے کیا۔ جسے سیّدنا زید رضی اللہ عنہ فوراً چوم لیا اور فرمایا: ہمیں اہل بیت نبی کے ساتھ ایسا ہی کرنے کا حکم اور تعلیم دی گئی ہے۔ ❷

سیّدنا زید رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: علم اس طرح رُخصت ہوتا ہے۔❸ اور ایک روایت میں ہے علم کا جانا اس طرح ہوتا ہے۔ آج علم کا بہت زیادہ حصہ دفن ہوگیا۔ ❹

---

❶ حاشیه المحصول: ۲/ ق ۲/ ۷٦۔ و ۲/ ق ۱/ ۱۸۔

❷ کنز العمال: ۷/ ۳۷۔ حیاۃ الصحابة: ۳/ ۳۰۔

❸ علام الموقعین: ۱/ ۱۸۱۔

❹ سنن البیهقی: ٦/ ۲۱۱۔ المحصول: ۲/ ق ۲/ ۷۷۔

مشکل مسائل کے حل کے لیے سیّدنا عمر سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بدری وغیر بدری شیوخ انصار ومہاجرین وغیرھم کے ساتھ بلایا کرتے تھے۔ ❶

اختلافی مسائل فقہ اور ان میں اپنے مسلک کے اظہار کے لیے صحابۂ کرام کا جو طرزِ عمل تھا ان کی تلاش وجستجو کرنا چاہیں تو کئی ایک کتابیں تیار ہو جائیں۔ لیکن ہم یہاں ان کے صرف چند نمونے پیش کرنا چاہتے ہیں تا کہ ہمیں وہ آداب نظر آ جائیں جن کی آغوش میں صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پرورش پائی اور اس کا بھی اچھی طرح علم ہو جائے کہ وہ کس طرح ہر حال میں آدابِ اختلاف کا التزام کیا کرتے تھے۔

صحابۂ کرام کے درمیان اختلافات اور پھر جنگوں کے جو حادثات پیش آئے جن کے اسباب وعلل کا صحیح علم صرف خدا ہی کو ہے اس عالم رستا خیز میں بھی انہوں نے اہل علم وفضل کے مقام ومرتبہ کو فراموش نہ کیا۔ ان عظیم فتنوں میں بھی بزرگوں کے مناقب وماثر ان کی نظر سے اوجھل نہ ہو سکے...... یہ ہیں سیّدنا علی رضی اللہ عنہ جن کے بارے میں مروان بن حکم نے کہا: میں نے علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ کریم کسی کو نہ دیکھا۔ جنگ جمل کے روز بھی وہ ہمارے ولی تھے۔ ان کا منادی آواز دیتا تھا: کسی زخمی کو نہ مارا جائے اور نہ اس کا کام تمام کیا جائے۔ ❷

جنگ جمل کے بعد عمران بن طلحہ ایک روز سیّدنا علی کے پاس گئے تو انہیں خوش آمدید کہہ کر قریب کرتے ہوئے کہا: میری تمنا ہے کہ مجھے اور آپ کے باپ کو اللہ تعالیٰ ان میں سے بنائے جن کے بارے میں اس نے کہا ہے:

﴿وَ نَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ۝﴾

(الحجر : ٤٧)

''اور ان کے سینوں میں جو کینے تھے سب ہم نے کھینچ لیے۔ تختوں پر روبرو بیٹھے وہ آپس میں بھائی ہیں۔''

❶ مصنف عبدالرزاق : ١١/ ٢٨۔ رقم: ٣٠٤٨٩۔ المحصول : ٢/ ق ١ / ٢١٧۔

❷ حیاۃ الصحابۃ : ٣/ ١٢۔

اس کے بعد سیّدنا طلحہ کے گھر والوں کے بارے میں فرداً فرداً پوچھنا شروع کیا۔ برادر زادے بچے اوران کی مائیں کیسی ہیں؟ فلاں کا کیا حال ہے؟ فلاں کس طرح ہے؟

کچھ لوگ جنہیں رسول اللہ ﷺ کی صحبت کا شرف حاصل نہیں تھا اور وہ اصحابِ رسول (ﷺ) کی انسانی عظمت وشرافت کو اچھی طرح نہیں جان سکے تھے۔انہیں تعجب ہوا کہ...... دو آدمی جو فرش کے کنارے بیٹھے تھے وہ بول اُٹھے: اللہ انصاف فرمائے۔کل انہیں سے جنگ کر رہے تھے اور پھر جنت میں ان کے بھائی ہو جاؤ گے؟ اتنا سننا تھا کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے غضب ناک ہوکر فرمایا: اُٹھ جاؤ اللہ کی زمین سے دُوری اورتباہی و بربادی رکھنے والے۔ میں اور طلحہ جنت میں اس طرح قریب نہ ہوں گے تو کون ہوگا؟ کون ہوگا؟ ❶

کسی نے جنگ جمل میں آپ کے مخالفین کے بارے میں سوال کیا۔کیا وہ مشرک ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ شرک سے دُور رہے۔ اس نے پھر پوچھا: کیا وہ منافق ہیں؟ آپ نے فرمایا: منافقین اللہ کو بہت کم یاد کرتے ہیں۔ اس کے بعد اس نے سوال کیا: پھر وہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہمارے بھائی! جنہوں نے ہم سے بغاوت کی۔ ❷

سیّدنا علی بن یاسر جو جنگ جمل میں اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے موقف کے خلاف تھے ان کے سامنے کسی نے سیّدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں کچھ کہا تو انہوں نے غصہ کے عالم میں اسے ڈانٹا۔ چپ ہو جا! بھونکنے والے قبیح آدمی! کیا تو رسول اللہ ﷺ کی محبوب زوجہ کو ایذا پہنچانا چاہتا ہے؟ وہ جنت میں بھی آپ کی زوجہ محترمہ رہیں گی۔ انہوں نے امن کی راہ اختیار کی۔ اور ہمیں معلوم ہے کہ وہ دنیا وآخرت میں آپ کی محبوب زوجہ ہیں۔لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ ہمارا امتحان لیا کہ ہم ان کی اطاعت کرتے ہیں یا خدا کی۔ ❸

اس سے بلند نمونۂ ادب اور کیا ہوسکتا ہے؟ جو ایسے انسانوں نے پیش کیے جن کے

---

❶ طبقات ابن سعد: ٣/ ٢٢٤۔ حیاة الصحابة: ٣/ ١٣۔

❷ سنن البیهقی: ٨/ ١٧٣۔

❸ مصدر سابق۔ کنز العمال: ٧/ ١٦٦۔ حیاة الصحابة: ٣/ ١٤۔

درمیان مشیت خداوندی سے آپس میں شمشیر زنی اور نیزہ بازی ہو چکی تھی لیکن جو نور انہوں نے شمع نبوت سے پایا تھا، وہ ان کے دلوں کو جگمگاتا رہا جس سے کینہ اور بغض و حسد کی ظلمتیں ان کے قریب نہ آسکیں اور ادب اختلاف کی اتنی عظیم الشان مثالیں انہوں نے پیش فرما دیں۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ

سیّدنا علی کی تعریف سے سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کا گریہ وبُکا:

ابو صالح نے کہا کہ ایک روز ضرار بن ضمرہ کنانی سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو آپ نے ضرار سے کہا کہ علی رضی اللہ عنہ کے کچھ اوصاف بیان کرو۔ انہوں نے کہا: امیر المؤمنین! مجھے معاف رکھیں۔ آپ نے کہا: نہیں آپ بیان کرو۔ ضرار نے کہا: جب کچھ بتانا ضروری ہی ہے تو سنیں:

> ''بخدا وہ ایک بلند نظر دُور اندیش اور ایک طاقت ور انسان تھے۔ ان کی بات فیصلہ کن اور حکم عادلانہ ہوتا تھا۔ ان کے اطراف و جوانب سے علم و حکمت کے چشمے پھوٹتے تھے دنیا اور اس کی رنگینیوں سے دُور رہ کر رات کی تاریکیوں سے مانوس رہتے تھے۔ واللہ وہ بہت روتے تھے اور سوچ میں غرق رہتے تھے۔ اپنی ہتھیلیاں اُلٹتے پلٹتے تھے اور اپنے آپ سے باتیں کیا کرتے تھے۔ موٹا جھوٹا لباس اور کھانا پسند کرتے تھے۔
>
> بخدا! ہمیں جیسے ایک آدمی نظر آتے تھے۔ ان کے پاس ہم جب جاتے تو وہ ہمیں قریب رکھتے اور ہماری باتوں کا جواب دیتے۔ لیکن اتنے قرب کے باوجود ان کی ایسی ہیبت تھی کہ ہم ان سے بات نہیں کر پاتے تھے۔ وہ مسکراتے تو موتیوں جیسے دانت نظر آتے۔ وہ دین داروں کو تعظیم کرتے اور فقراء و مساکین سے محبت رکھتے۔ کوئی طاقت ور آدمی ان سے کسی غلط کام کرانے کی بات نہیں سوچ سکتا تھا اور کوئی کمزور آدمی ان کے عدل سے کبھی مایوس نہ ہوتا تھا۔
>
> میں خدا کو حاضر سمجھ کر کہتا ہوں کہ شب کی تاریکیوں میں انہیں بعض مواقع پر

میں نے دیکھا کہ محراب کے اندر اپنی داڑھی پکڑے ہوئے اس بے چینی سے تڑپ رہے ہیں جیسے انہیں بچھو نے ڈنک مار دیا ہو اور کسی غم زدہ وستم رسیدہ شخص کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو رہے ہیں۔ ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ اس وقت بھی ان کی آواز میرے کانوں میں گونج رہی ہے۔ اے میرے پروردگار! اے میرے پالن ہار! اس کے حضور وہ گریہ وزاری کر رہے ہیں اور دنیا سے مخاطب ہو کر فرما رہے ہیں تم میرے پاس آ رہی ہو، تم مجھ پر نظریں جما رہی ہو۔ افسوس! افسوس! جاؤ کسی دوسرے کو دھوکہ دو، میں نے تمہیں تین طلاق دے دی ہے۔ تمہاری عمر مختصر، تمہاری محفل ذلیل وحقیر اور تمہارا فائدہ بہت کم ہے۔ آہ! آہ! توشۂ راہ کتنا قلیل، سفر کتنا طویل اور راستہ کتنا وحشت ناک ہے۔''

یہ سن کر امیر معاویہ اپنے آنسو ضبط نہ کر سکے اور ان کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی جسے وہ اپنی آستین سے پونچھتے رہے اور حاضرین کی روتے روتے ہچکی بندھ گئی۔

امیر معاویہ نے کہا: ابوالحسن (علی رضی اللہ عنہ) ایسے ہی تھے۔ اللہ ان پر رحم فرمائے۔ پھر انہوں نے پوچھا: ضرار! تمہیں ان کا کتنا غم ہے؟ ضرار نے جواب دیا: اتنا ہے جیسے کسی کا کوئی اپنا آدمی خود اسی کی گود میں ذبح کر دیا جائے جس سے اس کا آنسو نہ تھمے اور نہ اس کا غم سکون پائے۔ یہ کہہ کر اُٹھے اور واپس چلے گئے۔ [1]

خلافتِ راشدہ میں آدابِ اختلاف کے چند نقوش:

اختلافی مسائل کا جائزہ لیتے وقت یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح نظر آتی ہے کہ کسی بھی صحابیٔ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اندر نفسانیت نہ تھی اور جن اختلافات سے یہ اُصول وآداب سامنے آئے ہیں ان کا داعی بھی صرف حق وصواب کی تلاش وجستجو میں ہے۔ عہد رسالت اور انقطاعِ وحی کے بعد آدابِ اختلاف کے یہ نقوش مُشتے نمونہ از خروارے ہیں۔

---

[1] الحلیۃ از ابو نعیم : ۱/ ۸۴۔ اورالاستیعاب از ابن عبدالبر : ۳/ ۴۴۔ میں بھی جرمازی ہمدانی کی ضرار الصدائی سے ایک ایسی ہی روایت منقول ہے۔

۱۔ صحابۂ کرام اختلاف سے اجتناب کرتے تھے اگر اس سے بچنے کی کچھ بھی گنجائش ہوتی تو ان کی پوری کوشش یہی ہوتی کہ اختلاف پیدا ہی نہ ہو سکے۔

۲۔ اختلاف کے جب معقول اسباب ہوتے: مثلاً کسی سنت کا علم کسی کو ہے اور کوئی اس سے ناواقف ہے، اس پر عمل کرنا ہو۔نص یا کسی لفظ کے سمجھنے میں اختلاف ہو تو وہ اپنے حدود سے آگے نہ بڑھتے اور حق بات فوراً قبول کر لیتے۔نہ ہی اپنی غلطی کے اعتراف میں کوئی سبکی محسوس کرتے۔اسی طرح علم وفضل اور تفقہ رکھنے والے حضرات کا وہ بہت زیادہ احترام کیا کرتے تھے۔کوئی اپنے مرتبہ سے آگے نہ بڑھتا اور نہ اپنے کسی بھائی کا حق مارتا۔ ہر ایک کا خیال اور کوشش ہوتی کہ رائے مشترک اور متحد ہی رہے...... ہوسکتا ہے اس کا وہ خیال صحیح ہو جو اس کے نزدیک راجح ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے بھائی کی رائے جسے وہ مرجوح سمجھ رہا ہے وہی صحیح ہو۔یعنی جسے اس نے راجح سمجھ رکھا ہے وہ مرجوح اور جسے مرجوح سمجھ رکھا ہے وہ راجح ہوسکتا ہے۔

۳۔ اپنے درمیان اخوتِ اسلامی کو وہ اسلام کی ایک اہم بنیاد سمجھتے تھے جو اجتہادی مسائل میں اتفاق واختلاف سے ایک بلند وبالا چیز ہے۔

۴۔ اعتقادی مسائل میں اختلاف نہیں ہوا کرتا تھا بلکہ صرف فروعی مسائل تک ہی محدود رہتا۔

۵۔ خلافت عثمان رضی اللہ عنہ سے پہلے صحابۂ کرام مدینہ منورہ ہی میں رہا کرتے تھے اور کچھ تھوڑے سے صحابہ مکہ مکرمہ میں قیام پذیر تھے۔جہاد کی ضرورت پیش آتی جبھی باہر جاتے اور پھر واپس پلٹ جاتے۔جس سے آسانی کے ساتھ ان کا اجتماع اور بہت سے مسائل و معاملات میں تبادلۂ خیال اور اجماع بھی ہو جایا کرتا تھا۔

۶۔ قراء وفقہاء کی حیثیت سیاسی شخصیتوں کی طرح ممتاز ونمایاں تھی اور ہر ایک کا غیر متنازع مقام ومرتبہ ہوا کرتا تھا۔فقہ کے جس پہلو اور جس گوشے میں زیادہ مہارت ہوتی اسی کے لحاظ سے اس کی شہرت بھی ہوتی۔ان کی متعین راہیں اور مسالک استنباط بھی واضح

ہوتے جن میں آپس میں ضمنی طور پر اتفاق بھی رہتا تھا۔

۷۔ کوئی صحابی کسی کی لغزش پر تنبیہ اور اس کی نشان دہی کرتا تو عیب جوئی یا بے جا تنقید نہیں بلکہ اسے ایک فقہی تعاون سمجھتے اور اس کے شکر گذار ہوتے۔

عہد تابعین میں آدابِ اختلاف:

امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی تدبیر اور ان کا طریقۂ کار یہ تھا کہ وہ سارے صحابۂ کرام کو مدینہ طیبہ ہی میں رہنے کی تاکید فرماتے اور کسی صحابی کو باہر جانے کی اجازت نہ دیتے۔ جہاد، تعلیم، امارت قضاء جیسے اہم اُمور کی انجام دہی کے لیے کبھی کبھی سفر ہوتا اور پھر مدینہ ہی ان کا مستقل مقام و مستقر ہوتا۔ جسے خلافت کے پایۂ تخت اور حکومت کے دار السلطنت کی حیثیت حاصل تھی۔ صحابۂ کرام اسلام کے داعی اور اس کے ہراول دستہ تھے۔ اس لیے انہیں خلیفہ کے قریب رہنا ضروری تھا جو بارِ خلافت اُٹھانے میں ان کے معاون اور مسائل اُمت حل کرنے میں ہمیشہ ان کے شریک کار رہیں۔

سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ، جب خلیفہ ہوئے تو دوسرے بلادِ اسلام میں بھی اقامت کی اجازت دے دی اور اس میں انہوں نے کوئی حرج نہ سمجھا جس کے بعد قراء وفقہاء کرام مفتوحہ علاقوں اور آباد کردہ شہروں میں منتقل ہونے لگے۔ صرف کوفہ و بصرہ میں تین سو (۳۰۰) سے زیادہ صحابۂ کرام نے رہائش اختیار کر لی اور مصر و شام میں بھی کئی ایک صحابی اقامت پذیر ہوئے۔

غزوۂ حنین سے واپسی کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہ ہزار صحابی مدینہ منورہ میں چھوڑے۔ جن میں سے آپ کے انتقال کے وقت صرف دس ہزار باقی رہ گئے۔ اور دو ہزار دوسرے شہروں میں جا چکے تھے۔ ❶

فقہاء وقراء صحابۂ کرام کے تربیت یافتہ اور ان کے علم وفقہ کے حامل تابعین مثلاً سعید بن مسیّب مدینہ منورہ۔❷ عطاء بن ابی رباح مکہ مکرمہ۔ طاؤس یمن۔ یحییٰ بن ابی کثیر یمامہ۔

❶ الفکر السامی : ۱/ ۳۱۱۔

❷ سیّدنا سعید بن مسیّب کو حامل فقہ عمر اور راویۂ عمل بھی کہا جاتا ہے۔ آپ کی حیثیت سید التابعین کی ⇦⇦⇦

حسن بصری۔ مکحول شام۔ عطاء خراساں۔ علقمہ کوفہ وغیرہم۔ یہ سبھی حضرات فقہ وافتاء اور اجتہاد کا کام صحابۂ کرام کی موجودگی ہی میں کیا کرتے تھے جن سے انہوں نے علم وفقہ اور ادب وتربیت کا فیضان پایا اور جن کے مناہج استنباط سے وہ متاثر ہوئے۔

تابعین کرام بھی اپنے باہمی اختلاف کے وقت آدابِ صحابہ کے دائرے سے نکلے اور نہ ان کے طور طریقوں کو چھوڑ کر مقررہ اُصول اور متعینہ حدود سے تجاوز کیا۔ یہی وہ فقہاء جمہور ہیں جن سے جماہیر اُمت نے اثر قبول کیا اور جن سے فقہ کی دولت پائی۔ خون بہا کے سلسلے میں پیش آنے والے ان دو مباحثوں سے ادب تابعین کے حسن وخوبی کو اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے۔

عبدالرزاق ❷ نے بطریق شعبی اس روایت کی تخریج کی۔ انہوں نے کہا کہ ایک شخص قاضی شریح کے پاس آیا اور اس سے انگلیوں کے خون بہا کے بارے میں سوال کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہر انگلی پر دس اونٹ! اس نے کہا: سبحان اللہ! کیا انگوٹھا اور چھنگلیا دونوں برابر ہیں؟ قاضی شریح نے فرمایا: تمہاری خرابی ہو۔ سنت نے قیاس سے منع کیا ہے۔ اس کی پیروی کرو اور نئی بات نہ نکالو۔

مؤطا میں امام مالک نے ربیعہ سے روایت کی انہوں نے کہا کہ:

"سعید بن میبّب سے میں نے پوچھا کہ عورت کی انگلی کا خون بہا کیا ہے؟ انہوں

⇦⇦⇦ ہے۔ ولادت ۱۵ھ میں اور وفات ۹۴ھ میں ہوئی۔ بہت سی کتابوں میں آپ کے حالات زندگی مل جائیں گے۔ بعض کتابیں یہ ہیں: الطبقات الکبریٰ از ابن سعد: ۵/ ۱۱۹۔ ۱۲۳۔۔ خلاصہ تذهيب الكمال: ۱۲۱۔ تهذيب التهذيب: ۴/ ۸۹۴۔ تقريب التهذيب: ۱/ ۳۰۵۔ البداية: ۹/ ۹۹۔ آپ کی مستقل سوانح پر مشتمل کئی ایک جدید وقدیم کتابیں ہیں۔ تابعین کی اس جماعت فقہاء میں آپ ممتاز مقام کے مالک ہیں جنہیں فقہاء سبعہ کہا جاتا ہے۔ ان کے اسماء گرامی یہ ہیں: سعید بن میبّب، عروہ بن زبیر، قاسم بن محمد، خارجہ بن زید، ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام، سلیمان بن یسار، عبداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود۔ اعلام الموقعين: ۱/ ۲۳۔

❷ المصنف: الفكر السامي: ۱/ ۳۹۱۔ ابن المنذر نے بھی سند صحیح کے ساتھ اس کی تخریج کی ہے۔

نے کہا: دس اونٹ! میں نے کہا: دو انگلیوں کا؟ انہوں نے فرمایا: بیس اونٹ۔ میں نے پھر پوچھا: تین انگلیوں کا؟ انہوں نے فرمایا: تیں اونٹ۔ اس کے بعد میں نے اپنا آخری سوال کیا کہ چار کا؟ فرمایا: بیس اونٹ۔ میں نے کہا: جب زخم زیادہ ہوا اور تکلیف بڑھ گئی ہو تو خون بہا کم ہو گیا۔ انہوں نے پوچھا کیا تم عراقی ہو؟ ربیعہ نے جواب دیا: میں تلاشِ حق کرنے والا عالم یا تحصیل علم کرنے والا جاہل ہوں۔ یہ سن کر سعید بن مسیّب نے فرمایا: برادر زادے! یہ سنت ہے۔'' [1]

بات یہیں ختم ہو جاتی ہے کوئی یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میری ہی رائے صحیح ہے اور نہ دوسرے کو جہالت کا الزام دیتا ہے۔ نہ یہ سمجھتا ہے کہ میں ہی حق پر ہوں اور دوسرا باطل پر...... سعید بن مسیّب اور حجازیوں کا مسلک ہے کہ تین انگلیوں تک مرد و عورت کا خون بہا برابر ہے۔ اس سے زیادہ کی صورت میں عورت کا خون بہا نصف ہو جاتا ہے جس کی بنیاد پر روایت ہے: عمرو بن شعیب نے اپنے باپ سے انہوں نے اپنے دادا سے روایت کی کہ عورت کا خون بہا تین تک مرد کے برابر ہے۔ [2] اور عراقیوں کا مسلک یہ ہے کہ شروع ہی سے عورت کا خون بہا مرد کے خون بہا کا نصف ہے۔

امام شعبی (عامر بن شراحیل کوفی) کا قیاس کے سلسلے میں ایک شخص سے مباحثہ ہوا اس سے آپ نے کہا: کیا احنف بن قیس اور ایک چھوٹا بچہ دونوں کو شہید کر دیا جائے تو قصاص یکساں ہوگا؟ یا احنف بن قیس کی عقل و حلم کی وجہ سے ان کا کچھ زیادہ ہوگا؟ اس نے کہا: نہیں دونوں کا برابر ہوگا۔ آپ نے فرمایا: ۔پھر قیاس کوئی چیز نہیں۔

امام اوزاعی نے امام ابو حنیفہ سے مکہ مکرمہ کی ایک ملاقات میں پوچھا آپ رکوع کے وقت رفع الیدین کیوں نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا: اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ سے کوئی صحیح روایت نہیں۔ امام اوزاعی نے کہا: یہ کیسے؟ خود مجھ سے زہری نے یہ حدیث بیان کی۔ ان

---

[1] الموطا مع شرح زمرانی : ۱۸۸/٤۔ مصنف عبدالرزاق : ۳٤۹/۹۔ سنن البیهقی : ۹٦/۸۔

[2] النسائی: ۸/ ٥٤۔ دار قطنی: ٤/ ۳٦٤۔

سے سالم نے ان سے ان کے باپ نے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی کہ وہ نماز کی ابتداء اور رکوع میں جاتے اور اُٹھتے وقت رفع الیدین فرمایا کرتے تھے۔

امام ابوحنیفہ نے فرمایا: مجھ سے حماد نے ان سے ابراہیم نے ان سے علقمہ نے ......اور اسود نے ابن مسعود سے روایت بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ صرف نماز کی ابتداء میں رفع یدین فرماتے اور کوئی چیز مکرر نہ کرتے۔

امام اوزاعی نے کہا: میں زہری سے سالم کی اور ان سے ان کے باپ کی روایت بیان کر رہا ہوں اور آپ فرما رہے ہیں کہ مجھ سے حماد نے ان سے ابراہیم نے روایت بیان کی۔

امام ابوحنیفہ نے فرمایا: حماد زہری سے اور ابراہیم سالم سے بڑے فقیہ ہیں اور علقمہ بھی ابن عمر سے کم نہیں۔ اگر ابن عمر شرفِ صحبت میں فائق ہیں تو اسود بھی بڑے صاحبِ فضل و کمال ہیں۔ اور عبداللہ بن مسعود کی جلالت شان معلوم ہی ہے۔ یہ سن کر امام اوزاعی (ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے) خاموش ہو گئے۔ [1]

امام ابوحنیفہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا:

> ''ہم اپنی اس رائے پر کسی کو مجبور نہیں کرتے اور نہ یہ کہتے ہیں کہ کوئی شخص نہ چاہتے ہوئے بھی اسے قبول کرے۔ اگر کسی کے پاس اس سے اچھی بات ہو تو اسے لائے۔'' [2]

درحقیقت سبھی متبع ہیں اس لیے صحتِ سنت کی صورت میں کوئی اس سے اختلاف نہیں کر سکتا سوائے اس کے کہ وہ اسے سمجھ پائے۔ لفظ میں گنجائش ہو اور فریقین کے مسلمہ دلائل سے تعارض نہ ہو تو ہر ایک دوسرے کے اخذ کردہ مفہوم کو صحیح مانتا۔

اعتقادی و فقہی اختلاف پر سیاسی اثر:

مذکورہ فقہی اختلاف میں جمہور اُمت اور اکثریت کا یہ طرزِ عمل تھا کہ شک وشبہ سے بالاتر

[1] الفکر السامی : ۱/ ۳۲۰۔

[2] الانتقاء: ۱۴۰۔

نصوص کتاب وسنت کی عدالت میں جب اس کا مقدمہ پیش ہوتا تو ادب نبوی کے سایۂ کرم میں رہتے ہوئے دونوں فریق قبول حق پر فوراً آمادہ ہو جاتے کیوں کہ سبب اختلاف صرف یہ بات ہوا کرتی تھی کہ کسی کو حدیث وسنت کی خبر ہوتی اور کوئی اس سے ناواقف رہ جاتا تھا اور اسے اس کی خبر نہ ہوتی تھی یا نص اور اس کے الفاظ کے سمجھنے میں کوئی اختلاف ہوتا۔

لیکن اب ایک نئ بات پیدا ہوگئی اور وہ ہے سیاسی اختلاف۔جس کے نتیجے میں خلیفۂ ثالث سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت جیسا عظیم فتنہ اور سازش برپا ہوئی۔کوفہ اور پھر شام خلافت کی منتقلی اور دوسرے بڑے بڑے حادثات پیش آئے۔جس نے دائرہ اختلاف میں نئ نئ چیزیں داخل کر دیں۔ اور اس رجحان کو تقویت ملی کہ ہر شہر اور ہر ملک والے اسی سنتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر مصر رہنے لگے جو انہیں پہنچی ہو۔ اور دوسرے لوگوں کو عجیب نظروں سے دیکھنے لگے۔جس میں سیاسی حالات اور مخالفت نے اپنا اثر دکھانا شروع کر دیا۔کوفہ و بصرہ (عراق) میں سیاسی افکار کو اپنا رنگ دکھانے کا سازگار اور خوش گوار ماحول ملا۔طرح طرح کی پیچیدگیاں اور نئ نئ جہتیں سامنے آئیں۔وہیں تشیع [1] پروان

---

[1] شیعہ...... ایک فرقہ ہے۔انہیں شیعہ (پیروکار، مددگار) اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سیّدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد میں خلافت کی بقا و استمرار کے قائل و حامی ہیں۔ان کا خیال ہے کہ امامت رسالت کی طرح ایک دینی منصب ہے جس کا معاملہ کسی انسان کے سپرد نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی اس میں کوئی انتخاب ہوسکتا ہے۔ بلکہ یہ نبوت جیسی ایک چیز ہے جسے اللہ تعالیٰ کسی نص جلی یا خفی سے بندوں پر ظاہر فرماتا ہے۔ان کا اعتقاد ہے کہ امام سے بھی اسی طرح معجزہ ظاہر ہوسکتا ہے۔جیسے انبیاء سے ظاہر ہوتا تھا۔وہ ائمہ کو انبیاء ہی کی طرح صغائر وکبائر سے معصوم سمجھتے ہیں۔آپس میں ان کے کئی ایک فرقے ہیں جن میں امامیہ اور زیدیہ زیادہ مشہور ہیں۔اپنے اختلاف کے باوجود مذکورہ معتقدات میں سب متحد ہیں اور اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ امامت کا حق اہل بیت کے لیے مخصوص ہے۔نیز تقیہ کے علاوہ قولاً فعلاً ہر حال میں مخالفین سے برأت واجتناب کرتے ہیں۔اہل سنت سے زیدیہ پھر امامیہ نسبتاً قریب سمجھے جاتے ہیں...... ان کے اُصول جاننے کے لیے ان کی کتابوں کا مطالعہ کریں۔اصول الکافی اور اس کی شرح اصل الشیعہ و اصولها...... مزید تفصیلات ان کتابوں میں ملاحظہ فرمائیں: الملل والنحل۔ للشهرستانی : ۲۳۴/۱۔ الفصل لابن حزم: ۱۷۹/۴۔ ۱۸۸۔ الفرق بین الفرق : ۲۹۔ اعتقادات فرق المسلمین: ۷۷۔۹۵۔ الفرق الاسلامیہ: ۳۳۔ الحور العین : ۱۷۸۔ التبصیر فی الدین : ۲۷۔۴۳۔

چڑھا اور جہمیہ ❶ اور معتزلہ ❷ کا ظہور ہوا۔ خوارج ❸ اور دوسرے اہل زیغ و ضلال بھی وہیں سے پھیلے۔ وضع حدیث کا سلسلہ وہیں سے شروع ہوا۔ سیاسی رنگ کے قصص و واقعات اور منافرت پھیلانے والی باتوں کا فروغ بھی وہیں سے ہوا یہاں تک کہ امام مالک نے کوفہ کے بارے میں فرمایا: ”انها دار الضرب“ ❹ اور امام زہری رحمہما اللہ فرماتے ہیں: ”حدیث ہمارے یہاں بالشت بھر کی ہوتی ہے جو عراق پہنچ کر ایک بالشت کی ہو جاتی ہے۔“ ❺

❶ جہمیہ: ......جہم بن صفوان م ۱۲۸ھ کی طرف منسوب ہے۔ ان کا اعتقاد ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا کوئی ایسا وصف نہیں بیان کیا جا سکتا جس میں کوئی غیر صفت شریک ہو سکے اور اسے ایسے وصف سے جس میں اس کا کوئی شریک نہ ہو متصف کیا جا سکتا ہے کیونکہ وہ خالق ہے ان کا خیال ہے کہ بندہ اپنے ہر کام میں مجبور محض ہے اور اس کی حقیقی نسبت خدا ہی سے ہے۔ بندوں کی طرف صرف مجازاً ہے۔ وہ یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ جیسے ساری مخلوق فنا ہو جائے گی اسی طرح دوزخ و جنت میں جب سبھی انسان داخل ہو جائیں گے تو یہ دونوں چیزیں بھی فنا ہو جائیں گی۔ ان کے مزید خیالات ان کتابوں میں پڑھیں: الزينه في الكلمات الاسلامية العربيه از ابو حاتم احمد بن حمدان رازی شیعی (ق ۳/ ۲٦۸) اعتقادات فرق المسلمين : ۱۰۳۔ التبصير في الدين : ۱۰۷۔۱۰۸۔

❷ معتزلہ: ......جمہور اُمت انہیں معتزلہ اور وہ خود کو اہل عدل و توحید کہتے ہیں۔ ان کے خیالات یہ ہیں...... خدا کے سوا کوئی چیز قدیم نہیں۔ خلق قرآن کا ان کا عقیدہ مشہور ہی ہے۔ اللہ کی صفتیں قائم بذاتہ ہیں اور اس کی ان صفات کو ممتاز نہیں کیا جا سکتا۔ یہ خدا کا کام ہے کہ بندے کے لیے بہتر اور اچھے فعل کا انتخاب کرے۔ ان کے اُصول خمسہ بھی مشہور ہیں جن پر ان کے مسلک کی بنیاد ہے۔ ان میں بھی کئی ایک فرقے ہیں۔ ان کے خیالات اور مزید تفصیلات کے لیے یہ کتابیں پڑھیں: اعتقادات الفرق از رازی : ۲۳۔ التبصير في الدين : ٦۳۔ الملل والنحل : ۱/ ٦۱۔ ۱۳۲۔ الفرق بين الفرق : ۹۳/ ۱۹۰۔

❸ خوارج: ......قرآنِ حکیم کو فیصل ماننے کے مشہور واقعہ کے بعد جنہوں نے سیّدنا علی اور سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہما سے بغاوت کی انہیں خارجی کہتے ہیں۔ مختلف مسائل میں ان کے درمیان کئی طرح کے افکار و خیالات اور اقوال ملتے ہیں۔ مشہور یہ ہیں۔ محض گناہ کر لینے سے بندہ کافر ہو جاتا ہے۔ بڑے بڑے صحابہ کرام مثلاً سیّدنا عثمان، سیّدنا علی، سیّدنا طلحہ، سیّدنا زبیر، سیّدہ عائشہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی انہوں نے تکفیر کر ڈالی۔ ان کے معتقدات اور مزید تفصیلات کے لیے ان کتابوں کا مطالعہ کریں: اعتقادات الفرق از رازی: ٥۱۔ التبصير في الدين: ٤٥۔ الملل والنحل: ۱/ ۱۹٥۔ ۲٥٦۔ الفرق بين الفرق : ٥٤۔ ۹۳۔

❹ الفكر السامی : ۱/ ۳۱۳۔ ❺ الانتقاد۔

انہیں اسباب و وجوہ کی بنا پر خود عراقی وفقہاء بھی قبول سنن واخبار کے لیے ایسی احتیاط برتنے لگے اور ایسی شرطیں عائد کرنے لگے جن کی طرف ان کی پیش رو اور اسلاف توجہ نہیں فرماتے تھے تاکہ محارب فرقوں اور اہل زیغ وضلال کے افکار ان کی فقہ میں شامل ہو کر فسادِ دین کا باعث نہ بن سکیں۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ غیر عراقیوں نے کتنی احتیاط برتی ہوگی جو عراقیوں سے اتنے خائف رہا کرتے تھے کہ بقول اہل حجاز ...... عراقیوں یا شامیوں کی کوئی حدیث اس وقت تک قابل قبول نہیں جب تک کہ حجازیوں کے یہاں اس کی کوئی اصل نہ ہو۔ ❶

عراقیوں کے سب سے صحیح سلسلۂ اسناد، حدث سفیان الثوری عن منصور المعتمر عن ابراهيم النخعي عن علقمة النخعي عن عبدالله بن مسعود ...... کے بارے میں ایک حجازی غلام سے پوچھا گیا کہ اس سلسلے میں آپ کا کیا خیال ہے۔ انہوں نے کہا: اگر حجاز میں اس کی کوئی اصل نہیں تو یہ صحیح اور قابل قبول نہیں۔ ❷

عباس نے ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن مدنی ❸ کو مشیر بنایا۔ وہ کچھ دنوں بعد سب کچھ چھوڑ کر مدینہ واپس چلے آئے۔ ان سے لوگوں نے پوچھا: ،آپ نے عراق اور اہل عراق کو کیسا پایا؟ انہوں نے کہا: ہماری حلال چیز ان کے یہاں حرام اور حرام حلال ہے۔ وہاں میں چالیس ہزار سے زیادہ ایسے آدمی چھوڑ آیا ہوں جو اس دین کے ساتھ فریب کر رہے ہیں ...... انہیں کا یہ قول بھی منقول ہے کہ ...... گویا ہمارے یہاں جو نبی بھیجے گئے ان کے علاوہ کوئی دوسرا نبی ان

---

❶ الفكر السامی: ۱/ ۳۱۲۔

❷ الفكر السامی: ۱/ ۳۱۲۔

❸ ابوعثمان بن ابی عبدالرحمٰن تیمی مدنی ملقب بہ ''ربیعۃ الرأی'' امام مجتہد تھے اور امام مالک کے شیخ بھی۔ ہاشمیہ (انبار۔ عراق) ۱۳۶ھ میں انتقال ہوا۔ بعض لوگوں نے ۱۳۳ھ اور ۱۴۲ھ بھی سن وفات بتلایا ہے۔ ان کے حالات ان کتابوں میں ملاحظہ فرمائیں: التهذيب: ۳/ ۲۵۸۔ تاریخ بغداد: ۸/ ۴۲۰۔ الحلية: ۲/ ۲۵۹۔ صفة الصفوه: ۲/ ۱۴۸۔ الشذرات: ۱/ ۱۹۴۔

کے یہاں بھیجا گیا ہے۔ ❶

اس سے اگرچہ اہل سنت اور جمہور اُمت نہیں بلکہ عراق کے نفس پرست اور اہل بدعت مراد ہیں لیکن تحریک فقہ میں جو چیزیں دُور رَس اثرات کی حامل ہوسکتی ہیں۔ ان کا اور فقہاء عراق کے موقف اوران کے مناہج واستنباط کا اچھی طرح پتہ چل جاتا ہے۔

اہل حجاز سمجھتے ہیں کہ ضبط سنت کا کام انہوں نے ہی کیا۔ اور کوئی سنت ان کی نظر سے اوجھل نہیں ہوئی۔ مدینہ طیبہ ہی میں وہ دس ہزار صحابۂ کرام زندگی بھر رہے۔ جنہیں رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ حنین کے بعد چھوڑا تھا۔ سیّدنا عمر بن عبدالعزیز سارے اہل عرب کو اور مسلمانانِ عالم کو خطوط لکھ کر سنت و فقہ کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ لیکن وہ اہل مدینہ سے مسائل ومعاملات کے بارے میں خود استفسار کرتے اور تعلیم سنت کی درخواست کرتے تا کہ دوسروں کو اس سے آگاہ کریں۔

مدینہ میں صحابہ کرام کی فقہ و آثار اور سنت نبوی کے سب سے بڑے عالم سیّدنا سعید بن مسیّب رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب ہیں جن سے احناف، مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ وغیرہم نے استفادہ کیا۔ اکثر تابعی علماء مدینہ کا خیال تھا کہ فقہی ضروریات کی تکمیل کے لیے وہی سنن و آثار کافی ہیں جو ان کے علم میں ہیں۔ کسی طرح سے بھی رائے کی استعمال کی کوئی ضرورت نہیں اور بعض حضرات رائے کے حق میں تھے۔ جیسے امام مالک کے شیخ ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن جن کی اس سلسلے میں اتنی شہرت ہوئی کہ ''ربیعۃ الرأی'' ان کا لقب ہی ہوگیا۔ لیکن اس کے باوجود ان علماء کی کثرت تھی جو سنت واثر ہی کو کافی سمجھتے تھے۔

فقہاء عراق جیسے ابراہیم نخعی ❷ اور ان کے اصحاب بھی علم و حدیث میں اپنے آپ کو کم

❶ الفکر السامی: ۳۱۲/۱۔

❷ ابوعمران: ...... ابراہیم بن یزید نخعی کوفی ...... فقہ ابن مسعود کے وارث اور دبستان فکر وقیاس کے ایک بہت بڑے فقیہ ہیں۔ ۲۹۶ھ میں وفات ہوئی۔ حدیث وفقہ کے جامع تھے۔ بالاتفاق انہیں ثقہ اور حجت سمجھا جاتا ہے۔ شعبی نے ان کی وفات کی خبر پا کر کہا: ابراہیم نے اپنا جیسا کوئی شخص نہیں چھوڑا۔ ان کے مزید حالات ان کتابوں میں پڑھیں: طبقات ابن سعد: ۷۱/۶۔ صفة الصفوة: ۸۶/۳۔ التذکرہ: ۷۳/۱۔ الحلیہ: ۲۱۷/۴۔ تھذیب التھذیب: ۸۷/۱۔

نہیں سمجھتے تھے۔ ان کے درمیان بھی تین سو سے زیادہ صحابۂ کرام موجود رہ چکے تھے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت ان میں موجود تھی جنہیں افقہ اصحاب الرسول بکتاب اللہ سمجھا جاتا تھا۔ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنی مدت خلافت وہیں گذاری۔ ان کے علاوہ ابوموسیٰ اشعری اور عمار وغیرہم جیسے جلیل القدر صحابی انہیں میں اپنی زندگی گذار چکے تھے۔

ابراہیم نخعی اور اکثر علماء عراق کی رائے تھی کہ احکام شرع معنوی حیثیت سے مصالح اور انسانی مفادات پر مشتمل ہیں۔ ایسے محکم اُصول اور علتوں پر ان کی تعمیر ہوئی جو ان سارے مصالح پر حاوی ہوں۔ اور ان سب کا منبع و ماخذ کتاب اللہ و سنن رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ فرعی احکام کی مشروعیت بھی انہیں علل و اسباب کے تحت ہیں اور فقیہ وہی ہے جو ان احکام کی علتیں اور ان کی غرض و غایت سمجھتا ہو تاکہ کسی بھی حکم کو وہ ان کے ساتھ ہی مربوط رکھ سکے۔ علماء عراق کا یہ بھی خیال تھا کہ نصوص شرعیہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد موقوف ہو گئے اس لیے کتاب و سنت سے ماخوذ احکام کی علتیں جب تک سامنے نہ ہوں اس وقت تک تشریعی ضروریات کا مقابلہ مشکل اور ناممکن ہے۔

حسن بن عبیدہ نخعی سے روایت ہے انہوں نے کہا میں نے ابراہیم نخعی سے عرض کیا کہ آپ کے جو فتاویٰ ہیں کیا آپ نے انہیں سن رکھا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ میں نے کہا: بغیر سنے ہوئے آپ فتویٰ دیتے ہیں؟ فرمایا: بغیر سنے ہوئے معاملات کو سنی ہوئی چیزوں پر قیاس کر لیتا ہوں۔ [1] عراق کی فقہی درس گاہ کا یہی نشانِ امتیاز تھا کہ اگر حدیث نہ ہو تو رائے اور قیاس سے کام لو۔

سعید بن میسّب اور علماء مدینہ علل و اسباب کو قابل التفات نہیں سمجھتے۔ کتاب و سنت میں حل نہ ملتا تو شدید ضرورت کے وقت اس کی طرف توجہ کرتے اور انہیں ضرورت بھی کیا پڑتی۔ خود سعید بن میسّب کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر، عمر، عثمان اور علی (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے سارے احکام اور فیصلوں کا مجھے علم ہے۔ [2]

---

[1] الفقیه والمتفقه: ۱/ ۲۰۳۔ [2] طبقات ابن سعد۔

عراق میں جو واقعات وحادثات پیش آئے اور وہاں کے ماحول میں جو تبدیلیاں آئیں ان سے مدینہ منورہ کا ماحول محفوظ رہا اور وہاں کوئی ایسی بات نہیں ہوئی۔ اس لیے اکثر علماء مدینہ کا یہ طریقہ تھا کہ ان سے کوئی سوال کیا جاتا جس کا کسی حدیث میں کوئی حل نظر آتا تو جواب دیتے ورنہ معذرت کر دیتے ...... مسروق سے ایک مسئلہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: میں نے نہیں جانتا۔ ان سے کہا گیا کہ اپنی رائے سے قیاس کر کے بتائیے۔ انہوں نے کہا: مجھے ڈر ہے کہ کہیں میرے قدم پھسل نہ جائیں۔ ❶

جس مسئلہ میں کوئی حدیث نہ ہو اس میں رائے اور قیاس سے اہل مدینہ بہت خائف رہا کرتے تھے۔ ابن وہب کہتے ہیں: امام مالک نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ سیّد المرسلین اور امام المسلمین تھے ان سے کوئی سوال ہوتا تو اس کا جواب اسی وقت دیتے جب ان کے پاس وحی آتی۔ رسولِ خدا کا جب یہ طریقہ تھا تو یہ کتنی بڑی جرأت وجسارت ہے کہ رائے قیاس، تقلید، عرف، عادۃ، سیاست، ذوق، کشف، خواب، استحسان یا اٹکل سے کوئی جواب دیا جائے۔ اللہ ہی کی مدد اور اسی کا بھروسہ ہے۔ ❷

دونوں دبستانِ فقہ کے اختلاف اور تنقید ومباحثہ کے باوجود ادب اختلاف اور اس کی حدود ہی میں رہ کر سب نے اپنا کام کیا۔ نہ کسی کی تکفیر وتفسیق ہوئی نہ کسی پر ارتکابِ امر منکر کا الزام، اور نہ اس سے اظہارِ برأت وبے زاری۔

ابن ابی شبرمہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ ایک بار میں اور ابو حنیفہ دونوں جعفر بن محمد بن حنیفہ کے پاس گئے۔ میں ان کا دوست تھا۔ سلام کے بعد جعفر سے میں نے کہا: اللہ آپ کے ذریعہ ہمیں فیض پہنچاتا رہے۔ یہ ایک صاحب عقل وفہم عراقی عالم وفقیہ ہیں۔ انہوں نے کہا: شاید یہی دین میں فکر وقیاس سے کام لیتے ہیں؟ کیا یہی نعمان ہیں؟ ابو حنیفہ نے کہا: ہاں۔ اللہ آپ کو صالح رکھے۔ جعفر نے کہا: اللہ سے ڈرتے رہیے اور دین میں رائے کا

❶ اعلام الموقعین : ۱/ ۲۵۷۔

❷ اعلام الموقعین : ۱/ ۲۵٦۔

استعمال نہ کیجیے۔ سب سے پہلے ابلیس نے قیاس کا آغاز کیا۔ اسے جب حکم ملا کہ آدم کو سجدہ کرو تو اس نے کہا میں اس سے بہتر ہوں۔ تو نے مجھے آگ سے اور اسے مٹی سے پیدا کیا ہے۔

پھر انہوں نے آپ سے پوچھا: مجھے ایسا کلمہ بتلایئے جس کا اوّل شرک اور آخر ایمان ہو؟ آپ نے کہا: میں نہیں جانتا۔ جعفر نے کہا یہ لا الٰہ الا اللہ ہے۔ اگر کوئی لا الٰہ کہہ کر رُک گیا تو کافر ہو جائے گا۔ اسی کلمہ کا اوّل شرک اور آخر ایمان ہے۔ اچھا بتایئے کہ ایسا قتل جو اللہ کے یہاں حرام ہو زیادہ بڑا گناہ ہے یا زنا؟ آپ نے کہا: قتل۔ انہوں نے فرمایا: اللہ نے قتل کے لیے دو شہادت قبول فرمالی ہے لیکن زنا کے لیے چار ضروری ہے۔ قیاس یہاں آپ کے لیے کہاں فائدہ مند رہا؟ ...... اور بتایئے خدا کے یہاں روزہ بڑا ہے یا نماز؟ آپ نے کہا: نماز۔ انہوں نے فرمایا: عورت حیض سے فراغت کے بعد روزوں کی قضا کرتی ہے لیکن نماز کی نہیں۔ بندۂ خدا! اللہ سے ڈرتے رہیے اور قیاس نہ کیجیے۔ خدا کے یہاں جب ہم اور آپ کھڑے ہوں گے تو ہم کہیں گے اللہ نے اور اس کے رسول نے یہ فرمایا۔ اور آپ یہ کہیں گے ہمارا قیاس اور ہماری رائے یہ ہے۔ تو اللہ جو چاہے گا ہمارے اور آپ کے بارے میں فیصلہ فرمائے گا۔ ❶

امام جعفر کے سوالات ایسے نہیں تھے کہ امام ابو حنیفہ جیسے شخص ان کا جواب نہ دے سکیں لیکن اہل بیت رسول کا یہ ادب واحترام تھا کہ وہ خاموش رہے۔

مذکورہ مباحثات سے پتہ چلتا ہے کہ اعلیٰ وارفع ادب نبوی فریقین کا معین و مددگار رہا کرتا تھا اور ان کے اختلافات بھی باہمی ربط وتعلق کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ پیدا کر سکے۔ مؤرخین نے اس دور کی شدت کے جو بعض واقعات تحریر کیے ہیں وہ عام طور پر کلامی فرقوں کے ہیں جن کے اختلافات اعتقادی اُمور میں پائے جاتے تھے اور وہ ایک دوسرے کی طرف کفر و فسق اور بدعت کی نسبت کرنے لگے تھے۔ کتب تاریخ میں ان کے بھی ایسے واقعات مل جائیں گے کہ انہوں نے ادب اختلاف کا التزام کیا ہے۔

❶ اعلام الموقعین : ۱/۲۵۵۔ ۲۵۶۔

خوارج سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مناظرہ:

عبداللہ بن مبارک ❶ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا مجھ سے عکرمہ بن عمار نے ان سے سماک حنفی نے بیان کیا کہ ابن عباس کو میں نے یہ کہتے ہوئے سنا کہ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خارجی جب تک نہ نکلیں ان سے جنگ نہ کرو۔ وہ جلد ہی نکلیں گے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: امیر المؤمنین! نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھیے، میں ان کے یہاں جا کر ان کی بات سننا اور کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے کہا: مجھے آپ کے لیے ان سے کچھ خطرہ محسوس ہو رہا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: میں حسن اخلاق کا مالک تھا اور کبھی میں کسی کو ایذا بھی نہیں دیتا تھا۔ میں نے خوب اچھے یمنی کپڑے پہنے، کنگھا کیا اور خارجیوں کے پاس پہنچ گیا۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا یہ لباس کیسا ہے؟ میں نے قرآنِ کریم کی یہ آیت تلاوت کی:

﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ﴾ (الاعراف : ۳۲)

”آپ کہیے کس نے حرام کی اللہ کی وہ زینت جو اس نے اپنے بندوں کے لیے نکالی اور پاک رزق۔“

میں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہترین یمنی لباس پہنتے ہوئے میں نے خود دیکھا ہے۔ وہ بولے کوئی حرج نہیں ...... آپ یہاں کیسے آئے؟ میں نے کہا کہ اپنے دوست کے پاس سے آیا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچاز اد بھائی اور ان کے رفیق ہیں اور اصحابِ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وحی کے تم سے زیادہ جاننے والے ہیں۔ قرآنِ حکیم بھی انہیں میں نازل ہوا ہے۔ ان کی دعوت تمہیں اور تمہارا پیغام انہیں پہنچا دوں گا۔ کیا چیز تمہیں بُری لگی ہے؟ اس

❶ ابو عبدالرحمٰن، عبداللہ بن مبارک بن واضح حنظلی تمیمی۔ محدث۔ حافظ۔ فقیہ اور مسائل میں حجت تھے۔ علم وعمل اور جہاد وتجارت کے جامع اور زہد وتقویٰ میں شہرۂ آفاق، ہیت (عراق) میں ۱۸۱ھ میں آپ نے انتقال فرمایا۔ آپ کے حالات ان کتابوں میں پڑھیں: طبقات ابن سعد : ۷/ ۳۷۲۔ الشیرازی : ۷۷۔ الجرح والتعدیل : ۲/ ق ۲/ ۱۷۹۔ التذکرہ : ۱/ ۲۷۴۔ الحلیہ : ۸/ ۱۶۲۔ تہذیب التہذیب : ۵/ ۳۸۲۔

سوال پر کچھ لوگ بول پڑے۔ ان سے ہرگز بات نہ کرو۔ قریش جھگڑالو ہوتے ہیں۔ خود اللہ نے ان کے بارے میں فرما دیا ہے:

﴿بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ﴾ (الزخرف: ۵۸)

''بلکہ وہ لوگ جھگڑالو ہیں۔''

بعض نے کہا: بات کرلی جائے۔ چنانچہ دو یا تین آدمی میرے پاس آئے اور کہا: چاہیں تو آپ بات کریں یا ہم گفتگو شروع کریں۔ میں نے کہا: تم لوگ بات کرو۔ اس کے بعد انہوں نے کہا: تین باتیں ہمیں بُری لگیں۔ وہ یہ کہ حَکَمْ انہوں نے آدمیوں کو بنایا جب کہ حکم خداوندی ہے:

﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ (الانعام، یوسف)

''حکم تو اللہ ہی کا ہے۔''

میں نے کہا کہ خرگوش ❶ کے سلسلے میں چوتھائی درہم کا معاملہ اللہ ہی بندوں کے سپرد کیا اور انہیں حَکَمْ بنا دیا ہے اور زوجین کے بارے میں قرآنِ حکیم میں ہے:

﴿فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا﴾ (النساء: ۳۵)

''ایک فیصل مرد والوں کی طرف سے اور ایک عورت والوں کی طرف سے بھیجو۔''

زوجین اور بندے کے معاملات میں حَکَمْ بنانا افضل ہے یا اُمت کے معاملات میں جس سے خون ریزی بند ہو کر اختلاف اتحاد اتفاق میں تبدیل ہو جائے؟ انہوں نے کہا: ہاں صحیح ہے!

دوسری بات یہ ہے کہ انہوں نے امیر المؤمنین بننے سے توقف کیا اور علیحدہ رہے وہ امیر الکافرین ہیں (معاذ اللہ) میں نے کہا: قرآن وسنت سے میں دلیل دوں تو مان لو گے؟ انہوں

❶ اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے: ﴿فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ﴾ (المائدہ: ۹۵) ''تو اس کا بدلہ یہ ہے کہ جیسا اس نے قتل کیا ویسا ہی جانور دے۔ تم میں سے دو ثقہ آدمی اس کا فیصلہ کریں۔'' احرام پہنے ہوئے حاجی کے شکار سے متعلق یہ حکم ہے۔

نے کہا: ہاں! میں نے کہا: میں نے سنا ہے اور میرا خیال ہے کہ تمہیں بھی معلوم ہو گا کہ صلح حدیبیہ کے روز سہیل بن عمرو کی رسول اللہ ﷺ سے گفتگو ہوئی تو آپ نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے کہا لکھیے:

((هذا ما صالح عليه محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم .))

ان سبھوں نے کہا کہ اگر ہم آپ کو خدا کا رسول مان لیں تو جنگ ہی نہ کریں۔ آپ نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: علی! اسے مٹا دو...... ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کیا میں تمہاری اس بات سے نکل گیا؟ ان سبھوں نے کہا: ہاں۔

اب رہا جنگ جمل وصفین کے بارے میں تمہارا یہ کہنا کہ انہوں نے قتال کیا۔ لیکن قیدی نہ بنائے اور نہ مالِ غنیمت حاصل کیا۔ کیا تم اپنی ماؤں کو قیدی بنا کر دوسری عورتوں کی طرح انہیں بھی اپنے لیے حلال سمجھو گے؟ اگر ہاں کہو گے تو انکارِ کتاب اللہ کرو گے اور اسلام سے نکل جاؤ گے۔ اب تم دو گمراہیوں کے درمیان گھر گئے ہو۔

کوئی بھی چیز پیش کر کے میں کہتا ہوں کیا اس سے نکل گیا؟ وہ کہتے: ہاں! اس طرح ان میں سے دو ہزار ہمارے ساتھ واپس آ گئے اور صرف چھ سو[1] باقی رہ گئے۔[2]

[1] اعلام الموقعین: ۱/ ۲۱٤ـ ۲۱۵ـ دوسرے سلسلہ اسناد میں مختلف الفاظ سے یہ روایت مذکور ہے۔

تیسری فصل

استنباط میں مناہج ائمہ کا اختلاف

فقہی مسالک:

صحابہ کرام اور کبار تابعین کے بعد جو فقہی مسالک سامنے آئے ان کی تعداد بعض کے نزدیک تیرہ ہے۔ سارے ائمہ اسی مسلک اہل سنت کے تھے جو آج بھی جمہور اُمت کا مسلک ہے لیکن صرف آٹھ یا نو مسالک مدون ہو سکے۔ اور ان میں بعض کی تدوین مکمل ہوئی اور بعض ادھورے ہی رہ گئے۔ ان کی اسی مدون فقہ سے ان کے اُصول مسلک اور مناہج فقہ کا اندازہ لگایا جاتا ہے اور اسی حیثیت سے ان کی شہرت ہے۔ نو (۹) ائمہ کرام یہ ہیں:

۱۔ امام ابوسعید حسن بن یسار بصری متوفی ۱۵۰ھ

۲۔ امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت بن زوطی متوفی ۱۵۰ھ

۳۔ امام اوزاعی ابوعمرو عبدالرحمٰن بن عمرو بن محمد متوفی ۱۵۷ھ

۴۔ امام سفیان بن سعید بن مسروق ثوری متوفی ۱۶۰ھ

۵۔ امام لیث بن سعید متوفی ۱۷۵ھ

۶۔ امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ

۷۔ امام سفیان بن عیینہ متوفی ۱۹۸ھ

۸۔ امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ

۹۔ امام احمد بن محمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ

ظاہری مسلک کے امام داؤد بن علی اصبہانی بغدادی م ۲۷۰ھ الفاظ قرآن وحدیث کے ظاہر مفہوم پر عمل کرتے تھے۔ اسی نسبت سے ان کے مسلک کو ظاہری کہا جانے لگا۔

چند مشہور ائمہ یہ ہیں: اسحاق بن راہویہ م ۲۳۸ھ ۔ ابوثور ابراہیم بن خالد کلبی م ۲۴۰ھ ان کے علاوہ اور بہت سے ائمہ ہیں جن کا مسلک رائج نہیں ہوا نہ ان کے متبعین ہوئے۔ یا مشہور مسالک کے مقلدین ہی انہیں بھی سمجھا گیا۔

جن ائمہ مسالک کی جڑیں مضبوط رہیں اور جو آج تک باقی ہیں جن کے سارے مسلم ممالک میں بے شمار مقلدین ہیں جن کے فقہ و اُصولِ فقہ کو آج بھی جمہور مدارِ فقہ و افتاء مانتے ہیں۔ ان کی تعداد صرف چار ہے:

امام ابوحنیفہ...... امام مالک...... امام شافعی...... امام احمد بن حنبل

مشہور ائمہ کے مسالک:

امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کو فقہاء حدیث و سنت سمجھا جاتا ہے۔ انہوں اہل مدینہ سے فقہ سیکھی اور ان کے علوم حاصل کیے۔ اپنی جلالت شان کے باوجود چونکہ فقہ حنفی پر فکر و قیاس کا غلبہ ہے اس لیے امام ابوحنیفہ کو بعض لوگ فقہ اہل الرائے کا وارث ان کی درس گاہ کے امام و مقتدا کی حیثیت سے جانتے ہیں۔

دبستانِ سعید بن مسیّب جو فقہ و آثارِ صحابہ کی بنیاد پر قائم ہے اور جس کے طریقہ و منہج کو مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ نے اپنایا اور دبستانِ ابراہیم نخعی جو حدیث و سنت نہ ہونے کی صورت میں رائے پر عمل کرتا ہے۔ ان دونوں کا اختلاف فطری طور پر ان کے درمیان بھی سرایت کر گیا جنہوں نے ان میں سے کسی ایک دبستان کو بھی اپنایا اور اس سے بھی کسی کو اختلاف نہیں کہ اس کی حدت و تیزی کم ہوئی۔ بنوعباس میں جب خلافت منتقل ہوئی تو انہوں نے بعض جلیل القدر علماء حجاز کو سنت کی تعلیم و تبلیغ کے لیے عراق بلایا جن میں سے چند حضرات یہ ہیں:

۱۔ ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن

۲۔ یحییٰ بن سعید ❶

❶ ابوسعید یحییٰ بن سعید بن فروخ قطان تمیمی بصری عظیم المرتبت حافظ حدیث، ثقہ امام اور حجت ہیں۔ ⇦⇦⇦

ہشام بن عروہ ❶، محمد بن اسحاق ❷ وغیرہم۔ اسی طرح بعض عراقی بھی مدینہ پہنچے اور علماء حجاز سے استفادہ کیا۔ مثلاً ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم ❸ اور محمد بن حسن ❹۔ ان دو مؤخر الذکر علماء نے امام مالک سے بھی تحصیل علم کی۔ ❺ ان سب حضرات کے ذریعہ حجازیوں اور عراقیوں کے افکار و خیالات ایک دوسری جگہ منتقل ہوئے۔ اس کے باوجود امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ کے طرزِ فکر میں بڑی حد تک یکسانیت ہے۔ اگرچہ بعض مناہج استنباط میں اختلاف بھی ہے اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اندازِ فکر ان حضرات سے کچھ جداگانہ نظر آتا ہے۔

⇐⇐⇐ امام مالک کے ہم عصر اور علم رجال وصحت وضعف حدیث کے سب سے بڑے عالم تھے۔ ان کے زیادہ فتاویٰ مسلک امام ابوحنیفہ کے مطابق ہیں۔ ۱۹۸ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کے حالات ان کتابوں میں ملاحظہ فرمائیں: طبقات ابن سعد: ۲۹۳/۷۔ الحلیہ: ۳۸۲/۸۔ الجرح والتعدیل: ٤/ ق ۲/ ۱۵۰۔ تاریخ بغداد: ۱۳۵/۱٤۔ التذکرۃ: ۲۹۸/۱۔ تہذیب التہذیب: ۲۱٦/۱۱۔

❶ ابوالمنذر ہشام بن عروہ بن زبیر بن عوام متوفی ۱٤۵ھ مشہور محدث وحافظ ثقہ امام اور فقیہ تھے۔ اکابر علماء مدینہ میں آپ کا شمار تھا۔ طبقات ابن سعد: ۳۲۱/۷۔ الجرح والتعدیل: ٤/ ق ۲/ ٦۳۔ تاریخ بغداد: ۳۷/۱٤۔ تہذیب التہذیب: ٤۸/۱۱۔ میں آپ کے حالات مرقوم ہیں۔

❷ محمد بن اسحاق بن یسار مدنی متوفی ۱۵۱ھ بغداد۔ آپ اہل مغازی وسیر کے امام تھے، آپ کے حالات ان کتابوں میں ہیں: تاریخ بغداد: ۲۱٤/۱۔ طبقات ابن سعد: ۳۲۱/۷۔ التذکرہ: ۱۷۲/۱۔ الجرح والتعدیل: ۳ ق ۲/ ۱۹۱۔ المیزان: ٤۹۸/۳۔ تہذیب التہذیب: ۳۹/۹۔

❸ یعقوب بن ابراہیم بن حبیب انصاری کوفی بغدادی م ۱۸۳ھ بغداد۔ امام ابوحنیفہ کے ممتاز تلامذہ میں آپ کا شمار ہے۔ ہادی، مہدی اور رشید کے دور میں قاضی القضاۃ تھے۔ آپ کے حالات ان کتابوں میں ہیں: تاریخ بغداد: ۲٤۲/۱٤۔ التذکرہ: ۲۹۲/۱۔ الجرح والتعدیل: ٤ ق ۲/ ۲۰۱۔ طبقات ابن سعد: ۳۳۰/۷۔ الجواہر المضیئہ: ۲۲۰/۲۔ آپ کے حالات ومناقب پر کئی ایک مستقل تصانیف ہیں۔

❹ ابوعبداللہ بن محمد بن حسن م ۱۸۹ھ۔ ری۔ امام ابوحنیفہ کے تلمیذ خاص اور ناشر فقہ حنفی تھے۔ رشید کے وقت میں رقہ اور ری کے عہدہ قضا پر فائز تھے۔ آپ کے حالات ان کتابوں میں ہیں: طبقات ابن سعد: ۳۳٦/۷۔ المیزان: ۵۱۳/۳۔ تاریخ بغداد: ۱۷۲/۲۔ الشذرات: ۳۲۱/۱۔ الجواہر المضیئہ: ٤۲/۲۔

❺ الفکر السامی: ٤۳٤/۱، ٤۳۵۔

ا۔ مسلک امام ابو حنیفہ:

تینوں ائمہ کرام (مالک، شافعی، احمد بن حنبل) کے مناہج فقہ سے امام ابو حنیفہ کا اسلوب اور انداز واضح طور پر مختلف تھا۔ مسلک حنفی کے قواعد و اصول جو آپ نے بیان فرمائے ہیں ان کا خلاصہ ہی آپ کی زبان میں یہ ہے:

''میں سب سے پہلے کتاب اللہ سے اخذ و استنباط کرتا ہوں۔ اگر اس میں نہ ملے تو سنت رسول اور ثقہ رواۃ سے منقول احادیث صحاح کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ اور جب کتاب اللہ اور سنت رسول (ﷺ) میں نہیں پاتا تو اصحابِ رسول میں جس کا قول چاہتا ہوں اس سے استنباط کرتا ہوں۔ ان کے علاوہ کسی دوسرے کا قول نہیں لیتا۔ جب معاملہ ابراہیم، شعبی اور ابن مسیب وغیرہ (کئی ایک نام آپ نے شمار کرائے) تک پہنچتا ہے تو انہیں کی طرح میں خود اجتہاد کر لیتا ہوں۔''

مسلک ابو حنیفہ کے یہ سب سے بنیادی اور اہم اُصول ہیں، دوسرے فرعی اور ثانوی اُصول بھی ہیں جو انہیں اُصول کی بنیاد پر قائم اور انہیں سے نکلے ہوئے ہیں اور جو دوسرے مسالک کے بعض اُصول سے مختلف ہیں۔ چند اُصول وضوابط یہ ہیں:

- **لفظ عام کی دلالت خاص کی طرح قطعی ہے۔** ●

● عام۔ جو لفظ ان سارے افراد و اشیاء پر حاوی ہو جن کے لیے اس کی وضع ہوئی ہے جیسے لفظ کل اور جمیع وغیرہ۔
خاص۔ جو لفظ کسی معین چیز کو بتلائے جیسے اسماء اعلام وغیرہ۔
قطعی۔ جس سے یقین و اذعان ہو جائے۔ کبھی نصوص قطعی الدلالۃ اور قطعی الثبوت ہوتی ہیں۔ جیسے قرآنِ حکیم کی ظاہری آیات اور اس کی صحیح و محکم نصوص...... کبھی یہ نصوص قطعی الثبوت اور ظنی الدلالۃ ہوتی ہیں۔ جب ایسے طریقے سے ان کا ثبوت ہو جو قطعی ہوں اور شک کی گنجائش نہ ہو۔ جیسے آیاتِ قرآن اور احادیث متواترہ۔ اور جب ان کے کچھ معانی میں مختلف احتمالات ہوں تو ظنی الدلالہ ہوں گے۔ جیسے یہ آیت کریمہ ﴿يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ﴾ (البقرہ) ''اپنی جانوں کو وہ تین حیض تک روکے رہیں۔'' یہ نص تو قطعی ہے کیوں کہ یہ آیت قرآن ہے جو تواتر کے ساتھ ہم تک منقول ہے لیکن طہر اور حیض کے سلسلے میں ظنی الدلالہ ہیں۔ کیونکہ قروء سے طہر مراد ہے یا حیض۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے اور دونوں طرح کے اقوال ہیں۔

- عموم کے خلاف صحابی کے مسلک سے اس کی تخصیص ہو جاتی ہے۔ ❶
- کثرتِ رواۃ مفید ترجیح نہیں۔
- مفہوم شرط و صفت معتبر نہیں۔ ❷
- عموم بلویٰ میں خبر واحد مقبول نہیں۔ ❸
- قرینہ صارفہ نہ ہو تو امر، قطعی طور پر وجوب کا متقاضی ہے۔

---

❶ عام دلائل میں کبھی کچھ تخصیص بھی ہوتی ہے۔ جیسے استثناء وغیرہ۔ بعض علماء کے نزدیک عموم دلیل کے خلاف کسی صحابی کے عمل یا مسلک سے بھی ان کی تخصیص ہو جاتی ہے۔ کیوں کہ ان کے اس عمل سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ایسی ہی کوئی چیز دیکھی یا سنی ہے جس سے اس عام کی تخصیص ہو چکی ہے۔

❷ دلالت مفہوم...... لفظ کوئی ایسا حکم بتائے جو کلام میں مذکور نہ ہو جیسے قرآنِ حکیم کی اس آیت میں ہے: ﴿قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّکُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا﴾ (الانعام: ۱٤٥) ''آپ کہیے مجھے وحی ہوئی اس میں کہ کسی کھانے والے پر کوئی کھانا حرام نہیں پاتا سوائے اس کے کہ وہ مردار یا بہتا ہوا خون ہو''...... مسفوحا کا مفہوم یہ ہے کہ دَم غیر مسفوح (بغیر بہا ہوا خون) جیسے جگر اور تلی جائز ہے۔

مفہوم شرط...... لفظ کوئی حکم مشروط بتائے کہ وہ شرط نہ پائی جائے تو حکم بھی نہ پایا جائے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَاِنْ کُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَیْهِنَّ حَتّٰی یَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ (الطلاق: ٦) ''اور اگر وہ حاملہ ہوں تو انہیں بچہ پیدا ہونے تک نان ونفقہ دو''...... اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عدت گذارنے والی حاملہ کو وضع حمل تک نان و نفقہ دینا واجب ہے۔ اور اس کا مفہوم شرط یہ ہے کہ عدت گذارنے والی غیر حاملہ کے لیے نان ونفقہ واجب نہیں۔

مفہوم صفت ...... کسی صفت سے موصوف لفظ کا ایسا حکم بتلانا کہ صفت نہ پائے جانے کی صورت میں بیان کردہ حکم کی نقیض ثابت ہو جائے۔ جیسے قرآنِ حکیم میں ہے: ﴿وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِکُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِکُمْ﴾ (النساء: ۲۳) ''اور تمہارے حقیقی بیٹوں کی بیویاں'' یہ آیت اپنے لفظ سے بتلا رہی ہے کہ حقیقی لڑکے کی بیوی۔ اس کے باپ پر حرام ہے اور اس کا مفہوم صفت یہ ہے کہ متبنیٰ (گود لیا ہوا) کی بیوی اس کے باپ پر حرام نہیں۔ اس لیے کہ وہ اس کے صلب سے نہیں ہے۔

❸ عموم بلویٰ...... فقہاء کی زبان میں عموم بلویٰ سے ایسی چیزیں مراد ہیں جن سے بچنا مشکل یا محال ہو۔ جیسے سڑک کی کیچڑ یا پرنالوں کا پانی۔ یا گوریا یا پرندوں کا بیٹ کرنا۔ یا اس طرح کے جانوروں کے اُڑتے اور پھڑ پھڑاتے وقت کپڑوں پر پیشاب کے چھینٹے پڑنا۔ یا گھروں میں بلیوں کا گھومنا پھرنا وغیرہ۔

- فقیہ راوی کا اپنی روایت کے خلاف عمل ہو تو روایت نہیں بلکہ اس کی رائے پر عمل ہوگا۔
- خبر واحد اور قیاس جلی سے تعارض ہو تو قیاس جلی مقدم ہوگا۔
- بوقت ضرورت قیاس کو چھوڑ کر استحسان ❶ قبول کرلیا جائے گا۔

ابو ابوحنیفہ سے منقول ہے...... ہمارے علم نے ہمیں یہی راہ دکھائی جو ہمارے غور وفکر و اندازے کے مطابق سب سے بہتر ہے۔ اور اگر کوئی اس سے بھی بہتر چیز لائے تو ہم اسے قبول کرلیں گے۔

۲۔ مسلک امام مالک:

امام مالک کا اپنا ایک الگ طرزِ فکر ہے۔ وہ کہتے ہیں:

''کیا جب جب کوئی شخص ہمارے پاس آئے تو اس کے بحث وجدل کی وجہ سے ہم وہ چیز چھوڑ دیں جسے جبریل رسول اللہ ﷺ کے پاس لائے۔'' ❷

اس کا ذکر پہلے ہی گذر چکا ہے کہ آپ دبستانِ سعید بن میتب کے حجازی مسلک سے وابستہ ہیں۔ آپ کے مسلک کے اُصول وضوابط کا خلاصہ اور ان کی ترتیب درج ذیل ہے:

- نص کتاب اللہ
- ظاہر نص۔ یعنی عموم
- دلیل نص۔ یعنی مفہوم مخالف
- مفہوم نص۔ یعنی مفہوم موافق
- تنبیہ نص۔ یعنی علت پر تنبیہ جیسے اس آیت میں ہے: ﴿فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا﴾

قرآنِ حکیم سے اخذ کردہ یہ پانچ اُصول ہیں اور حدیث وسنت سے بھی دس (۱۰) اُصول ماخوذ ہیں:

---

❶ کسی مسئلہ میں اسی جیسے دوسرے مسائل کا حکم دیکھ کر تخفیفاً اس کے خلاف کرنا۔ دیکھیے: رفع الحرج: ۳۹۶۔ از ڈاکٹر محمد یعقوب باحسین۔

❷ الفکر السامی : ۳۷۸/۱۔

- اجماع
- قیاس
- عمل اہل مدینہ
- استحسان
- ذرائع کے سدّ باب کا حکم ❶
- مصالح مرسلہ ❷
- قول صحابی (جب کہ صحابی مشہور وممتاز اور سند صحیح ہو)
- رعایت اختلاف (مخالف کی دلیل جب قوی ہو)
- استصحاب
- گذشتہ شریعتیں

مسلک امام شافعی:

امام شافعی نے اپنے اُصولی رسالہ "الرسالة" میں اجمالاً مسلک شافعی کے اُصول وقواعد

❶ سدّ ذرائع...... لغت میں ذریعہ ایسے وسیلہ کو کہتے ہیں جس سے کسی دوسری چیز تک پہنچا جائے خواہ وہ حسی ہو یا معنوی، خیر ہو یا شر۔ اصطلاح میں اس کو کہتے ہیں جو ایسی ممنوع چیز تک پہنچائے جس میں فساد اور برائی پائی جائے۔ جیسے اجنبی عورت کو دیکھنا جو زنا کا ذریعہ ہے اس لیے ایسی نظر کی حرمت کو سدّ ذریعہ سمجھا جائے گا۔ امام احمد کے مزید اُصول اور اختلافی دلائل کے لیے یہ کتابیں: اعلام الموقعین، المدخل، اصول مذهب الامام احمد۔

❷ مصالح مرسلہ...... ہر وہ منفعت جو شارع کے مقاصد اور تصرفات کے مطابق ہو۔ جس کے اعتبار یا عدم اعتبار کی کوئی متعین اصل نہیں۔ جیسے عقد استصناع۔ کہ کسی شخص سے ایسی چیز بنانے کا معاہدہ کیا جائے جو اس معاہدہ کے وقت موجود نہ ہو۔ جو چیز معاہدہ میں شامل ہے وہ تصرفات شارع میں داخل ہے۔ کیونکہ معاہدوں کی صحت اس وقت معتبر ہے جو کسی ایسی چیز سے متعلق ہو جس کی صنعت کا علم ہو اور وہ چیز بنا کر دی جا سکے۔ استصناع...... یہ ہے کہ غیر موجود چیز بنانے کے لیے کہا جائے۔ اس کے مصالح ومنافع ظاہر ہیں اور اس کی ممانعت سے لوگ بہت سے فوائد سے محروم ہو جائیں گے۔ اس لیے شارع نے اس کا اعتبار کیا ہے۔ اسی طرح لین دین کے معاہدوں کی ضرورت اور اس کے مصالح بھی معلوم ہیں۔ اس لیے بعض علماء نے اس میں ایجاب وقبول کی شرط بھی نہیں رکھی ہے۔

تحریر فرما دیے ہیں۔ یہ کتاب اسلام میں پہلی جامع اُصولی کتاب سمجھی جاتی ہے۔

آپ نے فرمایا:

"اصل قرآن وسنت ہیں۔ اگر ان میں نہ ملے تو ان کی روشنی میں قیاس کیا جائے ...... اگر رسول اللہ ﷺ سے متصل صحیح الاسناد حدیث ہو تو کافی ہے...... اجماع خبر واحد سے بڑی چیز ہے۔ حدیث کا ظاہر لیا جائے گا...... اگر کئی معانی کا احتمال ہو تو اسے لیا جائے گا جو ظاہر سے قریب تر ہو۔ احادیث برابر ہوں تو صحیح الاسناد حدیث قابل ترجیح ہوگی۔ حدیث منقطع صرف ابن مسیب کی لی جاسکتی ہے...... اصل کو اصل پر قیاس کیا جاسکتا ہے اور نہ اس میں کوئی چون و چرا...... فرع میں کیوں اور کیسے کا سوال ہوتا ہے...... اور اصل پر اس کا قیاس صحیح ہو تو وہ بھی صحیح ہے اور قابل حجت۔" ❶

مذکورہ اُصول سے ظاہر ہے کہ امام شافعی کے نزدیک تشریع میں قرآن وسنت دونوں برابر ہیں۔ حدیث چونکہ اصل ہے اس لیے صحت واتصال کے علاوہ اور کوئی شرط نہیں...... اصل میں کوئی چون وچرا نہیں۔ اس لیے شہرت حدیث ❷ کی بھی کوئی شرط نہیں جب کہ وہ عموم بلویٰ میں وارد ہو۔ جب کہ امام ابوحنیفہ کے یہاں شرط ہے...... حدیث سے اختلاف عمل اہل مدینہ کی بھی شرط نہیں جس کی شرط امام مالک کے نزدیک ہے لیکن امام شافعی نے مراسیل سعید بن مسیب کے علاوہ اور کوئی حدیث مرسل ❸ قبول نہیں کی۔ کیونکہ وہ انہیں متصل الاسناد مانتے ہیں۔ اس میں آپ نے امام مالک، امام ثوری اور معاصر علماء حدیث جو اسے حجت مانتے تھے

---

❶ المنهاج از امام نووی۔ الفكر السامی: ۱/۳۹۸۔

❷ حدیث مشہور...... جس کے دو سے زیادہ طرق محصورہ ہوں یا جسے ہر طبقہ میں تین یا اس سے زیادہ راویوں نے روایت کیا ہو۔ دیکھیے: شرح نزهة النظر فی توضیح نخبة الفكر: ۱۷۔

❸ حدیث مرسل...... وہ حدیث جس کی سند تابعی کے بعد ساقط ہو جیسے کسی تابعی کا کہنا قال رسول اللہ ﷺ کذا ...... اور اس کا تذکرہ نہ کرے کہ اسے رسول اللہ ﷺ سے کس نے روایت کی۔

ان سے اختلاف کیا ہے۔ [1] اور حجیت استحسان سے اختلاف کر کے حنیفہ اور مالکیہ دونوں سے اختلاف کیا ہے۔ استحسان کے ردّ میں ایک کتاب بھی بنام "ابطال الاستحسان" تحریر فرمائی ہے اور آپ کا یہ مقولہ بھی مشہور ہے "جس نے استحسان کیا اس نے ایک قانون بنایا۔" مصالح و مرسلہ کا بھی آپ نے ردّ کیا ہے اور اس کی حجیت سے بھی انکار فرمایا ہے کیس ظاہر مربوط علت پر جو قیاس نہ کیا گیا ہو وہ بھی آپ کے نزدیک نا قابل قبول ہے۔ عمل اہل مدینہ کی حجیت اور احناف کے عائد کردہ شرائط جیسے شہرت وغیرہ نہ ہونے پر ترکِ حدیث سے بھی آپ نے اختلاف کیا ہے اور امام مالک کی طرح صرف احادیث اہل حجاز سے استنباط سے بھی آپ کو اختلاف تھا۔

اہم اصولِ مسلک شافعی کا یہ اجمال ہے جن سے اصولِ حنیفہ و مالکیہ کا اختلاف بھی اچھی طرح واضح ہے۔

۴۔ مسلک امام احمد بن حنبل:

مسلک امام احمد بن حنبل کے اُصول وقواعد مسلک امام شافعی کے مذکورہ قواعد سے بہت قریب ہیں ان کے اخذ واستنباط کی ترتیب یہ ہے:

۱۔ نصوص قرآن وسنت...... ان کی موجودگی میں کوئی دوسری چیز قابل توجہ نہیں۔ حدیث صحیح مرفوع پر عمل اہل مدینہ، رائے، قیاس، قولِ صحابی یا اجماع جو علم بالمخالفت پر قائم ہو ان میں سے کسی چیز کو ان پر مقدم نہیں کیا جا سکتا۔

۲۔ اگر کوئی نص نہ ہو تو صحابۂ کرام کے فتاویٰ دیکھے جائیں گے اگر کسی کا قول مل جائے اور اس میں صحابہ کے کسی اختلاف کا علم نہ ہو تو اسے لیا جائے گا۔ اس پر کسی عمل، رائے اور قیاس کو مقدم نہ کیا جائے گا۔

۳۔ صحابۂ کرام کا اختلاف ہو تو اسے اختیار کیا جائے گا جو کتاب وسنت سے زیادہ قریب ہے اور اگر کتاب وسنت سے قریب تر مسئلہ کی وضاحت نہ ہو سکے تو کسی قول پر جزم ویقین

[1] الفکر السامی: ۱/ ۳۹۹۔

کیے بغیر اختلاف کا ذکر کر دیا جائے گا۔

۴۔ حدیث مرسل وضعیف کے خلاف کوئی دوسری حدیث یا قولِ صحابی یا اجماع نہ ہو تو اسے ہی لیا جائے گا اور قیاس پر یہ حدیث مقدم ہو گی۔

۵۔ گذشتہ دلائل میں سے کچھ نہ ملے تو بوقت ضرورت قیاس کو دلیل بنایا جا سکتا ہے۔

۶۔ سدّ ذرائع۔ [1]

ظاہری مسلک:

یہاں اختصار کے ساتھ ظاہری مسلک کے امام ابن حزم داؤد ظاہری کے اخذ و استنباط کے اُصول و قواعد کا ذکر کر دینا بھی غالباً مناسب ہی ہو گا کیونکہ اس کا مسلمانوں میں کچھ اثر ہے اور اس کے متبعین آج بھی پائے جاتے ہیں۔ احناف اور پھر مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ سے اس ظاہری مسلک کا زبردست اختلاف رہا ہے۔ ابن حزم ظاہری نے امام شافعی کی بہت سی فضیلتوں کا اعتراف بھی کیا ہے۔

ظاہری مسلک کے نمایاں اُصول یہ ہیں:

آیات و احادیث کے ظاہر پر استقلال و ثابت قدمی ...... جن معانی و احکام اور مصالح کے لیے ان کی مشروعیت سمجھی جاتی ہے۔ ان پر ان آیات و احادیث کے ظاہر کو مقدم رکھنا چاہیے۔ جب تک علت محل اوّل (مقیس علیہ) میں منصوص اور اس کا وجود محل ثانی (مقیس) میں اس طرح قطعی نہ ہو کہ حکم بمنزلہ تحقیق مناط [2] ہو جائے اس وقت تک قیاس [3] پر عمل نہ کیا

---

[1] سدّ ذرائع...... لغت میں ذریعہ ایسے وسیلہ کو کہتے ہیں جس سے کسی دوسری چیز تک پہنچا جائے خواہ وہ حسی ہو یا معنوی، خیر ہو یا شر۔ اصطلاح میں اس کو کہتے ہیں جو ایسی ممنوع چیز تک پہنچائے جس میں فساد اور برائی پائی جائے۔ جیسے اجنبی عورت کو دیکھنا جو زنا کا ذریعہ ہے اس لیے ایسی نظر کی حرمت کو سدّ ذریعہ سمجھا جائے گا۔ امام احمد کے مزید اُصول اور اختلافی دلائل کے لیے یہ کتابیں: اعلام الموقعین، المدخل، اصول مذہب الامام احمد۔

[2] قیاس...... قیاس پر وارد سوالات اور تو ادح علت سے متعلق مباحث میں اسے دیکھیں۔

[3] تحقیق مناط...... کسی وصف کا کسی حکم کی علت ہونا سمجھ لیا جائے تو اس کے ذریعہ مجتہد ان اُمور کو جاننے ⇦⇦⇦

نہ کیا جائے۔ استحسان پر عمل حرام ہے..... صرف عہد صحابہ کے اجماع سے استدلال کیا جا سکتا ہے۔ حدیث مرسل و منقطع قابل عمل نہیں۔ جو حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ کے خلاف ہے...... اسی طرح قبل اسلام کی شریعتوں پر کوئی عمل نہیں...... عمل بالرائے بھی جائز نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ﴾ (الانعام: ۳۸) ''ہم نے کتاب میں کسی چیز کے ذکر کو نہ چھوڑا۔'' حکم منصوص کو غیر منصوص کی طرف لے جانا حدود اللہ سے تجاوز کرنا ہے..... مفہوم مخالف لینا کسی کے لیے جائز نہیں۔ عوام علماء اور ہر وہ مکلف جو اپنی کوشش سے کچھ بھی اجتہاد کر سکے اس پر تقلید حرام ہے۔ ❶

ہماری رائے:

حقیقت یہ ہے کہ بہت سے اُصول جو ائمہ کی طرف منسوب ہیں وہ ان کے اقوال سے ماخوذ ہیں جن میں کچھ کی روایت صحیح بھی نہ ہو گی۔ اس لیے ان پر جمے رہنا، ان کا دفاع کرتے رہنا اور ان پر اعتراضات و جوابات میں مستغرق ہو کر کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ سے غافل ہو جانا۔ یہی چیزیں ان مضر اختلافات کا سبب ہے جو خود ائمہ کرام کا ہرگز مقصود نہیں۔ انہیں چیزوں نے دورِ آخر کے مسلمانوں کو بڑے کاموں سے ہٹا معمولی کاموں کی راہ پر لگا دیا ہے اور اُمت مسلمہ آج اس نیچے درجہ تک پہنچ کر اس میں غلطاں و پیچاں ہے۔

⇐⇐⇐ کی کوشش کرے جن میں وہ علت پائی جاتی ہے۔

مناط...... علت کو کہتے ہیں کیونکہ حکم اسی سے متعلق ہوتا ہے جس وقت یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹنے کی علت چوری ہے تو مجتہد وہ اُمور جاننے کی کوشش کرتا ہے جن میں چوری کی صفت پائی جائے اور اسی طرح جیب تراش اور کفن چور پر قیاس کر لیتا ہے کیونکہ ان دونوں کے اندر بھی چوری کا وصف پایا جاتا ہے اور یہ علت موجود ہے۔

❶ النبذ، الاحکام از ابن حزم ظاھری۔ ان دون کتابوں سے ان اُصولوں کی ہم نے تلخیص کی ہے۔

چوتھی فصل

اسباب اختلاف اور اس میں تبدیلیاں

اسبابِ اختلاف......عہد رسالت سے عہد صحابہ تک:

فکری اُمور و معاملات جن سے فقہی مسائل کا استخراج ہوتا ہے ان میں اختلاف ہونا ایک فطری چیز ہے کیونکہ لوگوں کا شعور و احساس ان کی عقل وفہم یہ سبھی چیزیں فطرتاً ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ یہ بنیاد تسلیم کر لینے کے بعد لازمی طور پر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ عہد رسالت وخلافت راشدہ میں کچھ صحابہ کرام کے درمیان بھی اختلافات پیدا ہوئے اور تاریخی واقعات ان کے گواہ بھی ہیں جن کا انکار دین کی کوئی خدمت نہیں۔ اور جن کے ذکر سے اس مثالی دین کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا اور نہ ہی باہمی اختلافاتِ صحابہ کرام سے ان کی نیتوں کی صداقت مجروح ہوتی ہے۔ بلکہ ان سے ہمیں علم ہوتا ہے کہ یہ دین فطری اور قابل عمل ہے۔ حقائق زندگی پر اس کی گہری نظر ہے اور انسانی تقاضوں کو سامنے رکھ کر ہی ان کے ساتھ اس کے معاملات ہوا کرتے ہیں......اور تخلیق فطرت کے مختلف عوامل و اسباب بھی جا بجا اثر انداز ہیں۔ لیکن مومن قلب و روح کے لیے یہ چیز اطمینان بخش ہے کہ یہ اختلاف ضعفِ عقیدہ یا دعوتِ رسول (ﷺ) کی صداقت میں کسی شک کے سبب نہیں پیدا ہوئے۔ بلکہ ان سبھی حضرات کا مقصود تلاشِ حق اور اصابت آراء واحکام ہی ہے۔

چونکہ رسول اللہ ﷺ ان احکام و مسائل کا سر چشمہ تھے اس لیے اختلاف کی عمر اتنی ہی ہوتی تھی کہ وہ اس راہ پر لگا دے جس کی منزل رسول اللہ ﷺ ہیں۔ ان واقعات میں ہم دیکھتے ہیں کہ سارے اسباب اختلاف فہم نص میں داخل ہیں۔ لغوی یا اجتہادی وجوہ سے اس میں فرق پڑ جایا کرتا تھا یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی تفسیر سمجھنے میں لغوی یا اجتہادی

اعتبار سے آپس میں اختلاف ہو جایا کرتا تھا۔ ان اسباب کے پیچھے ان کی نیت ہرگز یہ نہیں تھی کہ خلاف کی بیج اُگائیں جس کی نشو و نما کی کوشش میں منافقین ہمیشہ لگے رہتے تھے...... یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ تک پہنچتے ہی یہ اختلافات ختم ہو جاتے یا انہیں ایسی کوئی نص مل جائے جو بعض کو معلوم ہو اور کچھ اس سے ناواقف ہوں تب بھی یہ اختلافات دم توڑ دیتے۔ کیونکہ فطرتِ سلیم حق بات جہاں پاتی ہے فوراً اسے قبول کر لیتی ہے۔

اسباب اختلاف کا عہد بہ عہد منتقل ہونا بھی فطری ہے کیونکہ ایسی رکاوٹیں پیدا کرنی مشکل ہیں جن سے وہ ختم ہو سکیں کچھ ایسے معاملات بھی پیش آتے گئے جن کے سبب سے اختلاف کی چنگاری بھڑکتی رہی۔

خلیفۂ ثالث سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد بلادِ اسلامیہ میں ایک طوفان برپا ہو گیا جس کے نتیجے میں کچھ ایسے حادثات رونما ہوئے جنہوں نے دائرۂ اختلاف میں نئی نئی چیزیں شامل کر دیں۔ بسا اوقات ایسا ہوا کہ ہر شہر اور ملک کے مسلمان وضع و تلبیس کے خوف سے صرف اسی سنت رسول (ﷺ) پر عمل کرتے جو انہیں پہنچتی۔

کوفہ و بصرہ کے دبستان فقہ میں سیاسی افکار کو کچھ خوش گوار ماحول ملا جس سے کئی ایک فرقے جیسے خوارج، شیعہ، مرجیہ ❶ کو فروغ ملا۔ اور معتزلہ و جہمیہ وغیرہ اہل زیغ و ضلال سامنے آئے۔

جتنے فرقے ہوئے اتنے ہی مناہج فکر و عقل بھی بڑھتے گئے اور ہر فرقہ کے کچھ مخصوص اُصول و ضوابط اور ان کا اپنا نقطۂ نظر بن گیا جس سے وہ نصوص شارع اور مصادر شرعیہ کی تفسیر

---

❶ مرجیہ...... وہ فرقہ ہے جو الارجاء فی الایمان کا قائل ہے۔ ارجاء لغت میں تاخیر کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں ایمان سے عمل کو مؤخر کرنا۔ ارجاء ہے۔ مرجیہ کا اعتقاد ہے کہ ایمان کے ساتھ معصیت مضر نہیں۔ جیسے کفر کے ساتھ طاعت مفید نہیں۔ ان کا یہ عقیدہ جمہور اہل قبلہ کے خلاف ہے۔ کل پانچ فرقے ان کے درمیان پائے جاتے ہیں۔ ان کے معتقدات اور فرقوں کی تفصیل ان کتابوں میں دیکھیں۔ التبصیر فی الدین : ۹۷۔ اعتقادات الفرق از امام رازی : ۱۰۷۔ المواقف از عقد الدین ایجی : ۴۲۷۔

اور نئے نئے مسائل میں اپنے موقف کی توضیح کرنے لگا۔ اس لیے ضرورت پیش آئی کہ وحی الٰہی کی روشنی میں کچھ قیود وضوابط وضع کیے جائیں اور استنباط احکام کے اسالیب ومناہج کی تعیین اور اختلاف کا جواز کن کن چیزوں میں ہے اس کی تحدید کردی جائے۔

اللہ کا فضل وکرم ہی ہے کہ اس نے مجتہدین کے فقہی اختلاف کو دائرہ جواز میں رکھا ہے کیونکہ آیات واحادیث کے جو احکام بتلانے کے لیے شارع نے تفصیلی دلائل متعین فرمائے ہیں ان میں سے کسی کے ذریعہ حکم واقعہ کی معرفت کو فقہ کہا جاتا ہے اور فقیہ کبھی حکم شارع کو صحیح طریقے سے سمجھتا اور اس کے مطابق نتیجہ نکالتا ہے اور کبھی اس سے خطا بھی ہو جاتی ہے۔ لیکن دونوں حالتوں میں اس کی صرف اتنی ذمہ داری ہے کہ حکم صحیح تک پہنچنے کے لیے اپنی ساری ذہنی وعقلی صلاحیت واستعداد استعمال کرے۔ اگر حکم شارع تک نہیں پہنچ سکا جب بھی اس کی حقیقت وغایت سے قریب تر وہ پہنچ ہی جائے گا اور ایسے حال میں دو شرطوں کے ساتھ یہ اختلاف جائز بھی ہوگا:

۱۔ ہر فریق کے پاس قابل حجت دلیل ہو اور اگر کوئی ایسی دلیل نہ ہو تو وہ بالکل ساقط الاعتبار ہوگا۔

۲۔ مسلک مخالف تسلیم کرلینے سے محال یا باطل کی راہ پر نہ لگ جائے۔ اگر ایسا ہو تو ابتداء ہی وہ باطل ہو جائے گا اور کسی حال میں کسی کو اس کے ذکر کا بھی حق نہیں۔

ان دو اُمور سے ''اختلاف'' اور ''خلاف'' کا فرق واضح ہے۔

مذکورہ بالا دونوں شرطیں جس میں پائی جائیں وہ اختلاف ہے جو فکر واجتہاد کا مظہر ہے اور اکثر اس کے اسباب معقول ہوا کرتے ہیں ...... جس میں ایک یا دونوں شرطیں نہ پائی جائیں وہ خلاف ہے جو عناد ونفسانیت کا مظہر ہے اور اس میں کوئی معقول وجہ نہیں ہوتی۔

عہدِ فقہاء میں اسبابِ اختلاف

وہ فقہاء جن کے مسالک پر اُمت کا اجماع ہے۔ انہوں نے سابقہ دونوں شرطوں کی ہمیشہ

پابندی کی۔ لیکن اس زمانے میں لوگوں نے اسباب اختلاف کی تحدید میں واضح اختلاف کیا ہے۔ ان اسباب کی کثرت بھی ظاہر کی جاتی ہے اور اعتدال بھی۔ اس کے باوجود انہیں مندرجہ ذیل اُمور سے وابستہ کیا جا سکتا ہے۔

ا۔ لغت:

کلام شارع میں جب کوئی لفظ مشترک آئے جس کی وضع چند مختلف معانی کے لیے ہو جیسے لفظ ''عین'' جس کے کئی ایک معانی ہیں مثلاً آنکھ، چشمہ، خالص سونا، نگہبان وغیرہ۔

یہ لفظ جب کلام شارع میں بغیر کسی قرینہ کے ہو تو اس کے وضعی معانی برابر ہوں گے اور ہر ایک مراد ہو سکتے ہیں۔ اس لیے مجتہدین کا اس میں اختلاف ہو جاتا ہے کہ یہ لفظ سبھی معانی کے لیے عام ہے یا کسی ایک کے لیے یہاں خاص ہے۔

لفظ "القُرء" جو اس آیت میں ہے اس سے شارع کی مراد کے سلسلے میں علماء کا اختلاف ہے:

﴿وَ الْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ﴾ (البقرہ: ۲۲۸)

''اور طلاقوں والیاں تین حیض تک اپنی جانوں کو روکے رکھیں۔''

"القرء" جس کے معنی طہر بھی ہے اور حیض بھی۔ اس لیے مطلقہ کی عدت حیض سے مانی جائے گی یا طہر سے۔ اس میں علماء کا اختلاف ہو گیا...... علماء حجاز نے کہا کہ تین طہر ہے اور علماء عراق نے کہا کہ تین حیض۔ ❶

لفظ کبھی دو طرح سے استعمال ہوتا ہے۔ ایک حقیقی دوسرا مجازی...... اس لیے اس میں اختلاف ہو جاتا ہے کہ اس نص میں اس کا استعمال حقیقی ہے یا مجازی۔

ابتداء لفظ شارع میں جواز مجاز پر بھی اختلاف ہوا۔ اکثر نے اسے جائز قرار دیا اور کچھ تھوڑے لوگوں نے جیسے ابو اسحاق اسفرائنی اور شیخ ابن تیمیہ نے اس کی نفی کی ہے۔

منکرین مجاز کہتے ہیں کہ لفظ کی اصل وضع جس کے لیے ہوئی ہو اسے چھوڑ کر کوئی دوسرا

---

❶ تفسیر قرطبی: ۱۱۳/۳۔ المغنی از ابن قدامہ: ۷۷/۹۔

معنی مراد لینا مجاز ہے۔ جیسے اسد کہہ کر اس سے بہادر شخص مراد لیا جائے اور نصوص شارع احکام شرعیہ بیان کرنے کے لیے وارد ہیں۔اس لیے ان کا حقیقی معنی کی بجائے کوئی مجازی معنی لینا بیانِ مقصود کے منافی ہے۔ ہمیں اس موضوع سے کوئی بحث نہیں۔مختصر یہ ہے کہ جمہور علماء لفظِ شارع میں مجاز کے قائل ہیں۔ ابن قدامہ وغیرہ علماء اُصول کی رائے ہے کہ انکار مکابرہ ہے۔ ❶

کلام شارع سمجھنے میں اسی لیے علماء کا اختلاف اور حقیقت ومجاز کا تردد پیدا ہو جاتا ہے۔ کسی لفظ مفرد میں دو معانی کا احتمال ہے تو اسے کچھ معنی حقیقی پر محمول کر لیتے ہیں اور کچھ اس کا معنی مجازی مراد لیتے ہیں۔ جیسے لفظ "المیزان" ہے اس کا حقیقی معنی ترازو ہے لیکن مجاز اُعدل کے لیے بھی اس کا استعمال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ۝ أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ ۝ وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ۝﴾ (الرحمن: ۷ تا ۹)

"آسمان کو بلند کیا اور میزان قائم کیا کہ اس میں تم بے اعتدالی نہ کرو۔ انصاف کے ساتھ تولو اور وزن نہ گھٹاؤ۔"

اور آیت کریمہ:

﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (الحدید: ۲۵)

"بے شک ہم نے اپنے رسولوں کو دلائل کے ساتھ بھیجا۔ ان کے ساتھ کتاب اور عدل کی ترازو اُتاری تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔"

اس میں المیزان ترازو کے معنی میں بھی ہے۔ ❷

اسی طرح عروض کو میزان الشعر اور نحو کو میزان الکلام ❸ کہا جاتا ہے اور لفظ سلسلہ وغیرہ

---

❶ روضۃ الناظر: ۳۵۔ ❷ تفسیر ابن کثیر: ۴/ ۲۷۰۔

❸ التنبیہ: ۵۵۔

بھی ایسے ہی ہیں۔

کبھی ترکیب میں بھی مجاز ہوتا ہے جیسے اس آیت میں ہے:

﴿یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ قَدۡ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکُمۡ لِبَاسًا یُّوَارِیۡ سَوۡاٰتِکُمۡ وَ رِیۡشًا﴾

(الاعراف: ۲۶)

''اے بنی آدم! ہم نے تمہارے لیے ایک ایسا لباس اُتارا جو تمہاری شرم کی چیزیں چھپائے اور لباسِ فاخرہ۔''

یہ بدیہی بات ہے کہ لباس اور پر آسمان سے نہیں اُترتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے بارش برسائی، سبزہ اُگایا، حیوان کو پیدا فرمایا، اسے بال اور اون کا لباس پہنایا، انسانوں کے لباس کے لیے روئی اور ریشم یہ ساری چیزیں اُگائیں۔ اس لیے سبب یعنی پانی جس سے اللہ تعالیٰ نے ہر زندہ چیز پیدا فرمائی اور اس کی جگہ مسبب یعنی لباس کی نسبت فرما دی۔

یہ معروف قاعدہ ہے کہ صیغۂ افعل امر کے لیے اور لاتفعل نہی کے لیے ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ امر وجوب کے لیے اور مطلق نہی تحریم کے لیے ہے۔ دونوں صیغوں کا یہی استعمال حقیقی ہے۔ لیکن اپنے پہلے وضعی معنی کے علاوہ دوسرے معانی بھی ہیں۔

امر استحباب کے لیے بھی آتا ہے جیسے اس آیت میں ہے:

﴿فَکَاتِبُوۡہُمۡ اِنۡ عَلِمۡتُمۡ فِیۡہِمۡ خَیۡرًا﴾ (النور: ۳۳)

''تو انہیں لکھ دو اگر ان میں کچھ بھلائی جانو۔''

ارشاد ورہنمائی کے لیے بھی ہے، جیسے:

﴿وَ اسۡتَشۡہِدُوۡا شَہِیۡدَیۡنِ﴾ (البقرہ: ۲۸۲)

''اور دو گواہ کرلو۔''

اور......

﴿اِذَا تَدَایَنۡتُمۡ بِدَیۡنٍ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاکۡتُبُوۡہُ ؕ﴾ (البقرہ: ۲۸۲)

''تم جب کسی وقت مقرر تک کسی قرض۔ کالین دین کرو تو اسے لکھ لو۔''

تہدید کے لیے بھی ہے، جیسے:

﴿اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ﴾ (فصلت : ٤٠)

''جو جی میں آئے کرو۔'' ❶

نہی تحریم کے علاوہ دوسرے معانی جیسے کراہت وتحقیر کے لیے بھی ہے۔۔ جیسے اس آیت میں ہے:

﴿لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ﴾ (الحجر : ۸۸)

''اپنی آنکھ اُٹھا کران جوڑوں کو نہ دیکھو جنہیں ہم نے کچھ چیزوں سے بہرہ ور کیا۔''

اسی طرح ارشاد ورہنمائی کے لیے بھی ہے:

﴿لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ﴾ (المائدہ : ۱۰۱)

ایسی باتیں نہ پوچھو جوتم پر ظاہر کی جائیں تو تمہیں بُری لگیں۔'' ❷

امر صیغۂ خبر کے لیے اور نہی صیغۂ خبر ونفی کے لیے ہے۔نصوص سے احکام شرعیہ کے استنباط ، مناہج وطرق اور اختلاف فقہاء میں ان معانی کے اثرات پائے جاتے ہیں۔کبھی احوال کلمہ کے اختلاف کی وجہ سے معنی میں نہیں مگر فہم نص میں علماء کا اختلاف ہو جاتا ہے۔جیسا کہ اس آیت میں ہے:

﴿وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ط﴾ (البقرہ : ۲۸۲)

''کسی لکھنے والے کو ضرر دیا جائے نہ گواہ کو (یا نہ لکھنے والا ضرر دے نہ گواہ)''

بعض کا خیال ہے کہ کاتب وشہید سے نقصان پہنچانا مراد ہے اس طرح کہ لکھنے والا وہ بات لکھ دے جو اسے املا نہ کرائی گئی ہو اور شاہد خلاف واقعہ کی شہادت دے دے۔ ان کی دلیل سیّدنا ابن عباس کی یہ قراءت ہے:وَلَا يُضَارِرْ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ...... دوسرے فریق کا خیال ہے کہ اس سے کاتب وشہید کو ضرر پہنچنا مراد ہے وہ اپنے کام اور مصروفیات سے

❶ حاشیہ المحصول : ۱/ ق ۲ ۷۵۔ صیغۂ افعل کے پندرہ معنی بتلائے گئے ہیں۔

❷ مرجع سابق : ٤٦٩۔ الاحکام از آمدی : ۱۸۷/۲۔

روک دیے جائیں اور غیر مناسب وقت میں انہیں کتابت وشہادت کا مکلّف بنا دیا جائے۔ ان حضرات کی دلیل سیّدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ قراءت ہے:

وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ

جب لغت تمیم میں لفظ مدغم ہو تو دونوں احتمالات ہوتے ہیں کہ فعل معلوم کے لیے بھی ہو اور مجہول کے لیے بھی۔۔ اس وجہ سے یہ اختلاف رونما ہوا اگرچہ فک ادغام لغت حجاز ہے۔ ❶

اس نوعیت کے اسباب اختلاف کے محقق کو مفرد کلمات، مختلف تراکیب، اجمال و بیان عموم وخصوص، اطلاق وتقیید وغیرہ کی بہت ساری مثالیں مل جائیں گی۔ ان مذکورہ باتوں سے اس طرح کی دوسری چیزیں جو سبب اختلاف بنیں اچھی طرح سمجھی جاسکتی ہے۔ اور اس موضوع کی کتابوں سے دیگر معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں۔ ❷

۲۔روایت:

اسباب اختلاف کے اس نوع کے متعدد پہلو اور مختلف اثرات ونتائج ہیں۔ علماء سلف کے اکثر فقہی اختلافات اس سے وابستہ ہیں...... کبھی کسی مجتہد تک حدیث نہیں پہنچ پاتی تو کسی آیت یا دوسری حدیث کا ظاہری مفہوم دیکھ کر یا کسی مسئلہ کا رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ فرمایا ہو اس پر قیاس کر کے یا استصحاب حال ❸ یا یہ کہ اصل برأت اور عدم تکلیف ہے۔ ❹ یا اجتہاد کی کسی معتبر وجہ کے مطابق فتویٰ دے دیتا۔

کبھی زیر بحث معاملے میں کسی دوسرے مجتہد کو کوئی حدیث مل جاتی جس کے مطابق وہ فتوی دے دیتا تو دونوں مجتہدوں کے فتویٰ میں اختلاف ہو جاتا ہے۔

مجتہد کو کبھی حدیث مل جاتی ہے مگر اس کی نظر میں کوئی ایسی علت ہے جو اس حدیث کے

---

❶ التنبيه على اسباب الاختلاف: ۳۲۔ ۳۳۔

❷ مثلاً التنبيه على الاسباب التي اوجبت الاختلاف بين المسلمين از ابن السيد البطليوسي۔

❸ استصحاب حال...... کسی یقینی تغیر کا سبب نہ ہو یا سابقہ حالت پر برقرار رکھنا مقصود ہو تو ماضی کے ایسے کسی ثابت شدہ حکم کو حال تک باقی رکھنے کو استصحاب حال کہا جاتا ہے۔۔

❹ بندے کو ذمہ داری کا مکلف نہ بنایا جانا اور اس سے برأت ہی اصل ہے اس لیے کہ بغیر کسی دلیل کے مکلف نہیں بنایا جاسکتا۔

مطابق عمل کرنے سے مانع ہے۔ مثلاً اسے یقین ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف اس کی نسبت صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے سلسلۂ اسناد میں کوئی راوی مجہول یا متہم یا ضعیف الحافظہ ہے یا یہ حدیث منقطع یا مرسل ہے یا خبر واحد میں عادل حافظ کی ایسی شرط عائد کرتا ہے جو دوسرے مجتہد کے یہاں نہیں۔ تو ایک حدیث پر عمل کرتا ہے کیونکہ اس کے نزدیک اس کا سلسلۂ اسناد صحیح اور متصل ہے اور دوسرا ان مذکورہ علتوں کی وجہ سے اس پر عمل نہیں کرتا۔ اس طرح دونوں کے اقوال متعارض اور مختلف ہو جاتے ہیں۔

حدیث کے معانی و مفاہیم میں اختلاف رائے کی وجہ سے بھی علماء کے درمیان اختلاف پیدا ہو جاتا ہے جیسے ان مسائل کی تشریح وتوضیح میں ان کے اقوال مختلف ہیں۔ مزابنہ ❶، مخابرہ ❷، محاقلہ ❸، ملامسہ ❹، منابذہ ❺، غرر ❻۔

کسی ایک مجتہد کو حدیث کے جو الفاظ ملتے ہیں۔ دوسرے کو اس سے مختلف ملتے ہیں جیسے حدیث کا کوئی لفظ ساقط ہے جس کے بغیر معنی پیدا ہی نہیں ہوسکتا یا حدیث کا معنی ہی بدل جاتا ہے۔

کبھی کسی مجتہد کے پاس حدیث اپنے متعلقہ واقعہ کے ساتھ پہنچتی ہے جس سے اس کی

---

❶ مزابنہ ...... لغت میں مدافعت کو کہتے ہیں اور اصطلاح اہل علم میں جیسے درخت ہی پر تازہ کھجور کی خشک کھجور سے اور تازہ انگور کی خشک انگور سے بیع۔ یا ناپ کر کٹی ہوئی کھیتی سے گیہوں کی بیع۔ بعض حضرات مزابنہ سے مزارعہ مراد لیتے ہیں۔ دیکھیے: القاموس الفقهي : ۱۵۸۔

❷ مخابرہ...... کھیتی کو بٹائی پر دینا یا کچھ غلہ کے بدلے کھیت میں کام کرنا۔

❸ محاقلہ...... کھیتی کو خوشہ ہی میں بیچنا۔

❹ ملامسہ...... عہد جاہلیت کی ایک بیع...... جس کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ کوئی شخص بیچی جانے والی چیز کو محض چھو دے تو بیع واجب ہو جاتی ہے خواہ وہ اسے اُلٹ پلٹ کر جانچ کرے یا نہ کرے۔ اکثر یہ معاملہ کپڑوں ہی میں ہوتا تھا۔

❺ منابذہ...... یہ ہے کہ دوسرے کے کپڑے یا اس کی قیمت سے کوئی شخص اپنے کپڑے کی بیع کرے۔ صرف کپڑے کا پھینکنا ہی وجوب بیع کی علامت ہے۔

❻ غرر...... جس کے وجود وعدم یا قلت یا کثرت کا علم نہ ہو۔ یا جسے سپرد کیے جانے کی قدرت نہ ہو۔

مراد سمجھنے میں اسے آسانی ہوتی ہے اور دوسرے تک وہ حدیث اس طرح نہیں پہنچتی جس سے اس کا اخذ کردہ مفہوم مختلف ہو جاتا ہے۔

ایک راوی کبھی حدیث کا کچھ ٹکڑا اور دوسرا اسے مکمل سنتا ہے۔ کبھی حدیث کسی ایسی کتاب سے نقل کی جاتی ہے جس کا لفظ بدلا ہوا ہے اور اسے ہی وہ نقل کر لیتا ہے اور اسی حدیث کو دوسرا شخص اس کے صحیح الفاظ کے ساتھ کسی دوسری جگہ سے نقل کرتا ہے جس کی وجہ سے رائیں مختلف ہو جاتی ہیں۔ کبھی مجتہد کے نزدیک حدیث صحیح ہے لیکن وہ سمجھتا ہے کہ یہ ایک دوسری سے زیادہ صحیح اور قوی حدیث سے متعارض ہے اس لیے زیادہ قوی حدیث کو وہ ترجیح دیتا ہے یا دونوں دلائل میں زیادہ قوی کون ہے یہ اس پر واضح نہیں ہو پاتا تو وہ دونوں میں سے کسی سے بھی وہ اس وقت تک استنباط نہیں کرتا جب تک قابل ترجیح صورت اس کے سامنے نہ آ جائے۔

کوئی مجتہد کبھی ایسی نص پا جاتا ہے جو ناسخِ حدیث ہے یا اس کے عموم کی تخصیص کر دیتی ہے یا مطلق کو مقید بنا دیتی ہے اور دوسرے مجتہد کو ان میں سے کوئی چیز نہیں معلوم ہو پاتی، اس لیے دونوں کا مسلک اس مسئلہ میں الگ الگ ہو جاتا ہے۔ [1]

قواعد اُصول اور ضوابطِ استنباط:

اُصولِ فقہ...... اجمالاً فقہی دلائل کی معرفت، ان سے استفادہ کی کیفیت اور حال مستفید جاننے کو علم اُصولِ فقہ کہا جاتا ہے۔

تفصیلی دلائل سے ضبط اجتہاد اور استنباطِ احکامِ شرعیہ کے لیے مجتہدین نے جو قواعد وضع کیے ہیں ان کا مجموعہ یہ علم ہے...... مجتہدین نے اپنے اُصولی مناہج و اسالیب میں وہ دلائل جن سے استفادۂ احکام، ان کی حجیت کا استدلال، طریقہ استفادہ کی وضاحت کے لیے ان دلائل اور ان کے عوارض ذاتیہ وغیرہ جاننے کے لیے شروع سے آخر تک جتنے بھی قدم اُٹھائے جاتے ہیں اور حکم شرعی تک پہنچنے کے لیے جتنے بھی اعمال ہیں ان سب کی تشریح اور ہر ایک کی تحدید کر دی ہے۔

[1] رفع الملام : ۷۔ المکتب الاسلامی۔

ان قواعد وضوابط میں مجتہدین کے الگ الگ مسالک ہیں اور اس اختلاف کی وجہ سے مجتہدین کا فقہی مسلک بھی ایک دوسرے سے جدا گانہ نظر آتا ہے۔ بعض ائمہ کا خیال ہے کہ صحابی کا فتویٰ جب مشہور ہو اور کسی دوسرے صحابی کا اس سے اختلاف معلوم نہ ہو تو وہ فتویٰ حجت ہے۔ کیونکہ عدالت صحابہ کی ثقاہت سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ اس صحابی کا فتویٰ کسی دلیل یا فہم دلیل کی وجہ سے یا رسول اللہ ﷺ سے انہوں نے کوئی ایسی بات سنی ہے جو مشہور نہیں اور نہ ہم تک پہنچی۔

بعض مجتہدین مصالح مرسلہ کو بھی حجت مانتے ہیں یعنی وہ اُمور جن کا شریعت میں بالذات اعتبار یا عدم اعتبار کا کچھ علم نہ ہو۔ ایسی صورت میں مجتہد جب کوئی ایسی بات پائے جو بندوں کے لیے مفید ہو تو اس کے مطابق وہ فتویٰ دے دے گا یہ سمجھ کر کہ احکام انسانی مفادات ہی کے لیے جاری ہوا کرتے ہیں۔

کچھ حضرات اسے ایسی چیز نہیں سمجھتے جو قابلِ استفادہ ہو۔ اس بنیاد پر ان کے اقوال مختلف ہو جاتے ہیں۔

اس طرح کچھ دوسرے اُمور بھی ہیں جنہیں کتب اُصول فقہ میں دلائل مختلفہ کے ضمن میں معلوم کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً:

سدّ ذرائع ...... استحسان ...... استصحاب ...... الاخذ بالاحوط...... الاخذ بالاخف ...... الاخذ بالاثقل ......عرف ...... عادت۔ وغیرہ۔

دلائل نصوص اور اس کے طریقوں سے متعلق اُمور نیز ان میں سے قابل حجت کون ہے اس پر بھی اختلاف ہے۔ ان وجوہ سے بہت سے فروع میں فقہی اختلافات پیدا ہو گئے۔

فقہی اختلافات کے یہ اہم اور نمایاں اسباب ہیں جنہیں اختصار کے ساتھ ہم نے بتلا دیا۔ اور بنیادی اُمور کی طرف اشارہ کر دیا۔ جسے مثالوں کے ساتھ سارے اسباب اختلاف جاننے کی خواہش ہو وہ ان قدیم وجدید کتابوں کا مطالعہ کرے جو اس موضوع پر لکھی گئی ہیں۔ [1]

---

[1] مثلاً نزهة الاولیاء : ۳۹۲۔ دائرہ معارف القرآن العشرین : ۱۴۱/۴۔

پانچویں فصل

اختلافِ ائمہ اور اس کے آداب

صحابہ و تابعین کی طرح ائمہ کے درمیان بھی بہت سے اجتہادی اُمور میں اختلافات ہوئے، یہ سبھی حضرات حق و ہدایت پر ہیں اور ایسا اسی وقت ہوتا ہے جب نفسانیت اور اختلاف و انشقاق پیدا کرنے کی خواہش اور شائبہ نہ ہو۔ ان کی ساری کوشش اور مقصود اصلی یہ ہوتا کہ کسی حق بات تک رسائی ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کر لی جائے۔ اسی لیے ہر ملک کے اہل علم اور ان اصحابِ فقہ و افتاء کے فتاویٰ قبول کر لیتے تھے جو اجتہادی مسائل میں اس کی مکمل صلاحیت اور اہلیت رکھتے تھے۔ جس کا اجتہاد صحیح ہوتا اسے درست قرار دیتے اور جس سے اجتہادی غلطی ہوتی اس کے لیے استغفار کرتے لیکن حسن ظن سب کے ساتھ ہوتا اور ہر مسلک کے قاضی کو مانتے۔ ضرورت کے وقت کسی ایک ہی قول پر اصرار یا کوئی حرج سمجھے بغیر یہ قاضی اپنے خاص مسلک کے علاوہ کبھی کبھی دوسرے فقہی مسلک پر عمل کر لیتے۔ ایک ہی سرچشمے سے سب سیراب ہوتے۔ دلائل میں اگرچہ اختلاف ہو جاتا۔ اپنی رائے یا انتخاب و اختیار کا یہ کہہ کر اکثر اظہار کر دیتے تھے: ھذا احوط۔ یا۔ احسن۔ یا۔ ھذا ما ینبغی۔ یا۔ نکرہ ھذا۔ یا۔ لا یعجبنی۔ کسی پر سختی و تنگی نہ کوئی الزام و اتہام اور نہ نص سے ماخوذ کسی مستند رائے سے کوئی ممانعت و انکار۔ بلکہ پوری پوری سہولت اور لوگوں کی آسانی کے لیے مکمل کشادہ دلی ہوا کرتی۔

بعض صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ان کے بعد بھی کچھ لوگ نماز میں بسم اللہ پڑھتے تھے کچھ نہیں پڑھتے تھے۔ کچھ زور سے پڑھتے تھے اور کچھ آہستہ۔ فجر میں کچھ لوگ قنوت پڑھتے تھے کچھ نہیں پڑھتے تھے۔ نکسیر پھوٹنے، قے آنے اور حجامت بنوانے سے بعض

کے یہاں وضو ضروری تھا بعض وضو نہیں کرتے تھے۔ عورت کو صرف چھونا کسی کے نزدیک ناقضِ وضو تھا، کسی کے یہاں نہیں تھا۔ اونٹ کا گوشت یا کوئی ایسی چیز جسے براہِ راست آگ نے چھوا ہو اس کے کھانے سے کسی کے یہاں وضو تھا اور کسی کے یہاں اس میں کوئی حرج نہ تھا۔

ان میں سے کوئی چیز ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے سے رکاوٹ نہ بن سکی۔ جیسے امام ابوحنیفہ، ان کے اصحاب، امام شافعی اور دوسرے ائمہ، مالکی وغیر مالکی ائمہ مدینہ کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے۔ اگرچہ وہ آہستہ یا زور سے بسم اللہ پڑھنے کا التزام نہیں کرتے تھے۔ رشید جس نے پچھنا لگوا رکھا تھا ایک روز امامت کی۔ امام ابو یوسف نے بھی اس کے پیچھے نماز پڑھی اور اس کا اعادہ نہیں کیا جب کہ ان کے نزدیک پچھنا لگوانا ناقضِ وضو ہے۔

امام احمد بن حنبل کے یہاں نکسیر پھوٹنے اور حجامت بنوانے سے وضو ضروری ہو جاتا ہے۔ ان سے ایک بار پوچھا گیا کہ امام کے بدن سے خون نکلا اور اس نے وضو نہیں کیا۔ کیا ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھی جاسکتی ہے؟ آپ نے جواب دیا: امام مالک اور سعید بن مسیّب کے پیچھے میں کیسے نہ نماز پڑھوں؟ [1]

امام شافعی نے ایک بار نمازِ فجر امام ابوحنیفہ کے مقبرہ کے پاس ادا کی اور دعائے قنوت نہ پڑھی جب کہ ان کے نزدیک قنوت سنت مؤکدہ ہے۔ جب اس سلسلے میں آپ سے پوچھا گیا تو جواب دیا ان کی بارگاہ میں ہوں کیسے ان کی مخالفت کرسکتا ہوں؟ اور یہ بھی فرمایا: کبھی ہم اہل عراق کا مسلک اختیار کر لیتے ہیں۔ [2]

ائمہ میں امام مالک اہل مدینہ کی روایت کردہ احادیث کے سلسلے میں سب سے زیادہ ثقہ اور صحیح الاسناد سمجھے جاتے تھے۔ سیّدنا عمر کے فیصلوں اور عبداللہ بن عمر و عائشہ صدیقہ وفقہاء سبعہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال کے سب سے بڑے عالم بھی تھے۔ آپ کے ذریعہ اور آپ ہی جیسے دوسرے ائمہ سے علم روایت وفتویٰ کی بنیاد مضبوط ہوئی۔ آپ نے حدیث وافتاء

---

[1] اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ امام مالک اور سعید بن مسیب کے نزدیک خون نکلنا ناقضِ وضو نہیں تھا۔

[2] حجة الله البالغه : ۳۳۵۔

کی بیش بہا خدمت کی اور مؤطا جیسی گراں قدر کتاب تالیف فرمائی جس میں اہل حجاز کی قوی احادیث اور مستند اقوالِ صحابہ وفتاویٰ تابعین جمع کر دیے اور اس کے بہترین فقہی ابواب قائم کیے۔ یہ مؤطا آپ کی چالیس سالہ جانفشانیوں کا ثمرہ ہے۔ اسلام میں حدیث وفقہ کی یہ سب سے پہلی کتاب ہے۔ ستر (۷۰) معاصر علماء حجاز نے بھی اس کی تائید وموافقت فرمائی۔ اس کے باوجود منصور نے جب اس کے چند نسخے کرا کے دوسرے شہروں اور ملکوں میں بھیجنے کا ارادہ کیا تا کہ لوگ اس فقہ پر عمل کریں اور پیدا شدہ اختلافات ختم ہو جائیں تو سب سے پہلے آپ نے اس خیال کی مخالفت فرمائی اور فرمایا: امیر المؤمنین! آپ ایسا نہ کریں۔ لوگوں تک بہت سی باتیں اور احادیث وروایات پہنچ چکی ہیں اور ہر جگہ کے لوگ ان میں سے کچھ کو اپنا چکے ہیں جس سے خود ہی اختلاف رونما ہو چکا اور اب اس اقدام سے مزید اختلافات پیدا ہو جائیں گے، اس لیے انہوں نے اپنے لیے جو اختیار کر لیا ہے اس پر انہیں آپ چھوڑ دیں ...... خلیفہ منصور نے یہ سن کر کہا: ابوعبداللہ! آپ کو اللہ اور توفیق بخشے۔ ❶

یہ امام کتنا جلیل القدر ہے جو بغیر رضا مندی کے اس کتاب پر دعوتِ عمل کا اقدام بھی نہیں کرنے دیتا جس میں اس نے اپنی سنی ہوئی سب سے اچھی احادیث اور اپنا محفوظ وقوی علم ودیعت کر دیا تھا جس پر اہل مدینہ اور بہت سے معاصر علماء کا بھی اتفاق تھا۔

امام مالک کے نام سیّدنا لیث بن سعد کا مکتوب:

غالبًا ادب اختلاف کی سب سے اچھی اور بہترین مثال وہ مکتوب ہے جسے فقیہ وعالم مصر امام لیث بن سعد نے امام مالک کے نام بھیجا۔ کمالِ ادب کے ساتھ اس میں آپ نے ان سب مسائل کا ذکر کیا ہے جس میں ان دونوں حضرات کا اختلاف تھا۔ یہ مکتوب کافی طویل ہے اس لیے اس کا صرف انتخاب یہاں پیش کیا جا رہا ہے یہ جس سے ہمیں معلوم ہو جائے کہ اس اُمت کے اسلاف اور علماء، فقہاء نے کن آدابِ اختلاف کے سائے میں پرورش پائی تھی۔

❶ مرجع سابق۔ اور الفکر السامی: ۱/ ۳۳۶۔

سیّدنا لیث بن سعد فرماتے ہیں:

''آپ پر سلامتی ہو اس خدا کی حمد وثناء جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ حمد وصلوٰۃ کے بعد دعاء ہے کہ اللہ ہمیں اور آپ کو اپنی عافیت میں رکھے اور دنیا و آخرت میں انجام بخیر فرمائے۔ آپ کا مکتوب ملا جس میں آپ نے صحت احوال و ظروف کا ذکر کیا ہے۔ اللہ آپ کو ہمیشہ اسی طرح رکھے اور اپنے فضل و احسان سے مزید حمایت ونصرت عطا فرمائے۔''

اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

''میرے کچھ ایسے فتاویٰ کا آپ کو علم ہوا ہے جس کے خلاف آپ کے یہاں لوگوں کا عمل ہے اور یہ کہ فتاویٰ میں اپنے اوپر اعتماد کرنے سے مجھے ڈرنا چاہیے سبھی لوگ اہل مدینہ کے تابع ہیں جہاں آنحضرت ﷺ کی ہجرت ہوئی اور جہاں نزولِ قرآن ہوا۔ آپ نے جو کچھ لکھا درست اور بجا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ میرے اوپر آپ کی تحریر کا وہی اثر ہوا جو آپ چاہتے ہیں۔ میں شاذ فتاویٰ کی ناپسندیدگی، گذشتہ علماء مدینہ کی افضلیت تسلیم کرنے اور ان کے متفقہ فتاویٰ قبول کرنے میں کسی عالم کو اپنے سے زیادہ نہیں پاتا جس پر اللہ رب العالمین کا شکر ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔''

پھر امام لیث بن سعد اپنے اور امام مالک کے درمیان عمل اہل مدینہ کی حجیت کے وجوہ اختلاف بیان کرتے ہیں اور اس کی وضاحت کرتے ہیں کہ:

''بہت سے اسلاف کرام جنہوں نے درس گاہ نبوت میں کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی تعلیم پائی وہ جہاد کرتے ہوئے زمین کے شرق وغرب میں پھیل گئے، تابعین اور ان کے بعد کے لوگوں میں بھی بہت سی چیزوں میں بھی اختلاف ہے۔ جیسے ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن۔ (ان کے بعض ماخذ کا ذکر کرنے کے بعد لکھا) بحمد للہ اس کے باوجود ربیعہ کے یہاں بڑی بھلائی، اصیل عقل، بلیغ زبان،

واضح فضیلت، اسلام کا اچھا راستہ، اپنے بھائیوں کے لیے عام طور پر اور ہمارے لیے خاص طور پر سچی محبت ہے۔ اللہ انہیں رحمت ومغفرت سے نوازے اور ان کے اعمال کی جزائے خیر دے۔"

اس کے بعد اپنے اور امام مالک کے درمیان کئی اختلافی مسائل کی مثالیں دیں، جیسے:

الجمع لیلة المطر۔ القضاء بشاهد ویمین۔ مؤخر الصداق لا یقبض الاعند الفراق۔ تقدیم الصلوٰة علی الخطبة فی الاستسقاء وغیرہ۔

آخر میں لکھتے ہیں:

"اس طرح کی بہت سی دوسری چیزوں کا میں نے ذکر نہیں کیا۔ اللہ آپ کو خیر و صلاح عطا فرمائے۔ زیادہ دنوں باقی رکھے کیوں کہ اسی میں لوگوں کی بھلائی ہے اور آپ کے چلے جانے سے مسلمانوں کا بڑا نقصان ہے۔ دُوری کے باوجود آپ کے مقام ومرتبہ سے آشنا ہوں۔ آپ کے سلسلے میں میری یہ رائے اور یہ قدر ومنزلت ہے۔ اپنے اور اہل وعیال کے حالات سے یا کوئی ضرورت ہوتو مجھے باخبر فرماتے رہیں۔ مجھے مسرت ہوگی۔

اللہ مجھے اور آپ کو اپنی عافیت میں رکھے۔ فالحمد للہ۔ اس سے دعا ہے کہ اس نے ہم سب کو جو نعمت دے رکھی ہے اس کا شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

والسلام علیکم و رحمة الله و بركاته ـ "[1]

دقیق علمی مباحث پر مشتمل ادب اختلاف کے نمونوں سے سیر وسوانح اور تاریخ ومناظرہ کی کتابیں بھری ہوئی ہیں لیکن رواجِ تقلید، پھر اہل علم کا باہمی تعصب وتنگ نظری اور اس کے بعد معیارِ تعلیم ومقصودِ علم کی تبدیلی نے ادب اختلاف کی شان دار روایت ختم کر دی۔ خاص طور سے ایسے مخلص علماء کے وجود مسعود سے میدان خالی ہونے لگے جن کے بارے میں امام غزالی فرماتے ہیں:

---

[1] پورا مکتوب ان کتابوں میں پڑھیں: اعلام الموقعین: ۳/۸۳۔ ۸۸۔ الفکر السامی: ۱/ ۳۷۰۔ ۳۷۶۔

''تابعی علماء جو باقی رہ گئے تھے وہ پہلی طرز اور طریقے پر قائم رہ کر دین کی طہارت و پاکیزگی کے ساتھ علماء سلف کی راہ پر گامزن تھے۔لوگ انہیں (عہدہ و منصب وغیرہ کے لیے) ڈھونڈتے تو وہ ساری چیزوں سے دُور رہ کر ان سے راہِ فرار اختیار کرتے۔''

خلفاء انہیں عہدہ قضا و امارت کے لیے ڈھونڈتے تھے۔لیکن اس مبارک جماعت کی جگہ دین کے ذریعہ دنیا کے طلب گار آ گئے اور اچھوں کی جگہ بُروں نے لے لی۔اس سلسلے میں بھی امام غزالی کہتے ہیں:

''اس زمانہ کے لوگوں نے دیکھا کہ کس طرح خلفاء و امراء علماء دین کی عزت و تکریم کررہے ہیں اور ان کے اعراض و بے توجہی کے باوجود ان کی نگاہ التفات کے کتنے منتظر ہیں تو وہ ان والیوں اور حکمرانوں کی طرف سے یہی عزت اور جاہ و حشمت پانے کی خاطر طلب علم پر ٹوٹ پڑے۔افتاء سیکھ کر ان کے سامنے اپنے آپ کو پیش کر کے ان سے صلے اور مناصب حکومت کے طالب بنے۔جن میں سے کچھ کامیاب بھی ہوئے لیکن حکمرانوں کے سامنے سرنگوں ہونے اور طلب کی ذلت سے وہ نہ بچ سکے۔پہلے یہی فقہاء مطلوب تھے اور اب طالب ہو گئے۔ سلاطین سے دُور رہ کر باعزت تھے اور اب خود تقرب حاصل کر کے ذلت برداشت کرنے لگے۔سوائے ان علماء دین کے جنہیں اللہ تعالیٰ ہر دور میں توفیق مرحمت فرماتا ہے۔'' [1]

امام غزالی نے علماء کی اس وقت کی تصویر کشی کی ہے جب دنیا طلبی ان کا مقصد اور دین حکمرانوں کے آستانوں کا ایک راستہ بن گیا۔اور ان کی توجہ و عنایت حاصل کرنے کے لیے علماء کا لبادہ اوڑھ کر لوگوں نے علم کی طلب و تحصیل شروع کر دی۔

امام مالک فرماتے ہیں:

---

[1] احیاء علوم الدین : ۱/ ۴۱۔ والباب الرابع فی سبب اقبال الخلق علی علم الخلاف۔

''یہ علم چار قسم کے لوگوں کو چھوڑ کر دوسرے اہل علم سے حاصل کرنا چاہیے: بیوقوف اور احمق ...... نفس پرست جو داعی بدعت ہو...... کذاب جو لوگوں کے معاملات میں جھوٹ بولتا ہو اگرچہ حدیث رسول میں وہ ایسا نہ ہو ...... اور ایسا شخص جو صالح و عابد اور صاحب فضل وہ لیکن اسے خبر نہ ہو کہ وہ کس چیز کا حامل ہے اور کیا باتیں کر رہا ہے۔'' ❶

اور آپ ہی نے یہ بھی فرمایا:

''یہ علم دین ہے اس لیے اس پر نگاہ رکھو جس سے دین حاصل کر رہے ہو۔ میں نے ستر (٧٠) علماء کو دیکھا جو مسجد نبوی کے ان ستونوں کے پاس بیٹھ کر قال رسول الله صلى الله عليه وسلم کہہ رہے ہیں مگر ان میں سے کسی سے میں نے کچھ نہیں لیا۔ ان میں سے کسی کو بھی بیت المال کا امین بنایا جاتا تو وہ اس کے امانت دار ہوتے لیکن اس عظیم الشان کام کے وہ اہل نہیں تھے۔ لیکن جب ابن شہاب آتے تو ان کے دروازے پر ہماری بھیڑ لگ جاتی۔'' ❷

ان صفات کے حامل علماء میں کوئی بڑا اختلاف نہیں ہوتا تھا۔ اور اگر ہوتا بھی تو صرف حق کے لیے ہوا کرتا ...... آدابِ اختلاف کی جن راہوں پر ہمارے علماء کرام چلے وہاں تک پہنچنے کے لیے وہی ہمارے لیے بہترین اسوہ اور ان کا بلند کردار ہمارے لیے لائق تقلید ہے...... ائمہ کرام اور سلف صالحین کے آدابِ اختلاف کے چند نمونے پیش خدمت ہیں:

امام ابوحنیفہ اور امام مالک:

مسالک ائمہ کا ہم نے جو جائزہ لیا ہے اور ہر ایک کے اُصول وضوابط میں جو فرق ہے اس میں امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے درمیان کافی اختلاف ہے اور دونوں میں عمر کا بھی تفاوت ہے۔ اس کے باوجود ایک دوسرے کے احترام میں کوئی چیز مانع نہ ہوسکی اور فقہ میں اختلاف مناہج ہوتے ہوئے بھی ادب کا پہلو غالب رہا۔

❶ الانتقاء: ١٦۔ ❷ الانتقاء: ١٦۔

قاضی عیاض المدارک میں فرماتے ہیں:

''امام لیث بن سعد نے کہا: ایک روز میں نے مدینہ طیبہ میں امام مالک سے ملاقات کی اور کہا میں دیکھ رہا ہوں آپ اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھ رہے ہیں۔ انہوں نے فرمایا: ابوحنیفہ سے گفتگو کر کے میں پسینہ پسینہ ہوگیا۔ اے مصری! وہ واقعۃً فقیہ ہیں۔''

امام لیث مصری نے کہا:

''اس کے بعد میں نے ابوحنیفہ سے ملاقات کر کے کہا: اس (مالک) شخص نے آپ کے بارے میں کتنی اچھی بات کہی۔ تو آپ نے فرمایا: صحیح جواب اور بھرپور تنقید میں ان سے تیز خاطر آدمی میں نے نہیں دیکھا۔'' [1]

امام محمد بن حسن اور امام مالک:

امام محمد بن حسن فقہ حنفی کے مدون اور امام ابوحنیفہ کے ممتاز تلمیذ ہیں۔ امام مالک کی خدمت میں پہنچ کر آپ تین سال تک رہے اور ان سے مؤطا کی سماعت کی۔ ایک روز امام محمد اور امام شافعی آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ امام محمد نے کہا: ہمارے استاد اور مربی (امام ابوحنیفہ) آپ کے استاد (امام مالک) سے بڑے عالم ہیں۔ انہیں (ابوحنیفہ) چپ نہیں ہونا چاہیے اور انہیں (مالک) نہیں بولنا چاہیے گویا وہ امام شافعی سے بھی اشارۃً یہی بات کہہ رہے تھے۔ امام شافعی نے کہا:

''میں آپ کو قسم دے کر پوچھ رہا ہوں کہ سنت رسول اللہ ﷺ کو زیادہ جاننے والا کون ہے، مالک یا ابوحنیفہ؟ امام محمد نے کہا: مالک! لیکن ابوحنیفہ فکر و قیاس میں ان سے بڑھے ہوئے ہیں۔ امام شافعی نے کہا: میں نے کہا ہاں صحیح ہے...... اور مالک کتاب اللہ کو ابوحنیفہ سے زیادہ جاننے والے ہیں۔ اس لیے جو کتاب و سنت کو زیادہ جانتا ہے اسے گفتگو کرتے رہنے کا زیادہ حق ہے۔ امام محمد بن حسن

[1] الانتقاء: ١٦۔

یہ سن کر خاموش ہو گئے۔'' ❶

امام شافعی اور امام محمد بن حسن:

امام شافعی کہتے ہیں:

''ایک روز میرا اور محمد بن حسن کا علمی مذاکرہ ہوا۔ بات بڑھتے بڑھتے اختلاف بھی پیدا ہو گیا۔ میں نے انہیں دیکھا کہ گویا ان کی رگیں بہہ پڑیں گی اور غصے میں بٹن ٹوٹ جائیں گے۔'' ❷

امام محمد کہتے ہیں:

''اگر کسی کا اختلاف ہم پر حاوی اور صحیح ثابت ہوتا تو وہ شافعی ہیں۔ ان سے پوچھا گیا کہ ایسا کیوں؟ تو انہوں نے کہا: ان کے حسن بیان کی وجہ سے اور اس لیے بھی کہ وہ غور سے سن کر پوری ثابت قدمی کے ساتھ سوال و جواب کرتے تھے۔'' ❸

علماء اُمت کے آداب اختلاف کے ان نمونوں سے یہ نتائج نکلتے ہیں کہ قرونِ خیر میں اخلاف بھی اَسلاف کے نقش قدم پر چلتے تھے اور ادب نبوی سے سیراب و سرشار رہا کرتے تھے۔ سلفِ صالحین کا صرف یہی ادب نہیں تھا کہ وہ طنز وتعریض سے اجتناب کرتے تھے بلکہ اس عہد کے علماء کا یہ عام طریقہ تھا کہ استقلال کے ساتھ تحصیل کرتے رہتے اور جن چیزوں کا علم نہیں رہتا اس میں زیادہ غور وخوض سے بچتے رہتے۔ فتویٰ دینے سے بھی گریز کرتے تاکہ کوئی غلط مسئلہ ان کی زبان سے نہ نکل جائے۔

مؤلف القوت کہتے ہیں:

''ہمیں عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کی روایت پہنچی۔ انہوں نے کہا کہ اس مسجد (مسجد نبویؐ) میں ایک سو بیس (۱۲۰) صحابہ کو میں نے پایا کہ ان سے کسی حدیث یا فتویٰ کے بارے میں پوچھا جاتا تو اس کی خواہش و کوشش ہوتی کہ کوئی دوسرا بھائی ہی

---

❶ الانتقاء: ۱٦۔ ❷ مرجع سابق۔

❸ الانتقاء: ۳۸۔

اسے بتا دے اور بالفاظِ دیگر...... کسی سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو وہ دوسرے کے پاس بھیجتا اور وہ کسی دوسرے کے پاس ...... اس طرح سائل گھومتے ہوئے پھر اس شخص کے یہاں پہنچتا جس سے پہلی مرتبہ اس نے سوال کیا تھا۔'' ❶

اس سلسلے میں انہیں احساسِ کمتری نہ تھا اور نہ ہی وہ دوسروں کے پاس بھیجنے میں کوئی سبکی محسوس کرتے۔ کوئی مسئلہ سامنے آتا تو توقف کرتے کہ کہیں کوئی غلطی نہ ہو جائے۔ اسی طرح کا ایک واقعہ ہے کہ ایک شخص نے سیّدنا مالک بن انس سے ایک مسئلہ پوچھا اور کہا کہ ان کی قوم نے آپ سے یہ مسئلہ پوچھنے کے لیے ایسی جگہ سے بھیجا ہے جس کی مسافت یہاں سے چھ ماہ کی ہے۔ آپ نے کہا: جس نے بھیجا ہے اس سے جا کر کہہ دینا کہ میں نہیں جانتا۔ اس شخص نے کہا: پھر اسے کون جانے گا؟ آپ نے فرمایا: اسے وہ جانے گا جسے اللہ نے اس کا علم دیا ہے۔ ملائکہ کہتے ہیں:

﴿لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا﴾ (البقرہ: ۳۲)

''ہم اتنا ہی جانتے ہیں جتنا تو نے ہمیں سکھایا۔''

امام مالک ہی سے یہ روایت بھی ہے کہ ان سے اڑتالیس (۴۸) مسئلے پوچھے گئے جن میں سے بتیس (۳۲) کے جواب میں آپ نے لا ادری (میں نہیں جانتا) کہا۔

خالد بن خداش سے روایت ہے، انہوں نے کہا: میں چالیس مسائل پوچھنے کے لیے عراق سے امام مالک کے پاس آیا اور ان سے پوچھا تو صرف پانچ کے جواب آپ نے دیے۔

ابن عجلان کہتے تھے! جب عالم لا ادری نہ کہنے کی غلطی کرے تو وہ ہلاکت کی جگہ پہنچ جاتا ہے۔

امام مالک سے روایت ہے۔ ان سے عبداللہ بن یزید بن ہرمز نے روایت کی کہ عالم کو چاہیے کہ اپنے ہم نشینوں کو لا ادری سکھائے تا کہ ان کے ہاتھ میں ایسی اصل اور ٹھکانہ ہو جہاں وہ پناہ لیں اور ان میں سے جب کسی سے کوئی بات پوچھی جائے جسے وہ نہیں جانتا تو لا ادری

❶ اتحاف السادۃ المتقین: ۱/ ۲۷۹۔ ۲۸۰۔

کہہ دے۔

ابوعمر بن عبدالبر (م ۴۶۳ھ) نے کہا: ابو درداء سے صحیح روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: لا ادری (میں نہیں جانتا) کہنا نصف علم ہے۔

امام مالک اور امام ابن عیینہ:

ابن عیینہ ❶ امام مالک کے ہم عصر اور ان کے ہمسر تھے۔ امام شافعی کہتے ہیں: مالک اور ابن عیینہ دونوں معاصر ہیں۔ اگر یہ دونوں نہ ہوتے تو علم حجاز سے رخصت ہو جاتا۔ ❷

اس کے باوجود روایت ہے کہ ابن عیینہ نے ایک بار ایک حدیث ذکر کی تو ان سے کہا گیا کہ اس حدیث میں امام مالک آپ سے اختلاف رکھتے ہیں۔ انہوں نے کہا: مالک سے مجھے ملا رہے ہیں؟ کہاں وہ اور کہاں میں؟ دونوں کا کیا مقابلہ؟

سفیان بن عیینہ سے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

> ”قریب ہے کہ لوگ طلب علم میں سفر کریں گے تو عالم مدینہ سے بڑا کوئی عالم نہ پائیں گے۔ سفیان سے پوچھا گیا وہ کون عالم ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: وہ مالک بن انس ہیں اور وہ کہتے تھے ان کے پاس صحیح احادیث ہی پہنچتیں۔ ثقہ راویوں سے وہ حدیثیں لیتے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ مدینہ میں ان کے بعد علمی ویرانی چھا جائے گی۔“ ❸

امام مالک اور امام شافعی:

امام شافعی کہتے ہیں: مالک بن انس میرے استاد ہیں۔ ان سے میں نے علم حاصل کیا۔

---

❶ ابو محمد سفیان بن ابی عیینہ بن ابی عمران میمون ہلالی...... محدث، فقیہ اور کوفی امام ہیں۔ کوفہ میں ولادت اور مکہ مکرمہ میں ۱۹۸ھ میں وفات ہوئی۔ ان کتابوں میں آپ کے حالات مرقوم ہیں: تاریخ بغداد: ۹/ ۱۷۴۔ الحلیہ: ۷/ ۲۷۰۔ طبقات ابن سعد: ۵/ ۴۹۷۔ الجرح والتعدیل: ۲/ ق ۱/ ۵۵۔ تہذیب التہذیب: ۴/ ۱۱۷۔

❷ الانتقاء: ۲۲۔ ❸ الانتقاء: ۳۶۔

علماء کا جب ذکر کیا جائے تو وہ ستارے ہیں۔ میرے نزدیک ان سے زیادہ کوئی قابل اطمینان نہیں۔

وہ یہ بھی کہتے ہیں: جب مالک کے پاس سے حدیث آئے تو اسے مضبوطی سے تھام لو۔ ان کو جب حدیث میں شک ہوتا تو اسے مکمل چھوڑ دیتے۔ ❶

امام احمد بن حنبل اور امام مالک:

ابو زرعہ دمشقی سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے احمد بن حنبل سے سنا: جب ان سے پوچھا گیا کہ سفیان اور مالک روایت میں اختلاف کریں تو آپ کے نزدیک کون لائق ترجیح ہے؟ تو انہوں نے کہا: میرے دل میں مالک کی عظمت زیادہ ہے۔ پھر میں نے پوچھا ...... مالک اور اوزاعی اگر اختلاف کریں؟ انہوں نے جواب دیا: مالک مجھے زیادہ محبوب ہیں۔ اگرچہ اوزاعی بھی امام ہیں۔ اس کے بعد ان سے سوال کیا گیا اور ابراہیم (نخعی)؟ یہ سوال اس بنیاد پر تھا کہ گویا وہ مالک کے ہمسر نہیں کیونکہ وہ ائمہ حدیث میں نہیں تھے۔ ابو زرعہ نے اس کا یہ جواب دیا کہ انہیں ان کے معاصرین کے ساتھ چھوڑ دو۔ پھر ان سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی شخص صرف ایک ہی شخص سے حفظ کرنا چاہے تو آپ کس محدث کی حدیث کی رائے دیں گے؟ انہوں نے کہا: میں مالک سے حفظ حدیث کی رائے دوں گا۔ ❷

امام ابو حنیفہ کے بارے میں بعض علماء کی رائیں:

سیّدنا شعبہ بن حجاج علم حدیث میں امیر المؤمنین تھے۔ ❸ اور اہل فکر کے نزدیک امام ابو حنیفہ کا مقام ہم بتلا چکے ہیں۔ اس اختلافِ منہج کے باوجود سیّدنا شعبہ امام ابو حنیفہ کی بہت عزت وتکریم کرتے تھے اور ان کے مقام و مرتبہ کے مداح تھے۔ دونوں حضرات میں محبت و

---

❶ انتقاء: ۲۳۔ ❷ الانتقاء: ۳۰۔

❸ امیر المؤمنین فی الحدیث ابو بسطام شعبہ بن حجاج بن ورد (متوفی ۱۶۰ھ) آپ کے حالات ان کتابوں میں مذکور ہیں: تاریخ بغداد: ۲۵۵/۹۔ تہذیب التہذیب: ۳۳۸/٤۔ التذکرہ: ۱۹۳۔ التاریخ الکبیر از بخاری: ۲ق ۲٤٤/۲۔ التاریخ الصغیر از بخاری: ۱۳۵/۲۔ طبقات ابن سعد: ۲۸۰/۷۔

مودت تھی اور مراسلت بھی۔ وہ امام ابو حنیفہ کی تائید وتوثیق کرتے اور ان سے حدیث بیان کرنے کی درخواست کیا کرتے تھے۔ اور آپ کو جب امام ابو حنیفہ کے انتقال کی خبر پہنچی تو فرمایا: آپ کے ساتھ ہی فقہ کوفہ بھی رخصت ہوگئی۔ انہیں اور ہمیں اللہ تعالیٰ اپنی رحمتوں سے نوازے۔ ❶

ایک شخص نے سیّدنا یحییٰ بن سعید قطان سے امام ابو حنیفہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: بخدا! ان کی اچھی بات ہم لے لیتے ہیں۔

اس طرح اختلاف آراء کے باوجود ایک دوسرے کی اچھی باتیں قبول کر لیتے ان کی فضیلت کا ذکر کرتے اور ان کی اچھی باتوں کا انہیں کی طرح انتساب کرتے۔

امام ابو حنیفہ کی تعریف میں سیّدنا عبداللہ بن مبارک کی بہت سی روایتیں ہیں۔ وہ آپ کی ہر خیر اور خوبی کا ذکر کرتے، تعریفیں کرتے، ان کی باتیں قبول کرتے، اور اپنی مسجد میں آپ کے خلاف کوئی بات نہ کرنے دیتے ...... ایک روز ایک شریک محفل شخص نے آپ کی طرف کچھ اشارہ کرنا چاہا تو انہوں نے فرمایا: خاموش رہو! اگر تم ابو حنیفہ کو دیکھو تو عقل ونجابت کو دیکھو گے۔

امام شافعی سے منقول ہے، انہوں نے فرمایا: مالک سے ایک روز عثمان بتی کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ وہ ایک معتدل آدمی تھے۔ پھر ابن ابی شبرمہ کے بارے میں پوچھا گیا تو کہا کہ معتدل شخص تھے۔ اس کے بعد پوچھا گیا کہ ابو حنیفہ؟ تو فرمایا کہ اگر وہ (مسجد کے) ان ستونوں کے بارے میں تم سے قیاس کی باتیں کرتے ہوئے کہیں کہ یہ لکڑی ہے تو تم سمجھو گے کہ لکڑی ہی ہے۔ ❷ اس سے فکر وقیاس میں آپ کی مہارت کی طرف اشارہ ہے ...... امام شافعی سے مروی یہ مقولہ تو بہت مشہور ہے ...... فقہ میں لوگ ابو حنیفہ کے محتاج ہیں۔ ❸

ان حضرات کی مجالس میں اچھی ہی باتیں ہوا کرتی تھیں اور اگر کوئی شخص اس اُمت کے

❶ الانتقاء: ١٢٦۔ ❷ الانتقاء: ١٤٧۔

❸ الانتقاء: ١٣٦۔

ائمہ کی شان میں حد ادب سے تجاوز کرنا چاہتا تو اسے صحیح راہ پر لگا دیا جاتا اور کسی ناپسندیدہ تنقیدی بات سے اسے روک دیا جاتا...... فضل بن موسیٰ سینانی ❶ سے پوچھا گیا کہ ان لوگوں کے بارے میں کیا خیال ہے جو ابوحنیفہ کے بارے میں نامناسب باتیں کرتے رہتے ہیں۔ تو فرمایا کہ ابوحنیفہ نے وہ علم جسے وہ لوگ جانتے سمجھتے تھے اور جس سے ناواقف و ناآشنا تھے وہ سب پیش کر دیا اور ان کے لیے کچھ نہیں چھوڑا اس لیے لوگ ان سے حسد کرنے لگے۔ ❷

یہ اقوال ان ائمہ حدیث کے ہیں جو مسلک امام ابوحنیفہ کی بہت سی باتوں کے خلاف ہیں، پھر بھی ان حضرات نے آپ کی تعریف و توصیف کی اور آپ کے اندر پائی جانے والی خوبیوں کا ذکر کرتے رہتے۔ کیوں کہ انہیں یہ یقین تھا کہ ان اختلافات کا سبب نفسانیت ہے اور نہ تقویٰ نہ برتری کی خواہش۔ بلکہ سبھی کا مقصود حق کی تلاش و جستجو ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب ائمہ کرام پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔

یہ ادب جمیل اور اخلاق فاصلہ نہ ہوتے تو بہت سے علماء سلف کا فقہ منتشر اور ناپید ہوتا ایک دوسرے کا دفاع وہ اسی لیے کرتے تھے کہ اس اُمت کے فقہ کی حفاظت کا یہی طریقہ ہے اور اسی فقہ کے سائے میں اس کی زندگی کو صحیح ہدایت و استقامت ملتی رہے گی۔

امام شافعی کے بارے میں بعض علماء کی رائیں:

امام ابن عیینہ اپنی جلالت شان کے باوجود تفسیر و فتویٰ کے سلسلے میں امام شافعی کی طرف رجوع کرتے اور آپ کے بارے میں اکثر کہا کرتے: یہ اپنے وقت کا سب سے بہتر نوجوان ہے اور آپ کی وفات کی خبر پا کر کہا: اگر محمد بن ادریس کا انتقال ہو گیا ہے تو اپنے زمانے کا سب سے بہتر شخص اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔

---

❶ فضل بن موسیٰ سینانی (خراسان) م ۱۹۱ھ ثقہ علماء میں سے تھے۔ ان کتابوں میں آپ کے حالات ملتے ہیں: المیزان: ۳/ ۳۶۰۔ الترجمہ: ۶۷۵۴۔ التقریب: ۲/ ۱۱۱۔ مطبوعہ مدینہ منورہ۔ تہذیب التہذیب: ۸/ ۲۸۶۔

❷ الانتقاء

یحییٰ بن سعید قطان کہتے: میں اپنی نماز میں بھی شافعی کے لیے دعا کیا کرتا ہوں۔ عبداللہ بن حکم اور ان کے لڑکے مسلک امام مالک کے پیرو تھے لیکن انہوں نے اپنے لڑکے محمد کو وصیت کی کہ امام شافعی کی خدمت میں لگے رہیں۔ انہوں نے فرمایا: اس شیخ (امام شافعی) کے ساتھ لگے رہو۔ ان سے بڑا عالم اصول (یا اُصولِ فقہ) میں نہیں دیکھا...... اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے باپ کی نصیحت پر عمل بھی کیا۔ انہوں نے خود کہا: اگر امام شافعی نہ ہوتے تو میں بھی نہیں جانتا کہ کیسے کسی کا جواب دیا جائے۔ سب کچھ میں نے انہیں سے سیکھا اور جانا۔ انہوں نے ہی مجھے قیاس سکھایا۔ اللہ ان پر رحم فرمائے۔ وہ صاحب حدیث وسنت تھے۔ فضل و خیر کے جامع تھے ان کی زبان فصیح اور عقل محکم اور ہمہ گیر تھی۔ ❶

امام احمد بن حنبل اور امام شافعی:

عبداللہ بن امام احمد نے ایک روز کہا: والد محترم! شافعی کون شخص ہیں؟ میں دیکھتا ہوں کہ آپ ان کے لیے بہت دُعائیں کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا: بیٹے! شافعی پر اللہ کی رحمتیں ہوں وہ اس دنیا کے لیے آفتاب اور انسانوں کے لیے باعث خیر و برکت تھے کیا ان دونوں چیزوں کا کوئی عوض اور وارث ہوسکتا ہے؟

اور ایک روز صالح بن امام احمد نے کہا: یحییٰ بن معین نے اپنی ایک ملاقات میں مجھ سے کہا کیا آپ کے والد شرماتے نہیں، وہ کیا کررہے ہیں؟ میں نے کہا: کیا بات ہے؟ تب انہوں نے کہا: میں نے انہیں شافعی کے ساتھ دیکھا کہ وہ سوار ہیں اور یہ ان کی سواری کی لگام پکڑے ہوئے پیدل چل رہے ہیں۔ یہ بات سن کر میں نے والد صاحب سے پوچھی تو انہوں نے فرمایا: ان سے جب ملاقات ہوتو کہنا میرے باپ کہہ رہے تھے اگر فقہ حاصل کرنا چاہتے ہوتو آؤ اور دوسری طرف سے ان کی رکاب تھام لو۔ ❷

ابوحمید بن احمد بصری نے کہا: میں احمد بن حنبل سے ایک مسئلہ پر مذاکرہ کررہا تھا۔ ایک

❶ الانتقاء : ۷۳۔

❷ الانتقاء : ۷۳۔

شخص نے آپ سے کہا: اے ابوعبداللہ! اس میں حدیث صحیح نہیں۔ آپ نے فرمایا: اگرچہ اس میں حدیث صحیح نہیں مگر امام شافعی اس مسئلے میں یہی کہتے ہیں اور اس میں آپ کی حجت سب سے قوی ہے۔ احمد نے کہا: میں نے شافعی سے پوچھا کہ فلاں فلاں مسئلہ میں آپ کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے ان کے جوابات دیے۔ میں نے کہا: اس کا ماخذ کیا ہے؟ کوئی آیت یا حدیث ہے؟ کہا: ہاں، پھر ایک حدیث دکھائی۔ ❶

امام احمد کہتے تھے جب مجھ سے کوئی ایسا مسئلہ پوچھا جاتا جس میں کسی حدیث کا مجھے علم نہ ہوتا تو کہہ دیتا شافعی یہ کہتے ہیں...... کیونکہ وہ قریش کے امام عالم ہیں۔ ❷

داؤد بن علی اصبہانی کہتے ہیں میں نے اسحاق بن راہویہ کو یہ کہتے سنا: مجھ سے مکہ مکرمہ میں احمد بن حنبل ملے اور کہا: آیئے میں آپ کو ایک ایسا آدمی دکھاؤں کہ آپ کی آنکھوں نے ویسا آدمی نہ دیکھا ہوگا۔ اس کے بعد انہوں نے امام شافعی کو دکھایا۔

امام شافعی کے بارے میں امام احمد بن حنبل کی یہ رائے تھی اور اگر شاگرد اپنے استاد کا گرویدہ اس کے فضل و کمال کا معترف و مداح ہو تو کوئی جائے تعجب نہیں لیکن اس نسبت تلمذ کے باوجود خود امام شافعی امام احمد کی فضیلت اور علم سنت کا اعتراف کرتے تھے۔ اور ان کو مخاطب کرتے ہوئے ایک بار فرمایا: تم لوگ حدیث و رجال کے مجھ سے بڑے عالم ہو۔ حدیث جب صحیح ہو تو مجھے بتاؤ خواہ وہ کوفی ہو، بصری ہو، شامی ہو، اگر صحیح ہوگی تو میں اسے اختیار کرلوں گا۔ ❸

امام شافعی جب امام احمد سے روایت بیان کرتے تو تعظیماً ان کا نام نہ لیتے بلکہ کہتے حدثنا الثقة من اصحابنا ، او انبأالثقة او اخبرنا الثقة . ❹

---

❶ آداب الشافعی و مناقبه: ٨٦-٨٧-

❷ حاشیه آداب الشافعی و مناقبه: ٨٦-

❸ الانتقاء: ٧٥-

❹ مناقب الامام احمد ابن الجوزی : ١١٦-

اس سرسری جائزہ اور طائرانہ نظر ❶ ہی سے واضح ہو جاتا ہے کہ اسلاف کس ادب عالی اور اخلاق فاضلہ کے حامل تھے جن پر اختلاف اجتہاد کا کوئی مضر اثر نہیں ہوا کرتا تھا۔ یہ گراں قدر آداب ان شخصیتوں کے ہیں جنہوں نے درس گاہ محمدی سے منسلک ہو کر تکمیل علوم کی اس لیے نفسانیت ان پر کہیں غلبہ نہ پا سکی۔ ان ائمہ کرام کے بلند کردار، لطیف علمی مباحثے جن پر ادب رفیع اور اسلامی اخلاق سایہ فگن رہا۔ ان کے بے شمار نمونوں سے طبقات وتراجم، فضائل و مناقب اور تاریخ کی کتابیں بھری ہوئی ہیں۔

آج جب کہ ہمارے تمام مسائل و معاملات اختلاف و انتشار کا شکار ہیں۔ ایسے نازک دور میں ہمیں سکون قلب کے لیے اسی شجر سایہ دار کا سہارا لینا چاہیے اور انہیں مبارک آداب و اخلاق سے اپنے آپ کو آراستہ کر لینا چاہیے جنہیں اسلاف کرام ہمارے لیے چھوڑ گئے۔ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لیے سنجیدہ کوشش کا صرف یہی ایک ذریعہ ہے۔

ہمیں اس سے انکار نہیں کہ بعض ایسے مواقع بھی آئے جب ان آداب کا پورا پورا لحاظ نہیں رکھا گیا یا مذکورہ جہتوں کے نشان نظر نہیں آتے لیکن یہ ایسے متاخرین کے طرزِ عمل سے متعلق ہے جن میں تقلید وتعصب کی روح سرایت کر گئی تھی اور وہ اختلاف فقہاء کے اندر چھپی ہوئی علمی روح کی حقیقت اور ان آداب کو صحیح طور پر نہ سمجھ سکے جو صرف تلاشِ حق کی سچی نیت کے نتائج تھے۔ اور جن کا مقصود محض یہ تھا کہ شارع حکیم کے اصل ہدف تک ان کی رسائی ہو سکے۔ غالباً یہ وہ لوگ تھے جن کے بارے میں امام غزالی نے فرمایا ہے: فقہاء جو مطلوب تھے اب طالب بن گئے۔ سلاطین و امراء سے دُور رہ کر باعزت تھے اور ان کی رضا جوئی میں ذلیل ہونے لگے۔

مطلوب شخص خود مالک ہوتا ہے وہ حق بات کی ہی طلب کرتا ہے اور طالب ضمیر فروش ہوتا ہے اُس کے خریدار کو جو بات اچھی لگے وہی اس کے زبان سے نکلتی ہے۔ ایسے طالبوں نے

❶ اللہ نے موقع دیا اور فرصت میسر آئی تو اس موضوع پر ائمہ اسلام کے روشن نقوش اور ان کی میراث کی ممکن حد تک جمع وترتیب کی خدمت انجام دوں گا۔ (مؤلف)

اختلاف جو فقہ اسلامی پر اثر انداز ہو کر اس دین کی فطرت و واقعیت اور فلاحِ انسانی کی رعایت ثابت کیا کرتا تھا وہی اختلاف ایک درد ناک آزار ...... اور مسلمانوں میں تفریق وانتشار کا ایک خطرناک سبب بن گیا۔ بلکہ ایک عذاب جس نے اُمت مسلمہ کو بے فائدہ اور بے مقصد کاموں میں اُلجھا کر اس کی قوت وشوکت کے پرخچے اُڑا دیے۔

گذشتہ صفحات میں جس اختلاف کے بعض گوشوں کا ہم نے جائزہ لیا اور جن شخصیتوں میں پائے جانے والے آداب کی طرف ہم نے اشارہ کیا ان کے بارے میں مصنفین کی بہت سی نئی اور پرانی کتابیں موجود ہیں ...... لیکن وہ ''خلاف'' جو قرونِ خیر کے بعد سامنے آیا وہ دوسرے قسم کا ہے اور اس کے اسباب و وجوہ بھی مختلف ہیں۔

چھٹی فصل

قرونِ خیر کے بعد خلاف، اور اس کے آداب

چوتھی صدی ہجری میں آفتابِ اجتہاد غروب ہوا اور تقلید عام ہوگئی۔ مخصوص مجتہد کے مسلک کے مطابق کلام وفتویٰ اور نقل و روایت کا رواج پہلی اور دوسری صدی ہجری میں بالکل نہیں تھا۔ ❶ تیسری صدی ہجری میں بھی اجتہاد جاری تھا۔ بعض علماء نے گزشتہ علماء کے قواعد و اُصول کی روشنی میں استخراج مسائل کیا لیکن اس میں بھی تقلید نہ تھی۔

چوتھی صدی میں علماء سے عوام حدیث رسول (ﷺ) کی روشنی میں وہ مسائل سیکھتے رہے جن میں جمہور مجتہدین کا اتفاق تھا۔ جیسے مسائل طہارت، نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ اور انہیں جو بتایا جاتا اس پر عمل کرتے۔ پیچیدہ اور مشکل مسائل بھی علماء سے بلا لحاظِ مسلک پوچھ لیا کرتے تھے۔

اہل علم اور خواص حدیث سے شغف رکھتے تھے۔ ایسی احادیث رسول (ﷺ) اور آثارِ صحابہ سیکھتے جن کے ساتھ کچھ اور پوچھنے کی ضرورت نہ پڑے۔ اگر نقل میں تعارض اور ترجیح غیر واضح ہونے سے کسی کا دل مطمئن نہ ہوتا تو وہ ائمہ اسلاف کا کلام دیکھتا اور دو اقوال اس کے سامنے ہوتے تو مضبوط اور ثقہ قول اختیار کر لیتا۔ اہل مدینہ یا اہل کوفہ جس کا بھی ہو۔

جن علماء میں تخریج مسائل کی صلاحیت ہوتی وہ ایسے مسائل جن کی تصریح نہ ہوتی ان میں مسالک ائمہ کی روشنی میں استنباط کرتے جس مسلک کے مطابق مسئلہ ہوتا اس کی طرف اس کا انتساب ہو جاتا اور دورِ اخیر کی طرح کسی ایک مسلک کا التزام نہ ہوتا۔ نسبتِ مسلک کا اظہار کرتے ہوئے کہا جاتا فلاں شافعی ہے اور فلاں حنفی۔ محدثین بھی کثرت مطابقت کی وجہ سے

❶ قوت القلوب از ابو طالب مکی بحوالہ حجۃ اللہ البالغہ: ۳۲۱۔

مسالکِ مشہورہ کی طرف منسوب ہوتے۔ مثلاً نسائی یا بیہقی یا خطابی شافعی تھے۔ اس دور میں قاضی مجتہد ہوا کرتے تھے اور فقیہ بھی وہی کہلاتے تھے جو مجتہد ہوں۔

چوتھی صدی ہجری کے بعد کی حالت:

چوتھی صدی ہجری کے بدلے ہوئے حالات کا ذکر کرتے ہوئے حجۃ الاسلام غزالی (م۵۰۵ھ) فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے بعد خلفاءِ راشدین خلافت کے وارث ہوئے جو درپیش مسائل میں خود فتویٰ دیا کرتے تھے اور احکام و معاملات میں تفقہ کے حامل خدا شناس ائمہ کرام تھے۔ دوسرے فقہاء سے صرف انہیں معاملات میں مدد لیتے جہاں مشورہ ضروری ہوتا۔ اس لیے علماء دین خالص علم آخرت میں لگ گئے۔ دنیاوی اُمور و معاملات اور فتاویٰ ایک دوسرے پر ٹالنے لگے اور اللہ کی یاد میں محو ہو گئے۔ جیسا کہ ان کے حالات میں یہ چیزیں منقول ہیں۔

ان خلفاء کے بعد جب خلافت غیر مستحق لوگوں تک پہنچی جو خود فتاویٰ و احکام کے علم سے گہرا ربط نہیں رکھتے تھے۔ انہیں فقہاء کی مدد لینی پڑی اور ان کی رفاقت حاصل کرنی پڑی تاکہ اُمورِ مملکت میں احکام جاری کرنے کے لیے ان سے استفسار کرتے رہیں۔

تابعی علماء جو باقی رہ گئے تھے وہ پہلے طرز اور طریقے پر قائم رہ کر دین کی طہارت و پاکیزگی کے ساتھ علماء سلف کی راہ پر گامزن تھے۔ لوگ انہیں (عہدہ و منصب وغیرہ پیش کرنے کے لیے) ڈھونڈتے تو وہ ان چیزوں سے دُور رہ کر راہِ فرار اختیار کرتے۔ اس لیے خلفاء انہیں عہدہ قضاء و امارت کے لیے ڈھونڈنے پر مجبور تھے۔

اس دور کے لوگوں نے دیکھا کہ کس طرح خلفاء و امراء علماء دین کی عزت و تکریم کر رہے ہیں اور ان کی اعراض دبے توجہی کے باوجود ان کی نگاہِ التفات کے وہ کتنے منتظر ہیں تو ان حکمرانوں کی طرف سے یہی عزت اور جاہ و حشمت حاصل کرنے کی خاطر طلب علم پر ٹوٹ پڑے اور افتاء سیکھ کر ان کے سامنے اپنے آپ کو پیش کر کے ان کے صلے اور مناصب حکومت کے طالب بنے۔ جن میں سے کچھ محروم رہے اور کچھ کامیاب بھی ہوئے۔ لیکن پھر بھی

حکمرانوں کے سامنے سرنگوں ہو کر ذلت طلب سے وہ نہ بچ سکے۔ پہلے یہی فقہاء مطلوب تھے اور اب طالب ہو گئے۔ سلاطین سے دُور رہ کر باعزت تھے اور اب خود تقرب حاصل کر کے ذلت برداشت کرنے لگے۔ سوائے ان علمائے کرام کے جنہیں اللہ تعالیٰ ہر دور میں توفیق خیر مرحمت فرماتا ہے۔ اس زمانے میں علمِ فتویٰ پر سب سے زیادہ توجہ دی جاتی تھی۔ کیونکہ اسلامی بلاد و امصار میں اس کی شدید ضرورت تھی۔

اس کے بعد ایسے اُمراء و رؤسا پیدا ہوئے جو اُصولی عقائد کے مباحثوں اور علم کلام ❶ کے مناظروں سے دلچسپی لینے لگے۔ اس لیے اہل علم بھی علم کلام ہی میں مصروف رہنے لگے۔ کتابیں تصنیف کی جانے لگیں۔ مناظروں اور مباحثوں کے فنون اور طریقے مرتب ہونے لگے تاکہ اسلام و سنت کا دفاع اور بدعات کا استیصال کیا جا سکے۔ اس سے پہلے بھی فتاویٰ سے دلچسپی اسی غرض سے وابستہ تھی تاکہ مسلمان احکام و مسائل کے پابند رہیں اور اس طرح ان کے ساتھ نیکی اور بھلائی ہوتی رہے۔

پھر ایک وقت ایسا آیا کہ معمولی صلاحیت کے لوگ بھی کلامی مسائل میں غور و خوض کرنے لگے اور مناظرہ کا دروازہ کھل گیا جس سے تعصب و تشدد پیدا ہوا اور خوں ریز و تباہ کن جنگ و جدال کے مناظر سامنے آئے۔ یہ دیکھ کر لوگ فقہی مناظروں کی طرف مائل ہوئے اور مسلک امام ابو حنیفہ اور امام شافعی میں بیانِ اولیٰ پر زیادہ توجہ رہی۔ کلام اور دوسرے مسائل چھوڑ کر لوگ خصوصیت کے ساتھ احناف و شوافع کے اختلافی مسائل پر ٹوٹ پڑے۔ جب کہ مالک، سفیان اور احمد وغیرہم کے اختلافی مسائل میں کوئی سرگرمی نہ دکھائی۔ ❷ اللہ تعالیٰ ان سب پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ سب کا مقصد یہی ہوتا کہ اس کے ذریعہ دقائقِ شریعت کا استنباط،

---

❶ علم کلام...... علم عقیدہ و توحید ہے اسے علم کلام اس لیے کہتے ہیں کہ ایسے جدلی مباحث ہوتے ہیں جن میں علماء مسائل عقیدہ پر بحث کر کے مخالفین کے شبہات کا ازالہ کرتے ہیں۔

❷ امام غزالی کا خیال ہے کہ مقلد مجتہد پانچ ہیں جن میں سفیان ثوری پانچویں ہیں۔ احیاء علوم الدین : ۱/ ۴۱۔ الباب الرابع فی سبب اقبال الخلق علی علم الخلاف۔

عللِ مسلک کی تعیین اور اُصول فتاویٰ کی تمہید تیار ہو جائے گی۔ استنباط اور ترتیب و تدوین کا اس دور میں بہت زیادہ کام ہوا۔ طرح طرح کے مباحثے اور مناقشے مرتب شکل میں سامنے آئے جن کا سلسلہ تا ہنوز جاری ہے اور خدا جانے اس کے بعد کیا ہو گا۔ خلافیات و مناظرات کی کثرت کے یہی اسباب ہیں۔ اہل دنیا اگر کسی دوسرے امام اور دوسرے علم کی طرف مائل ہوتے تو یہ بھی ان کا ساتھ دیتے۔ مگر یہ سبب وہ ضرور بتلاتے کہ وہ جو کام کر رہے ہیں اس کا تعلق علم دین سے ہے اور ان کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی و رضا مندی ہے۔

مندرجہ بالا تحریر میں ان خیالات و افکار کی جھلک نظر آتی ہے:

۱۔ امام غزالی نے اس اُمت کی دُکھتی رَگ پر ہاتھ رکھ دیا ہے جو ائمہ راشدین کے بعد فکری اور سیاسی قیادتوں میں اختلاف کی صورت میں رونما ہوا اور جس نے ہماری تاریخ کو ایسا داغ لگایا جس سے آج تک ہمیں نجات نہ مل سکی اور یہ مشق و ممارست ان اُمراء اور سیاست دانوں کے طفیل میں ظہور پذیر ہوئی جنہیں اسلامی اور شرعی سیاست سے ناواقفیت تھی ...... ہم دیکھتے ہیں کہ ایسے نظری اور فرضی فقہی مسائل بھی عالم وجود میں آ گئے جن کا انسانی معاملات سے قریبی تعلق نہیں اور نہ ان کا اس طرح کوئی عملی حل ہے۔ جیسا عہد صحابہ و تابعین میں ہوا کرتا تھا۔ بہت سے اُصولی و فقہی مسائل ایسے ملیں گے جو مفروضات کی بنیادوں پر قائم ہیں۔ جنہیں مناظروں، مجادلوں اور خلافیات نے جنم دیا ہے۔

۲۔ فقہ جو ضوابطِ شریعت سے انسانی زندگی اور اس کے معاملات کو منسلک کرنے کا مؤثر ذریعہ ہے اسے ان بے اعتدالیوں نے بعض غیر واقعی چیزوں کے جواز کا وسیلہ بھی بنا لیا۔ جس سے مسلمانوں کی تشریعی زندگی میں اضطراب اور بے چینی پھیل گئی اور ایسا بھی ہونے لگا کہ ایک شخص کا کوئی عمل ایک ہی جگہ اور ایک ہی وقت میں کسی کے یہاں حلال ہے اور کسی کے یہاں حرام۔ نیتوں اور حیثیتوں کے استثنائی فرق کے باوجود یہ چیز عوام کے لیے باعث انتشار ہے۔ یہ صورت ''مخارج و حیل'' کے نام سے فقہ کا ایک معروف

باب بن گئی۔ ❶

جس میں مہارت کو دوسروں پر تفوق و برتری اور فقہ میں اس کی وسعت نظر کی دلیل سمجھا جانے لگا۔ وقت جتنا گذرتا گیا اور دین کی گرفت کمزور پڑتی گئی یہ معاملہ بڑھتا گیا اور اُمور شریعت میں تساہل بھی بڑھتا رہا یہاں تک کہ بعض ایسے مفتی بلا دلیل فتویٰ دینے لگے جس کی صحت کا ان کو بھی یقین نہ ہوتا لیکن وہ یہ سمجھتے کہ اسی میں لوگوں کے لیے نرمی اور تخفیف ہے یا ایسی شدت ہے جس کی وجہ سے حدود سے تجاوز نہیں ہو سکتا۔ گویا بعض کے لیے وہ ایسی رخصت دے دیتے جو عامۂ خلق کے لیے نہیں ہوتی۔ ❷

---

❶ مخارج وحیل فقہ حنفی کے اُصول میں بھی داخل ہے۔ امام محمد بن حسن نے اسی موضوع پر ''المخارج والحیل'' کے نام سے ایک کتاب بھی تصنیف فرمائی ہے۔ لیکن بعد کے ادوار میں اس شکل نے ضرورت سے زیادہ وسعت اختیار کر لی۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: باب الحیل ، اعلام الموقعین اور الحیل فی الشریعۃ الاسلامیہ از محمد بحیری (مقالہ ڈاکٹریٹ)

فقہ کی تقریباً ساری کتابوں میں اس باب یا اس کی کچھ صورتوں کا ذکر مسائل نکاح وطلاق ومعاملات وغیرہ میں ملتا ہے۔ اعلام الموقعین از شیخ ابن تیمیہ میں ایک مستقل باب ہے اور جزء سوم وچہارم میں بھی اس کا کچھ ذکر موجود ہے۔ جس میں حیلوں کی حقیقت، اس کی قسمیں، ہر ایک کا حکم اور پھر بہت ساری مثالیں دی گئی ہیں جن میں سے چند یہ ہیں؟: کوئی قاتل اپنے اوپر سے قصاص ساقط کرنا چاہے اور اس کے لیے یہ صورت اختیار کرے کہ جسے قتل کرنا ہو اس کے جسم میں زخم لگا کر کوئی زہر آلود دوا اس میں ڈال دے یا اور کسی طرح سے اس کو زہریلا زخم لگا دے تو اربابِ حیل کہتے ہیں کہ اس پر قصاص واجب نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ اسے قاتل نہیں مانا جائے گا...... کوئی شخص اپنے مرضِ موت میں بیوی کو محرومِ وراثت رکھنا چاہے اور اسی عالم میں اگر اسے طلاق دے دے گا تو قاضی اسے حصہ وراثت دلائے گا کیونکہ مرض موت کی طلاق معتبر نہیں۔ لیکن اربابِ حیل کہتے ہیں کہ بجائے طلاق دینے کے اپنے دل میں یہ سمجھ لے کہ بیوی کو تین طلاق دی تھی...... اسی طرح بعض مال دار زکوٰۃ نہ دینے کے لیے اپنا مال وقتی طور پر کسی کو دے دیتے ہیں یا سال پورا ہونے سے پہلے اسے بیچ دیتے ہیں یا اپنی زکوٰۃ کسی تھیلی یا برتن میں رکھ کر اسے فقیر ومحتاج کو دیتے ہیں گویا انہیں زکوٰۃ ادا کر دی اور پھر اسے واپس لے لیتے ہیں۔ یہ بھی صورتیں غلط اور باطل ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو علیم وخبیر ہے اور وہ دل وگناہ سے سارے پوشیدہ رازوں کو اچھی طرح جانتا ہے۔

❷ مناهج الاجتهاد فی الاسلام از سلام مدکور ر ۴۵۰۔۴۵۱۔ أصول الاحکام از حمد کبیسی : ۳۹۰۔

کوئی سائل پوچھتا کہ عورت کو عضو تناسل چھونے سے وضو کا کیا حکم ہے تو جواب ملتا امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

شطرنج کھیلنے یا گھوڑے کا گوشت کھانے کے بارے میں سوال کیا جاتا تو جواب دیتے امام شافعی کے یہاں حلال ہے۔

تعذیب متہم یا تعزیرات میں تجاوزِ حدود کے سوال کا جواب ملتا امام مالک نے اس کی اجازت دی ہے۔

وقف جب بیکار اور بے فائدہ ہو جائے اور اس کا متولی اسے آباد اور مفید نہ بنا سکے تو اسے بیچنے کے لیے فتویٰ دیا جاتا کہ مسلک امام احمد کے مطابق یہ جائز ہے۔اس طرح اوقاف مسلمین سال بہ سال ملکیتِ خاص میں تبدیلی ہونے لگے۔ [1]

اللہ کا ڈر اور تقویٰ جیسے جیسے کم ہوتا گیا مقاصد شریعت کو بھی نقصان پہنچتا گیا اور اس کے مسلمہ قواعد سے غفلت برتی جانے لگی۔ بات یہاں تک پہنچی کہ وریدہ دہن اور احمق و گمراہ شعراء مسائل اور احکامِ الٰہی سے استہزاء کرنے لگے چنانچہ ابونواس کہتا ہے:

> ''عراقی کہتے ہیں کہ نبیذ اور اس کا مشروب جائز ہے شراب اور نشہ حرام ہے،
> حجازی کہتے ہیں کہ دونوں ایک ہی ہیں۔ان دونوں باتوں سے شراب ہمارے
> لیے جائز ہوگئی۔''

دینی شخصیتیں جو دین کی نصرت وحمایت کرتی ہیں وہ جب نیچے آنے لگیں تو کم فہم لوگ دین کو بھی ایسا ہی سمجھنے لگے۔تجاوز حدود کو بھی سہولت و آسانی کی دلیل سے لوگ قبول کرنے لگے۔ یہ اربابِ افتاء جنہوں نے ہیبت وعظمت کی دیوار خود ڈھا دی اور خواہشِ نفس کے مطابق فتویٰ دینے لگے انہیں متصلب اور متشدد لوگوں کی مزاحمت بھی برداشت کرنی پڑی۔ وہ اسی کو خدمت اسلام سمجھ کر لوگوں کو دعوتِ عزیمت دینے لگے۔لیکن نتیجہ اکثر اس کے برعکس نکلتا جس کی انہیں توقع ہوتی۔لوگ شریعت کی اطاعت سے احتراز کر کے اس میں آسانی کی بجائے

---

[1] الارتسامات اللطاف از شکیب ارسلان.

شدت و سختی محسوس کرنے لگے۔ جیسا کہ شاہ اندلس کا ایک واقعہ ہے کہ اس نے یحییٰ بن یحییٰ مفتی مالکیہ [1] سے روزے کا کفارہ پوچھا کیونکہ وہ روزے کے دنوں میں مصروفِ جنگ تھا تو آپ نے جواب دیا کہ اس پر لگاتار دو مہینوں کا روزہ ہے اور اس کا کوئی بدل بھی نہیں۔ حالانکہ انہیں غلام آزاد کرنے کا فتویٰ پہلے دینا چاہیے تھا۔ جب اس کے بارے میں آپ سے پوچھا گیا تو فرمایا: وہ سیکڑوں غلام آزاد کر سکتا ہے اس لیے اس کے لیے سخت حکم ضروری ہے اور وہ روزہ ہی ہے۔

اسلام جو حقائق زندگی پر نظر رکھتا ہے اس کی عطا کردہ جتنی سہولیات ہیں اور بلا جبر و اکراہ فطری طور پر اس کے احکام پر عمل اور ساتھ ہی انسان کی بالکل آزادانہ زندگی کو پابند ضوابط و حدود بنانے کی خواہش تاکہ وہ نفسانیت کی راہ پر نہ لگ جائے۔ اس کا اسلام میں جو اعیہ ہے اسے ہم نگاہِ انصاف سے دیکھیں تو تشدد اور تخفیف کی ان دونوں صورتوں میں افراط و تفریط ہے اور شارع حکیم کی منشا کے خلاف ہے۔

عالمِ دین کا سب سے اہم فریضہ یہی ہے کہ خدا کا پیغام بندوں تک اسی طرح پہنچاتا رہے جیسے اس نے اپنے رسول کے ذریعہ اور اپنی کتاب میں نازل فرمادیا ہے۔ بے جا تشدد و تخفیف کا اسے کوئی حکم نہیں دیا گیا ہے:

﴿قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِیْنِكُمْ﴾ (الحجرات: ١٦)

''تم فرماؤ! کیا تم لوگ اللہ کو اپنا دین بتاتے ہو۔''

﴿قُلْ ءَ اَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ﴾ (البقرہ: ١٤٠)

''تم فرماؤ! تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ کو زیادہ علم ہے۔''

تشدید یا تخفیف کتاب و سنت کی اتباع سے اگر تجاوز کر جائے تو ایک باطل اور نئی چیز ہوگی۔

---

[1] یحییٰ بن یحییٰ لیثی اندلسی م ۲۳۴ھ امام مالک سے مؤطا کے راوی تھے۔ مراکش میں آپ نے مسلکِ مالکی کو فروغ دیا۔ دیکھیے: البدایہ: ۳۱۲/۱۰۔

تقلید اور اس کے نتائج:

اجتہاد کے ساتھ جو حالات پیش آئے وہ گذشتہ صفحات میں ہم نے ذکر کر دیے جنہیں دیکھ کر صالحین اُمت کو خطرہ ہوا کہ اجتہاد کا دروازہ ایسے لوگوں کے لیے نہ کھل جائے جو اس کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ کیونکہ اب کارِ افتاء ایسے لوگ انجام دینے لگے جو سلاطین و امراء کے زیر سایہ پروان چڑھے اور نفسانی ہواؤں کے طوفان میں نصوص کی گردنیں مروڑنے لگے ہیں۔ کوئی سختی اور شدت کو روا رکھتا ہے اور کوئی رخصت و اجازت کی راہیں نکالتا ہے۔ اس طرح صلحاء اُمت نے جب اسلام اور مسلمانوں کے لیے خطرات محسوس کیے تو انہیں اس کا علاج یہی سمجھ میں آیا کہ راہِ نجات اور اُمت کی بھلائی اسی میں ہے کہ تقلید لازم کر دی جائے جو ایک مناسب علاج ہے اور المیہ بھی کہ اخلاص و دیانت کے فقدان نے تقلید تک پہنچا دیا۔

ایسے فقہاء کے باہمی تعارض و تناقض اور مباحثوں کے استمرار و تسلسل کی وجہ سے جدل سے نکلنے کا واحد راستہ یہی نکلا کہ اختلافی مسائل میں متقدمین کے اقوال و آراء کی طرف رجوع کیا جائے...... سلاطین کے تقرب، دنیا طلبی اور مسائل میں بے اعتدالی کے سبب بہت سے قاضیوں پر لوگوں کا اعتماد بھی باقی نہ رہا اور ان کے قضاء و افتاء پر اسی وقت بھروسہ ہوتا جب ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک امام کے قول سے مطابقت ہوتی۔

اس طرح جمہور مسلمین نے ائمہ اربعہ کی تقلید کا اعتبار کر لیا اور ان کے اقوال کو اپنا لیا۔ ان ائمہ کے اُصول کے مطابق کسی غیر مصرّح مسئلہ کی تخریج اجتہاد فاسد سے تحفظ کی بہترین ضمانت ہوتی۔ کیونکہ تکمیل اغراض کے لیے ایسے حاملین علوم شریعت غلط اجتہاد کرنے لگے تھے جو زہد و تقویٰ سے خالی تھے۔

امام الحرمین (م ۴۷۸ھ) کا دعویٰ ہے کہ جلیل القدر صحابہ کرام کی تقلید سے ممانعت پر محققین کا اجماع ہو چکا ہے اور اب ان مسالکِ ائمہ کی اتباع ضروری ہے جنہوں نے تحقیق و تفتیش کی فکر و نظر سے کام لیا۔ ابواب قائم کیے۔ مسائل کی نوعتیں ذکر کیں اور اگلوں کے مسالک کا بھرپور جائزہ لیا۔ اس کے بعد امام الحرمین نے تقلید کی تاکید کرتے ہوئے یہ حکم لگایا

کہ امام کو مسالک محققین و ماہرین کی اتباع کا حکم ہے۔ ❶

امام الحرمین کے اس قول اور اجماع محققین کے دعویٰ پر ابن الصلاح (م ۶۴۳ھ) نے ائمہ اربعہ کی تقلید کے وجوب کا دعویٰ کیا ہے کیونکہ ان کے مسالک منضبط اور مدون ہیں اور ان کے اُصول و شرائط بھی احاطۂ تحریر میں آ چکے ہیں اور یہ باتیں صحابہ و تابعین وغیرہم کے مسالک میں نہیں پائی جاتی ہیں ❷ اس کے بعد متاخرین یہی رائے نقل کرتے رہے۔ ❸

یہیں سے کتاب و سنت کے علوم وفنون سے غفلت کا آغاز ہوا۔ اقوال و مسالک کی نقل، ان کے احکام و دفاع اور ان سے تفریع و تخریج پر لوگ قناعت کرنے لگے۔

زوال و انحطاط جاری رہا اختلافات کی شدت وسعت اختیار کرتی گئی اور اس کے بعد تقلید خالص پر صدیاں گذر گئیں جس سے فکر کی تحریک رُک گئی۔ اجتہاد کا درخت خشک ہو گیا اور فتنہ و جہالت میں اضافہ ہوتا گیا۔ لوگوں کی نظر میں فقیہ عالم وہ ٹھہرا جو فقہاء کے بہت سے اقوال و آراء ذہن میں محفوظ رکھے۔ خواہ اسے قوی اور ضعیف مسئلہ کا علم ہو یا نہ ہو اور وہ شخص محدث ہو گیا جو صحیح و ضعیف احادیث کا حافظ ہو۔

معاملہ یہیں پر رُک نہیں گیا بلکہ اس سے بھی زیادہ مائل بہ انحطاط ہو گیا۔ گویا عالم اسلام سے آفتاب علم ہی غروب ہو گیا۔ عقول و افکار بے برگ و بار ہو گئے۔ بدعتوں کا بازار گرم ہوا اور انحراف و بے راہ روی کا سامان بکنے لگے۔ خرافات کی مختلف شکلیں مسلمانوں میں پھیل گئیں جس نے حملہ آوروں کا میدان صاف کر دیا کہ وہ اسلامی بلاد و امصار کو ہضم کر کے مسلم تہذیب و تمدن کو ملیا میٹ کر دیں۔

ماضی قریب کے مسلمانوں کا طرزِ فکر:

فکری جمود و تقلید کی آغوش میں محوِ استراحت ہو کر مسلمان ماضی کے سنہرے خواب دیکھتے

❶ البرهان: ۲/۱۱٤٦۔ فقه: ۱۱۷۳۔ التقرير والتحبير: ۳/۳۵۳۔

❷ التقرير والتحبير: ۳/۳۵۳۔

❸ التقرير والتحبير اور جوهرة التوحيد کی شرح تحفة المريد: ۱۵۲۔

رہے۔ اولوا الامر اور مصادر تشریع کی باہمی آویزش سے حیران و پریشان ہو کر مختلف راہوں پر لوگ چلنے لگے اور اہل علم ان سے غافل ہو کر اپنی مصروفیت اور اپنی رائے ہی کو سب سے بہتر اور صحیح سمجھتے رہے...... اس اُمت کی روشن تاریخ سے باخبر شخص کو یہ باور کرنا مشکل ہو گیا کہ جمود وتعطل کے یہ شکار اخلاف انہیں اسلاف کے وارث ہیں جو رواں دواں اور روشن وتابندہ زندگی کے مالک تھے۔

یورپ نے زندگی کے میدان میں جب ایک نئی کروٹ لی اور مسلمانوں کا یہ حال دیکھا تو انہوں نے سمجھ لیا کہ اس اُمت کی حقیقی بنیادیں متزلزل ہو چکی ہیں، اعتقاد وایمان کی چنگاری بجھ رہی ہے، یقین واذعان کی کیفیت رخصت ہو رہی ہے، اخلاق وکردار میں کجی آ چکی ہے، استقامت و پامردی معدوم ہے، فکر واجتہاد اور تفقہ کا فقدان ہے، بدعت رائج ہو رہی ہے، سنت سے لوگ غافل ہیں اور بیداری و ہوشیاری کا کہیں دُور دُور تک کوئی پتہ نہیں۔ گویا یہ اُمت ہی بدل چکی ہے۔ یہ حالت دیکھ کر گھات میں لگی ہوئی مغربی اقوال نے موقعہ غنیمت جانا اور مسلم حکومتوں پر قبضہ جما کر ان کی زمام اقتدار خود سنبھال لی اور جو کچھ باقی بچ گیا تھا اسے بھی ختم کر ڈالا اور پھر مسلمانوں کی ذلت ونکبت کا جو حال ہے وہ ہمارے سامنے ہے۔ ہمارے مسائل و معاملات کی کلید ان کے ہاتھ میں ہے اور وہ ہمارے انجام کا فیصلہ کرتے ہیں اور ہم اپنی ہی پیدا کردہ مشکلات کا ان کے پاس حل ڈھونڈنے جاتے ہیں۔

اس درمیان مسلمانوں نے کوششیں بھی کیں کہ اپنی بچی کھچی رمق کی حفاظت کے لیے اسے تاریکی سے نکالیں اور اپنی لغزشوں سے سنبھل جائیں لیکن ان کی ہر کوشش کو سخت ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا کیونکہ انہوں نے راہِ خداوندی اور جادۂ حق سے ہٹ کر اپنے قدم اُٹھائے اور یہ کوشش چونکہ غیروں کی تقلید اور فاتح وقابض اقوام کی اتباع کے راستے سے آگے بڑھ رہی تھی اس لیے ناکامی کے ساتھ معاملہ اور زیادہ خراب ہو گیا۔ جس سے متاثر ہو کر اُمت کی نئی نسل نے کوئی قابل اطمینان حل ڈھونڈنا اور زخم کا شفا بخش مرہم تلاش کرنا شروع کیا۔ تلاش وجستجو کے بعد فرزندانِ ملت کو صرف ایک علاج سمجھ میں آیا ان آخر هذه الامة لن يصلح الا

بما صلح بها أولها اس لیے انہوں نے اگلوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اسلام کے چشمۂ شیریں سے سیراب ہونا شروع کیا اور اس تحریک کو اسلامی بیداری کی لہر سے تعبیر کیا جانے لگا۔

اعداء اسلام اپنے اختلاف مذاہب کے باوجود اس مبارک دعوت کے لیے میدان خالی کیوں چھوڑ سکتے تھے۔ ہم سے جنگ کے لیے ان کے پاس بے شمار اسلحے بھی ہیں۔ ہمارے بعض بھائی جو ہمارے ہی درمیان اپنی زندگی کے شب و روز گذارتے ہیں وہ بھی ان کا ایک ہتھیار ہیں جو اعداء دین کے ہاتھوں کھلونا بننے میں کوئی عار نہیں محسوس کرتے۔ ان کے دوسرے بھی بہت سے طریقہ کار ہیں جن سے وہ مسلمانوں کو فریب دیتے ہیں اور نشاۃ ثانیہ کی راہ میں طرح طرح کے اسلحوں سے مشکلات اور رکاوٹیں کھڑی کرتے ہیں اور اس بیداری کو خطرناک چیلنجوں سے دو چار کرتے ہیں۔ دوسرے اختلافات ہی مخلص داعیوں کا خون نچوڑنے کے لیے کافی تھے کہ پھر اس بیداری کو اختلاف کے ہولناک چیلنج کا سامنا کرنا پڑا۔ جس کی چٹان سے ٹکرا کر ان کی ساری کوششیں پاش پاش ہوگئیں۔ اور ہمارے نوجوان مختلف جماعتوں اور گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ کوئی اپنے آپ کو سلفی کہتا ہے اور کوئی اہل حدیث بنتا ہے کچھ اپنے آپ کو مذہبیت کا علمبردار سمجھتے ہیں اور کچھ اس کے برخلاف لا مذہبیت کے داعی ہو گئے اور پھر کفر وفسق بدعت وانحراف اور جاسوسی وغیرہ کے الزامات ایک دوسرے پر عائد کرنے لگے۔ حالانکہ کسی مسلمان کو اپنے بھائی پر اس طرح کا کوئی بے جا الزام ہرگز نہیں لگانا چاہیے، چہ جائیکہ جان بوجھ کر یا لاعلمی میں ان کے اعلان کے لیے اپنے سارے وسائل و ذرائع جھونک دیے جائیں اور اس کی کوئی پروانہ ہو کہ اسلام کو نقصان پہنچانے کے لیے اُمت کے خلاف ان اختلافات کے ذریعہ کیا کیا کوششیں اور سازشیں ہو رہی ہیں۔

ائمہ مجتہدین کے اختلاف کا جواز موجود تھا۔ مناسب اسباب کی وجہ سے وہ ضوابطِ اختلاف کے دائرہ میں بھی محدود تھا لیکن معاصرین کے اختلاف میں کوئی ایسی معقول وجہ نہیں جو ان کے یہاں پائی جاتی تھی کیونکہ یہ مجتہد نہیں بلکہ سبھی مقلد ہیں اور انہیں میں وہ بھی شامل

ہیں جو ترکِ تقلید کا بلند بانگ دعویٰ کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم مقلد نہیں بلکہ کتاب و سنت سے براہِ راست احکام حاصل کرتے ہیں حالانکہ حقیقۃً چند کتب احادیث پر ان کی نظر ہوتی ہے اور ان کے مؤلفین و محدثین کی منتخب احادیث ان کے درجے اور رجال ہر چیز میں ان کی تقلید کرتے ہیں اور ان کتابوں سے مستنبط مسائل اور منقول اقوال فقہاء وغیرہ میں انہیں کی اتباع و پیروی کرتے ہیں...... بہت سے لوگ اپنے آپ کو رجال، مراتب جرح و تعدیل، اور تاریخ رجال کا عالم سمجھتے ہیں جب کہ وہ اس موضوع پر لکھی ہوئی چند قدیم و جدید کتابیں پڑھ کر منبر اجتہاد پر چڑھ جاتے ہیں اور اپنے آپ کو دوسرے لوگوں سے اونچا سمجھ بیٹھتے ہیں۔ حالانکہ جو شخص کچھ بھی علم رکھتا ہو اسے جہالت سے دُور رہنا چاہیے۔ دوسروں کو القاب تقسیم کرنے اور الزام تراشی سے خود کو بچانا چاہیے اور عقیدۂ اُمت کے خطرات کی اہمیت کا لحاظ کرتے ہوئے اس کے دفاع اور دلوں کو جوڑنے کی جدو جہد کرنی چاہیے۔ سارے مسلمان جو تقلید کرتے ہیں اور وہ بھی جو اپنے ائمہ کے اقوال پر عمل کرتے ہیں، خواہ وہ اپنے آپ کو کچھ بھی سمجھیں لیکن انہیں اپنے اختلاف کے باوجود کم از کم ان اُصول و آداب کا التزام کرنا چاہیے جس کے گوشۂ عافیت میں ائمہ اسلاف نے اپنی زندگی گذاری۔

مخلص مسلمانوں کو اُمید ہو چلی تھی کہ اس بیداری سے وجودِ اُمت میں کافرانہ و ملحدانہ افکار اور عقائد و نظریات کی پیدا کردہ وہ خلیج پُر ہو جائے گی جس کی وجہ سے شیطان نے بہت سے دلوں اور عقلوں کو پھیر رکھا ہے اور ایسے آثار بھی تھے کہ ضلالت و گمراہی سے قلوب کی تطہیر ہو جائے گی اور وہ صحیح اسلامی عقائد سے روشن و پُر نور ہو جائیں گے۔ اس کے بعد اس وسیع دنیا کو پیغام اسلام سے روشناس کرایا جائے گا اور زمین کے گوشے گوشے میں کلمۂ حق سر بلند ہو جائے گا۔

لیکن یہ دیکھ کر دل تڑپ اُٹھتا ہے کہ بعض مسلمان ہی اس بیداری کے بال و پر نوچ رہے ہیں اور اسے غیر منضبط اختلاف کی بیڑیاں پہنا رہے ہیں۔ کچھ مسائل سبب اختلاف بن سکتے ہیں لیکن کچھ ایسے بھی ہیں جو خود ہی ایک مدت سے مسلمانوں کو اُلجھائے ہوئے ہیں اور ان کی طاقت و قوت کو بہت زیادہ تباہ کر چکے ہیں۔ ان کے سامنے ان چیزوں کو ایسا خلط ملط کر

دیا گیا ہے کہ آسان اور سخت، معمولی اور اہم اور چھوٹے بڑے کی کوئی تمیز نہیں رہ گئی...... جس قوم کا یہ حال ہو چکا ہو وہ اپنے مسائل کا علاج اور اہمیت وعظمت کے لحاظ سے اُمور و معاملات میں کس طرح ایسا نظم وضبط اور ترتیب پیدا کر سکتی ہے جس سے اسلامی نشاۃِ ثانیہ کا آغاز کر سکے۔

مسلمانوں میں ''خلاف'' بھڑکانا یا اس کے اسباب کو بڑھاوا دینا مقاصد اسلام کے ساتھ خیانت، امید افزا اسلامی بیداری کے راہ میں رکاوٹ اور مخلص داعیوں کی کوششوں کو سبوتاژ کرنا ہے جسے اللہ جل شانہ کبھی نہیں پسند کر سکتا۔ اس لیے عام مسلمانوں کو عموماً داعیوں کا خصوصاً سب سے اہم فریضہ یہ ہے کہ ایمان کے بعد جو اسلامی جماعتوں اور ان کے داعیوں کو متحد رکھنے کا عمل شروع کریں اور سارے باہمی اسباب ''خلاف'' ختم کر ڈالیں۔ اگر کہیں اختلاف ضروری ہو جب بھی اس کا دائرہ محدود رکھیں اور سلف صالحین کے آداب کا ہر طرح خیال رکھیں...... مخلصانہ نیت ہو تو اختلاف آراء کے باوجود اسلامی نشاۃ ثانیہ کے لیے دل مل سکتے ہیں اور خدا کی مکمل تائید اور اس کی توفیق بھی حاصل ہوتی رہے گی۔

موجودہ اختلاف کے نتائج:

یہ بات مسلم ہے کہ زمانہ کے ساتھ اسباب اختلاف بھی بدلتے رہتے ہیں اگرچہ ہر دَور رخصت ہوتے وقت کچھ وراثت ضرور چھوڑ جاتا ہے۔ مسلمانوں کے موجود اختلافات کی نمایاں اور سب سے اہم وجہ اسلام سے ناواقفیت اور اس کا ناقص علم ومطالعہ ہے۔

مسلم ممالک میں استعمار پسند کافروں کے داخلہ سے پہلے کے علمی حالات کا ذکر کیا جا چکا ہے لیکن مسلم بلاد وامصار میں ان کے داخل ہونے کے بعد معاملہ اور زیادہ بگڑ گیا۔ انہوں نے مسلمانوں کی فضیلت وعظمت کے راز پنہاں کا مطالعہ کیا اور اس کے بعد نصابِ تعلیم اور ایسے اداروں کے قیام کی طرف توجہ مبذول کر دی جن کے توسط سے مسلمانوں کی عقل وفکر پر اثر انداز ہوا جا سکے تاکہ وہ نئے عالمی حالات وخیالات قبول کرنے اور ان کے ساتھ گھل مل جانے کے لیے تیار ہو جائیں۔

یہ استعمار پسند قوتیں یہ بھی سوچتی تھیں کہ مسلمان نئے تقاضے قبول کر کے ترقی کی منازل طے کر سکتے ہیں جس طرح یورپی ممالک میں ہوا۔ جنہوں نے تمدن کی نئی راہوں پر اسی وقت قدم رکھا جب مذہبی احکام سے بغاوت وسرکشی کی اور کلیسا کی پابندیوں سے مکمل طور پر آزاد ہو گئے۔ ان کے خیال کے مطابق ہر مذہب متوقع ترقی وخوش حالی کی راہ میں انسان کے لیے ایک زبردست رکاوٹ ہے:

﴿كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا﴾

(الکھف : ٥)

''کتنی بڑی بات ان کے منہ سے نکل رہی ہے۔ وہ محض جھوٹ کہہ رہے ہیں۔''

ان کا یہ دعویٰ دوسرے تحریف شدہ مذاہب کے لیے توضیح ہوسکتا ہے لیکن اسلام کے لیے ایسا دعویٰ یقیناً غلط اور غیر حقیقت پسندانہ ہے۔ اس کے ساتھ خدا نے عالم بشریت کی سعادت وبرکت وابستہ کر رکھی ہے اور نورِ خداوندی کی روشنی میں وہ اپنے سارے عزائم کی تکمیل کرسکتا ہے۔

اُمت کے اسبابِ وجود اور اسے اسلامی زندگی سے دُور کرنے کے لیے استعمار پسند کفار نے اسلامی تعلیم اور عربی زبان کے لیے ہر طرح کی مشکلات اور رکاوٹیں کھڑی کیں۔ اور اپنے مقصد کے حصول کے لیے ان طلباء کے ساتھ بے توجہی برتی جانے لگی جو اسلامی تعلیم کی راہ پر چل رہے تھے اور ایسے خیالات پھیلائے گئے جن سے ان کی حیثیت گھٹے اور علوم وفنون بے وقعت ہو جائیں جن سے انہیں معمولی درجہ کے عہدے اور مرتبے بھی حاصل نہ ہوسکیں۔ ان کے مقابلے میں ایسے طلبہ پر خصوصی توجہ دی گئی اور ہر طرح کی سہولتیں فراہم کی گئیں جو نئے مدارس سے منسلک ہو کر ان میں تعلیم حاصل کرنے لگے اور ان کے سامنے روشن مستقبل کے دروازے کھول دیے گئے جس کے بعد اُمت کے قائدانہ مناصب ومواقع ان کے لیے وقف ہو گئے۔ اس طرح اسلامی تعلیم اور عربی زبان حاصل کرنے والے طلبہ کا دائرہ تنگ کر دیا گیا اور اس کی طرف رُخ کرنے والے سارے راستے بند کر دیے گئے۔ کچھ طلبہ جو ادھر آنے کی

کوشش کرتے ہیں انہیں عام طور پر ایسی سختیوں اور تنگیوں سے دو چار ہونا پڑتا ہے کہ وہ دل برداشتہ ہو کر راستہ ہی سے واپس پلٹ جائیں۔ اور اگر جرأت کے ساتھ کوئی آگے بڑھنا بھی چاہے تو اس اور دوسروں کے درمیان تمیز اور تفریق برتی جاتی ہے۔ مختلف کاموں، ملازمتوں، مرتبوں، عہدوں میں یہ امتیاز دیکھ کر ظلم ونا انصافی اور اپنی ناقدری کا اسے شدید احساس ہوتا ہے۔ اسی لیے اکثر مسلم ممالک میں اسلامی تعلیم حاصل کرنے والوں کی تعداد کم ہوگئی اور ان کا معیار بھی گر گیا اور جو اس میدان میں آتے ہیں گویا دنیاوی لحاظ سے وہ ایسے کاشتکار کی طرح ہو جاتے ہیں جو کھیتی کرے مگر اسے کاٹنے کی اُمید نہ رکھے اور کچھ مخصوص حالات ہی میں لوگ اس تعلیم کی طرف متوجہ بھی ہوتے ہیں اور تکمیل علوم کے بعد بھی اس کی عملی مشکلات سے انہیں آزادی نہیں مل پاتی۔ کیونکہ ان کے سامنے راستے بند نظر آتے ہیں جس کی وجہ سے دعوتِ دین اور معاشرے میں اپنا وہ کردار نہیں ادا کر پاتے جو انہیں کرنا چاہیے۔ بند دروازوں کے سامنے اُن کا استقلال اور ان کی استقامت جواب دینے لگتی ہے ان کی اپنی شخصیت کمزور پڑنے لگتی ہے جس سے مجبور ہو کر وہ ایسے سرکاری مذہبی اداروں سے وابستہ ہو جاتے ہیں جو پہلے ہی سے ایسے لوگوں کے لیے تیار رکھے جاتے ہیں تاکہ وہ سب سے الگ تھلگ ہو کر انہیں محدود اور منصوبہ بند اغراض و مقاصد کی خدمت انجام دیتے رہیں اور کسی دوسرے کام کی طرف ان کا ذہن نہ جا سکے۔ کیونکہ معاشرے میں اپنا کردار ادا کرنے کی راہ میں ان کے سامنے رکاوٹ کھڑی ہو جاتی ہے اور ان سے عام مسلمانوں کا اعتماد بھی باقی نہیں رہتا۔

اس اُمت اور اس کے عقیدہ کے درمیان خلیج کچھ اور گہری کرنے اور شریعت اسلامیہ سے وابستہ اس کی جڑیں کٹنے کے لیے استعمار پسندوں نے اسلام اور عربی زبان کی تعلیم کو ذیلی حیثیت دے کر اپنے پسندیدہ افکار و مبادی کے لیے میدان خالی کر دیا اور اس کے گرد منڈلانے کے لیے نوجوانانِ ملت کے سامنے پر کشش چیزیں رکھ دیں، لیکن کڑوے کسیلے ذائقہ اور کانٹوں کے سوا انہیں کچھ نہ ملا۔ نوجوان مسلم نسل نے ہر فکری اور نظریاتی رنگ کا تجربہ کر لیا۔ کمیونزم، سوشلزم، نیشنلزم جیسی بے بنیادی تحریکوں نے پہلے سے زیادہ ذلت و رسوائی

سے انہیں دوچار کیا جس کے بعد یہ یقین ان کے دلوں میں راسخ ہو گیا کہ اسلام ہی اُمت کے مسائل کو حل کر کے انہیں قعر مذلت سے نکال کر ان کی پسماندگی کے اسباب و وجوہ کا خاتمہ کر سکتا ہے اس لیے مختلف راہوں پر بھٹکنے کے بعد انہوں نے اسلام کی طرف رُخ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اور یہ طے کیا کہ اب کوئی ایسا نظریہ شریک سفر نہ ہو سکے جس سے اپنے دین وایمان اور جان کو خطرہ لاحق ہو سکے۔

دینی بصیرت اور احکام و مسائل جاننے کی مشکلات درپیش ہوئیں تو کسی سابقہ نصابی اور مربوط تعلیم جو فہم صحیح میں مددگار ہو اس کے بغیر کتابیں پڑھنی شروع کیں اور انہیں ایسے باصلاحیت اساتذہ بھی میسر نہ آ سکے جو اس نئے مطالعہ میں ان کی رہنمائی کر سکیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ یہ کتابیں پڑھ کر ان کے سامنے اسلام کا ایک محدود گوشہ آیا۔ جس سے ان کے سامنے اس کا جامع اور مکمل تعارف نہ ہو سکا، کہ وہ اس کے مقاصد و اُصول سمجھ سکے اور ان کی روشنی میں اسلام کے روشن چہرے کا مشاہدہ کر سکے۔ بلکہ ان اندھوں کی طرح یہ نوجوان مسلم نسل بھی ہو گئی جن کے ہاتھ کسی ہاتھی کے جسم پر پڑے اور جس کا ہاتھ جہاں پہنچتا اسے ٹٹول کر مکمل ہاتھی اسی حصہ کو سمجھ لیا۔ اسلام کے ساتھ مسلمانوں کا بھی یہی حال نظر آ رہا ہے جو مختلف جماعتوں اور چھوٹے چھوٹے گروہوں میں تقسیم ہو گئے ہیں اور کچھ تو ایسے ہیں جو اسلام سے پشت پھیر کر نفسانیت کی سواری پر چڑھ کر مشرق و مغرب میں گھوم رہے ہیں گویا اسلام سے ان کا اتنا ہی رشتہ ہے کہ موروثی طور پر ان کے اسلامی نام رکھ دیے گئے ہیں، کچھ تھوڑی سی شرم وحیا باقی نہ رہ جاتی تو اسے بھی ختم کر دیتے۔ بعض ایسے بھی ہیں جو اسلام کے شجر سایہ دار کی پناہ میں آنا چاہتے ہیں لیکن اس کے لیے وہ ایسی راہیں اختیار کرتے ہیں جو ان کے درمیان پھوٹ اور اختلاف ڈال دیتی ہے اور دشمن ان پر غلبہ پا کر بے قابو بنا دیتے ہیں اور انہیں ایسی جگہوں پر لا ڈالتے ہیں جہاں سے واپسی کے سارے راستے مسدود ہو جاتے ہیں اور کوئی پودا اُگنے سے پہلے ہی اس کی جڑ کاٹ دیتے ہیں۔

راہِ نجات:

اب جب کہ اُمت کے مرض کی تشخیص ہو چکی ہے تو شاید آنے والی سطروں میں اس کا کچھ علاج مل جائے۔

ا۔ دعوت و تبلیغ کی خدمت انجام دینے والے مخلص مسلمان جو اُمت کے بحران اور اس کی حقیقت سے قریب تر زندگی گذار رہے ہیں انہیں چاہیے کہ کچھ ذکی و ذہین اور باشعور مسلم نوجوانوں کا انتخاب کر کے علوم شریعت کی تعلیم کے لیے بہترین طریقے ان کے لیے اپنائیں اور ایسے علماء کے زیر سایہ انہیں پروان چڑھائیں جو علم و تقویٰ، مقاصد و اُصولِ اسلام کے فہم و شعور اور بصیرت و تفقہ کے جامع ہوں اور ان کی عملی زندگی بھی ایک قابل تقلید نمونہ ہو اور تربیت نبوی کا اسلوب پوری طرح اپنایا جائے۔

ان نوجوانوں کو ایسے اہل علم کے ذریعہ تقویت پہنچائی جائے جو مختلف عصری علوم کے ماہر ہوں اور جن کے اندر اخلاص و تقویٰ بھی پایا جاتا ہو۔ یہ دونوں مل کر سفر کا صحیح رُخ متعین کر سکتے ہیں اور پائی جانے والی بیداری کی رہنمائی کر کے اسے ثابت قدم بنا سکتے ہیں جس کے بعد اُمت کو نجات و عافیت مل جائے گی اور دن بدن تباہی کے گڑھے کی طرف بڑھنے والی اس انسانیت کی قیادت کا اپنا کردار نبھا سکتے ہیں جس کی نجات اسلام ہی میں ہے۔

۲۔ مسلمانوں کو ایسی راہوں پر لگایا جائے جس سے اس فکری بحران کا علاج ہو سکے جو ان کے اندر موجود ہے اور جس کے نتائج اور دُور رَس اثرات کو کم ہی لوگ سمجھ پاتے ہیں یہ بحران مسلم اداروں اور تنظیموں کے اخلاقی و عملی زوال و انحطاط، معیارِ شعور و تربیت کی گراوٹ، باہمی تعلقات کی خرابی، صلحاء اُمت کی مبارک کوششوں کی مخالفت اور انہیں ناکام بنانے کی تدبیروں سے اچھی طرح واضح ہے جس کا واحد سبب یہ ہے کہ اسلام زندگیوں سے دُور ہو چکا ہے۔ اسلام کے بہترین نمائندوں اور ان اشخاص کے درمیان خلیج گہری ہو چکی ہے جن کا خیال ہے کہ اسلام ایک ایسا بادل ہے جو برستا ہے اور نہ مردہ چیزوں میں زندگی کی روح پھونکتا ہے یا چکنے پتھر پر پڑنے والا پانی ہے جو کوئی کھیتی اُگاتا

ہے نہ کوئی سبزہ۔ کیونکہ دل سخت ہو کر زنگ آلود ہو چکے ہیں اور آنکھیں بند ہو کر امتیاز خیر وشر سے قاصر ہو چکی ہیں۔

مختلف تعلیمی ادارے اُمت کو معتدل مسلم انسان پیش کرنے میں ناکام ہو چکے ہیں۔ مسلم ممالک میں مغربی طرز پر قائم شدہ یونیورسٹیاں اپنا یہ فریضہ نہیں سمجھتیں کہ تمام شعبہ علوم میں ایسا مسلم صاحب علم تیار کرنا ہے جو سارے علوم وفنون کے زینے خود بخود طے کر سکے بلکہ ان کا مطمح نظر ہوتا ہے کہ ایسے طلبہ تیار کیے جائیں جو مغربی علوم وفنون کے دلدادہ ہوں اور جلد از جلد ان کی زندگیاں مسلم عقائد اور ان کے مقاصد و اہداف سے دُور جا پڑیں یہی وجہ ہے کہ ان یونیورسٹیوں سے ایسی نسل نکلی جس کا رابطہ اُمت سے کمزور اور اس کے تعلقات اور افکار اُلجھے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور ان کے علم سے اُمت کی کوئی خدمت نہیں ہو پاتی۔

وہ تعلیمی ادارے جن پر دینی وشرعی رنگ غالب ہے جیسے جامعہ ازہر وغیرہ یا ان کے کالج واسکول وغیرہ۔ انہوں نے محدود پیمانے پر علوم شرعیہ کے بعض اچھے ماہر علماء پیدا کیے ہیں لیکن ایسے جید علماء نہیں پیش کر سکے جو فکر و قیادت اور احیاء وتجدید کے فرائض انہیں کالجوں کے ذریعہ انجام دے سکیں اور موجودہ خلیجوں کا مقابلہ کر کے ان پر غالب آ سکیں اسی لیے فکر اسلامی کا دائرہ تنگ ہوتا گیا اور مسلمانوں کی زندگی میں اس کے انداز فکر کی گرفت مضبوط نہ رہ سکی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے دل اور عقلیں غیر اسلامی افکار کو بھی قبول کرنے لگیں ۔ مسلمان اپنی سیاست واقتصادات اور معاشرتی واجتماعی تنظیم واتحاد جیسے اہم مسائل حل کرنے میں ناکام رہے اور دوسروں کے نظریات وخیالات کی اُلٹی سیدھی نقلیں کرنے لگے اور فرزندانِ اُمت کے اختلاف اور باہمی رسہ کشی نے اقدار وروایات کی ساری زنجیریں توڑ ڈالیں۔ یہ باہمی تصادم مغرب سے متاثر اور اس کی ثقافت کے فریفتہ گروہ کے حق میں اکثر مفید ہوتا ہے مقام افسوس ہے کہ یہ مومن ہراول دستہ اپنی صفوں میں اتحاد لانے اور چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کی بجائے خود ہی اختلافی مسائل اور جھگڑوں کا شکار ہو گیا کیونکہ اکثر طلبہ کے ذہن میں جزئیات و کلیات اور مقاصد ومبادی ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط ہو گئے ہیں۔

کتاب وسنت کی روشنی میں روحِ اسلام اس کے مقاصد وقواعد کلیہ، اور مراتب احکام وغیرہ کی روح کو سمجھنے کے لیے مسلمانوں کے درمیان فکرِ سلیم پیدا کرنے کی شدید ضرورت ہے۔ سلف صالحین اپنے قرونِ خیر میں کس طرح مطالعۂ کتاب وسنت کرتے تھے ان کا اسلوب کیا تھا۔ اس پر ہماری گہری نظر ہونی چاہیے تاکہ اُمت کے اندر پیدا شدہ مسائل کو اسلامی تصورات اور اس کے پیش کردہ حل کے مطابق انہیں نمٹا سکیں اور پھر ہر ایک کو یقین کامل ہو جائے کہ اسلام ہی ان کی نجات کا واحد راستہ اور سارے مشکلات کا واحد حل ہے۔ اس یقین کے بعد شعور وبصیرت کے ساتھ فکرِ اسلامی کی بنیادوں سے ایسا گہرا ربط ہو جائے گا جسے شیطان بھی کبھی کاٹ کر جدا نہیں کر سکے گا۔ مسلمان جب غفلت سے بیدار ہو کر اپنے ہوش وحواس میں آجائیں گے۔ ان کی دُکھتی رَگ پر ہاتھ رکھ کر صحیح مرض کی تشخیص ہو جائے گی تو وہ خود ایسے قدم اُٹھائیں گے جس سے ان کا علاج ہو سکے اور وہ اپنی منزل مقصود تک پہنچ جائیں اور وہ دن دُور نہیں۔ ان شاء اللہ

خاتمہ

مذکورہ دونوں نشانوں تک پہنچنے سے پہلے، ان اصحاب دعوت وارشاد کو یہ چند باتیں ذہن نشین رکھنی چاہئیں تاکہ کوئی لغزش اور بے راہ روی نہ پیدا ہوسکے۔

۱۔ مسلم نوجوانوں کو اس بات کی اہمیت اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اگرچہ قرآنِ حکیم کے ذکر وفکر اور اس سے عبرت ونصیحت حاصل کرنا ہمارے لیے آسان فرمادیا ہے، اور بہت سی کتب احادیث کی روشنی میں سنت نبوی جاننے اور سمجھنے کی راہیں بھی ہموار کردی ہیں لیکن براہِ راست ان مصادر و مآخذ سے انفرادی طور پر خود ہی کوئی رائے قائم کرنے میں بہت سارے خطرات ہیں۔ انہیں صرف سمجھنے ہی کے لیے سابقہ استعداد اور صلاحیت کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ استنباط کے قواعد وضوابط عربی زبان و ادب اور اس کے اسالیب تعبیر میں مہارت، علوم کتاب وسنت، ناسخ ومنسوخ، عام وخاص، عام جس سے خاص مراد ہو۔ مطلق ومقید و دیگر احوال وعوارض کی صحیح معرفت بھی ضروری ہے اس کے بغیر کوئی مسلمان دینی وشرعی اُمور ومسائل میں کوئی گفتگو کرے تو وہ محض خواہش نفس کی پیروی کرتے ہوئے ظن وتخمین کی باتیں کررہا یہ جن کا علم وہدایت اور نور ربانی سے کوئی رشتہ اور رابطہ نہیں۔ ایسا طریق اختیار کرنے والا شخص خطرناک سواری پر چڑھ کر اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"بغیر علم کے قرآن شریف میں جو شخص کلام کرے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔" ❶

❶ ترمذی نے ابن عباس سے سند صحیح کے ساتھ اس کی تخریج کی جیسا کہ الجامع الصغیر: ۳۰۹/۲۔ اور الفتح الکبیر: ۲۱۹/۳۔ میں ہے۔ اور علم حدیث کے تینوں اصحاب نے بطریق جندب ان الفاظ کے ساتھ اس کی تخریج کی ہے: من قال فی القرآن برأیه فاصاب فقد اخطأ ۔ الفتح الکبیر: ۲۱۹/۳۔

قرآن و حدیث سمجھنے کے لیے جن علوم و معارف کی ضرورت ہے ان کا حصول ایک دو کتابوں سے ممکن نہیں۔اس کے لیے اسے باضابطہ مستحکم اور مسلسل مطالعہ کی ضرورت ہے جس سے ایسے علوم وفنون میں اسے مہارت حاصل ہو جائے جن کے سہارے علوم اسلامیہ اور فکر اسلامیہ کے میدان میں وہ اپنا قدم رکھ سکے اور پھر اپنے متوقع نتائج کے لیے جامع تحقیق و تفحص اور دقت نظر پر اعتماد کرنا ہوگا جس کی رہنمائی اور نگرانی کسی ایسے استاذ کے ذمہ ہو جو ماہر علوم، بہترین راہنما و راہبر اور فکر و بصیرت رکھنے والا ناقد بھی ہو۔یہ سارے اُمور اللہ تعالیٰ کی خشیت و تقویٰ کے زیر سایہ انجام پائیں اور ان کا مقصود صرف اس سے اجر و ثواب کی اُمید ہو۔

۲۔ یہ بھی ذہن نشین رہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی دنیوی و اخروی سعادت کے لیے یہ شریعت نازل فرمائی ہے اور ان کی ذہنی و فکری توانائی اور اس کے مصالح و مفادات کی تکمیل کے لیے اسے بھیجا ہے جس میں اس اشرف مخلوقات کے لیے کوئی ایسا حکم اس نے نہیں دیا جس پر وہ عمل نہ کر سکے۔اسی لیے اس نے فرمایا:

﴿وَ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾ (الحج: ۷۸)

''اور تم پر دین میں کوئی تنگی نہ رکھی۔''

اللہ تعالیٰ نے اس دین پر محبت و تعلق خاطر کے ساتھ عمل کرنے کے لیے بندوں پر خود آسانی اور نرمی کا معاملہ کیا ہے اور کہیں کوئی جبر و اکراہ اور سختی نہیں۔اسی سلسلے میں اس کا ارشاد ہے:

﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (البقرہ: ۱۸۵)

''اللہ تعالیٰ تم پر آسانی چاہتا ہے وہ تم پر سختی نہیں چاہتا۔''

﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ﴾ (النساء: ۲۸)

''اللہ تم پر تخفیف کرنا چاہتا ہے۔''

کیونکہ وہ اپنی مخلوق کے ضعف و توانائی کو سب سے زیادہ جانتا ہے۔

﴿وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا﴾ (النساء: ۲۸)

''اور آدمی کمزور بنایا گیا ہے۔''

سارے احکام شرعیہ میں بندوں کے مصالح اور ان کے مفادات کی تکمیل کی رعایت برتی گئی ہے جن کے سارے فوائد انہیں ہی حاصل ہوتے ہیں، خدائے قدیر کو نہیں کیونکہ اس کی ذات ان چیزوں سے ہر طرح مستغنی اور بے نیاز ہے۔ ان مقررہ اُصول وکلیات کی روشنی میں شریعت کی جزئیات کو اچھی طرح سمجھنا بے حد ضروری ہے اور جس شخص کی ان سب پر جامع نظر نہ ہو اور نہ ان کے مقاصد وقواعد کو سلیقہ سے جان سکے۔ وہ فروع کو اُصول سے اور جزئیات کو کلیات سے کس طرح مربوط کر سکتا۔ امام ابن برہان [1] کہتے ہیں:

''شرائع ایسے انتظامی اُمور ہیں جن سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو نظم وضبط کی راہ پر لگاتا ہے۔ ہر زمانے میں لوگوں کے الگ الگ معاملات ہوتے ہیں۔ اور ان کے لیے ویسی ہی تدابیر بھی ہوتی ہیں اور ان کے ساتھ کچھ مخصوص نرمی اور مصلحت بھی ہوا کرتی ہے اور ہر اُمت کے لیے الگ الگ تدبیریں ان کے مناسب حال ہوتی ہیں اگر چہ دوسروں کے لیے مضر اور نقصان دہ ہوں۔'' [2]

اس بات پر علماء اُمت کا اتفاق ہے کہ سارے احکام شریعت کے پیچھے مصالح انسانی کے اسباب وعلل پوشیدہ ہیں جس کی وجہ سے ان کی تشریع ہوئی۔ خواہ وضاحۃً ہوں یا اشارۃً اللہ تبارک و تعالیٰ اس کی معرفت ہمیں عطا فرمائے یا نہ فرمائے جن اسباب کو ہم نہ سمجھ سکے ان میں بھی کوئی حکمت ہی ہے جس کا علم خدا کو ہے۔ اسی لیے اجتہادی احکام حالات زمانہ کو دیکھتے ہوئے بدل بھی جاتے ہیں اور انسانوں کے احوال وظروف اور ان کی صلاحیت و طاقت وغیرہ کے فرق

---

[1] ابن ترکان احمد بن علی بن برہان بغدادی م ۵۱۸ھ۔ مشہور اصولی ہیں اور آپ کی کئی تصانیف ہیں جن میں الوصول الی علم الاصول ...... الاوسط۔ اور الوجیز کو شہرت حاصل ہے۔ پہلے حنبلی تھے پھر شافعی ہو گئے۔ آپ کے حالات ان کتابوں میں ہیں: طبقات الشافعیہ از ابن سبکی: ۴۲/۴۔ الوفیات: ۱۹۹/۱۔ البدایہ والنہایہ: ۱۹۶/۱۲۔ طبقات الاشنودی: ۲۰۸/۱۔ المنتظم از ابن الجوزی: ۲۵۰/۹۔

[2] الوصول الی الاصول۔ المسألۃ الرابعۃ فی مسائل النسخ (مخطوط)

سے بھی ان میں تبدیلیاں آ جاتی ہیں۔

قرآنِ حکیم اور سنت و احادیث متواترہ کے نصوص قطعی الثبوت ہوتے ہیں۔ بعض جیسے اخبار آحاد کا حکم ظنی الثبوت ہوتا ہے۔ دلالتِ نص کی کبھی قطعی اور کبھی ظنی ہوتی ہے جن کی معرفت ضروری ہے کیونکہ فہم نص اور استنباط و اجتہاد میں انہیں کا دخل و اثر ہوتا ہے۔ اسی لیے نصوص شریعت سے تعارض و تناقض نہ ہو اور دلیل میں گنجائش اور لفظ میں جب تک احتمال باقی رہے اس وقت تک نص سے اپنے اخذ کردہ مفہوم کے خلاف کسی دوسرے عالم کے اختیار کردہ مفہوم کا رد و انکار نہیں کیا جا سکتا۔ بہت سے فروعی اور عملی احکام کا ثبوت ظنی طریقوں سے ہے جن سے بندوں پر اللہ کی رحمت کا ظہور ہوتا ہے تاکہ لوگوں کے لیے غور و فکر کا میدان کشادہ رہے۔ شارع حکیم نے آسانی کا دروازہ کھول رکھا ہے اور انسانوں کے مصالح کا اعتبار اور رعایت بھی ہے تو کسی کو اس کا حق نہیں پہنچتا کہ وہ اُمور مذکورہ میں اپنے کسی مخالف کی طرف کفر و فسق اور بدعت و ضلالت کا انتساب کرے بلکہ کوئی مناسب عذر سامنے رکھنا چاہیے جس سے رشتۂ محبت جڑا رہے جس کے صلے میں وہ بھی محبت و احترام پا سکے اور اخوت و مودت کی رعایت اور اس کا ہر وقت پاس و لحاظ رہے۔

۳۔ اسلامی اخوت و اتحاد کی حفاظت اور اس کو ضعف و نقصان پہنچانے والی چیزوں کو راستے سے ہٹانا مسلمانوں کا سب سے عظیم و اہم فریضہ اور سب سے اہم عبادت و اطاعت خداوندی ہے کیونکہ اسی اخوت کے ذریعہ ہم ان ساری مشکلات پر قابو پا سکتے ہیں جو اسلامی نشاۃ ثانیہ کی راہ میں رکاوٹ بن رہی ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے تفرقہ اندازی کو سخت ناپسند فرماتے ہوئے اس سے دُور رہنے کی تلقین فرمائی ہے اور جماعت مسلمین کے درمیان نفاق و افتراق پیدا کرنے والے کا خون مباح فرما دیا ہے۔ اسی لیے محض اختلاف رائے کی وجہ سے اسلامی اخوت میں کوتاہی یا اسے نقصان پہنچانا یا اس کے جال میں پڑنا کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں۔ بالخصوص موجودہ حالات میں جب کہ ساری اقوام ہمارے خلاف صف آرا ہیں اور ان کی خواہش و کوشش ہے کہ

ایمان کی چنگاری جو بھڑکنا چاہتی ہے اسے بجھا دیں اور وہ مبارک بیج جو مخالفین کی ریشہ دوانیوں کے باوجود زمین کا سینہ چیر کر باہر آنے اور برگ و بار لانے کو ہے اسے جڑ سے اُکھاڑ پھینکیں۔

اللہ کی راہ میں اخوت اور مسلمانوں سے محبت و اتحاد کو فرائض میں اوّلیت حاصل ہے کیونکہ توحید سے اس کا قریبی تعلق ہے۔ اسی طرح اخوتِ اسلامی کے خلاف کوئی قدم اُٹھانا بھی ممنوعات ومنکرات میں سرفہرست ہے۔ اسی لیے علماء سلف ''خلاف'' سے بچنے اور مسلمانوں کے باہمی ربط و تعلق خاطر کی رعایت سے افضل کو چھوڑ کر مفضول پر عمل کر لیتے تھے اور کبھی کبھی اپنے نزدیک جو امر مندوب ہوتا اسے چھوڑ کر جائز ہی پر اکتفا کر لیتے۔

شیخ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''ایک دوسرے کی اقتداء میں نماز پڑھنے پر مسلمانوں کا اتفاق ہے جس طرح صحابہ و تابعین کرام اور ان کے بعد ائمہ اربعہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ اس کا منکر مبتدع، گمراہ اور کتاب و سنت و اجماع اُمت کا مخالف ہے۔ صحابہ و تابعین اور ان کے بعد مسلمان بسم اللہ پڑھتے تھے اور نہیں بھی پڑھتے تھے اس کے باوجود ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھ لیتے تھے۔ جیسے امام ابو حنیفہ اور ان کے رفقاء و اصحاب اور (امام) شافعی وغیرہم مالکی ائمہ مدینہ کی اقتداء میں نماز پڑھ لیا کرتے تھے اگرچہ وہ زور سے یا آہستہ بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے۔ (امام) ابو یوسف نے رشید کے پیچھے نماز پڑھی جس نے پچھنا لگوا رکھا تھا۔ (امام) مالک نے اس سے وضو واجب نہ ہونے کا فتویٰ دیا ہے تو اس کے پیچھے ابو یوسف نے نماز پڑھ لی اور اس کا اعادہ نہیں کیا۔ احمد (ابن حنبل) کے یہاں نکسیر پھوٹنے اور پچھنا لگوانے سے وضو واجب تھا۔ ان سے کسی نے پوچھا اگر امام کے بدن سے خون نکل جائے اور وہ وضو نہ کرے تو کیا میں اس کے پیچھے نماز پڑھ لوں؟ آپ نے کہا: سعید بن مسیّب

اور مالک کے پیچھے تم نماز کیوں نہیں پڑھو گے؟'' ❶

اسلامی اخوت اور اتحادِ مسلمین کی تاکید سے یہ کوئی نہ سمجھ بیٹھے کہ بنیادی عقائد جن میں قواعد مسلمہ کے حدود میں احتمال تاویل نہ ہو ان میں بھی سستی اور تغافل برتا جا سکتا ہے۔ اعداء اُمت سے مقابلہ کا یہ مطلب نہیں کہ اخوتِ اسلامی کی دلیل سے ہم اپنا ہاتھ ان لوگوں کے ہاتھ میں دے دیں جو صرف نام نہاد مسلمان ہیں۔ اختلافی مسائل جن سے باہمی انتشار و افتراق نہیں ہونا چاہیے بس وہی ہیں جنہیں ائمہ سلف نے مانا ہے جو ان کے حدودِ آداب میں داخل رہا۔ اور مختلف وجوہ سے جوازِ اختلاف کے ان کے پاس دلائل تھے۔

۴۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے بہت سی عبادتوں کی ادائیگی کے تین درجے مقرر فرمائے ہیں۔ افضل، اختیار، جواز، یہ سارے درجے خدا کی بارگاہ میں مقبول ہیں لیکن ان کے مرتبے مختلف ہیں، بہت سے فرائض و واجبات کی متعدد صورتیں مذکورہ اقسام میں داخل ہیں جنہیں ان کے متعینہ افضل شرعی شکل میں ادا کیا جائے تو افضل ثواب کے ساتھ ان کی مقبولیت ہوتی ہے۔ مثلاً کوئی شخص اوّل وقت میں نماز باجماعت پڑھے اور اس کی ساری سنتیں ادا کرے۔ اس سے کم درجہ اختیار کا ہے یعنی متعلقہ فریضہ انجام دینا۔ جیسے کوئی شخص نماز پڑھے مگر اوّل وقت میں اسے نہ ادا کرے بلکہ اس میں کچھ تاخیر کر دے۔ تیسرا مرتبہ جواز کا ہے جس میں ...... اگر وہ کچھ اور تنگی کر دے تو نماز سے کوتاہی کرنے والوں میں اس کا شمار ہو جائے۔ حدیث میں ہے اچھے لوگوں کی نیکیاں مقربین کی برائیاں ہیں ...... اور اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ اپنے خیالات و معاملات کے فرق کے باجود لوگ اسلام کی سب سے اچھی مثالی صورت کو سامنے رکھ کر اس پر عمل کریں تو یہ کوئی آسان بات نہیں۔ اگر عبادت و اطاعت کے مراتب میں تفاوت نہ ہوتا تو جنت میں مسلمانوں کے درجات میں فرق نہ ہوتا۔ سارے انسانوں کی صلاحیتیں ان کی طاقتیں ایک دوسرے سے مخلف ہیں اور جس کے اندر جو استعداد ہے اسی کے مطابق

❶ الفواکہ العدیدہ از شیخ منقور: ۲/ ۱۸۱۔

وہ عمل کرتا ہے۔

ابن جریر طبری اپنی تفسیر میں یہ واقعہ نقل کرتے ہیں کہ کچھ لوگ مصر میں سیّدنا عبداللہ بن عمر سے ملے اور ان سے کہا بہت سی چیزیں ہم دیکھ رہے ہیں جنہیں کرنے کا حکم دیا گیا ہے مگر ان پر عمل نہیں کیا جاتا۔ اس لیے ہم اس سلسلے میں امیر المؤمنین سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد سیّدنا ابن عمر اور وہ سبھی لوگ سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملے۔ سیّدنا عمر نے پوچھا: کیسے آئے؟ انہوں نے کہا: ایسے ایسے آنا ہوا۔ آپ نے پھر پوچھا: اجازت لے کر آئے ہو؟ حسن راوی کہتے ہیں میں نہیں جانتا انہیں کیا جواب دیا گیا۔ پھر ابن عمر نے کہا: امیر المؤمنین! کچھ لوگ مصر میں مجھ سے ملے اور کہا کہ اللہ کی کتاب میں کچھ ایسے احکام جنہیں کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور ان پر عمل نہیں کیا جاتا۔ اس لیے انہوں نے اس سلسلے میں آپ سے ملنا چاہا ہے، آپ نے ان سے فرمایا: ان سب کو بلا لاؤ۔ چنانچہ میں نے انہیں اکٹھا کر دیا۔ اب آپ نے سب سے چھوٹے آدمی سے کہنا شروع کیا۔ میں اسلام کے واسطہ سے تمہیں قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ تم نے پورا قرآن پڑھا ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ کیا تم نے اپنے دل میں اسے پورا کیا ہے؟ (یعنی پورے قرآن پر عمل کیا ہے؟) اس نے کہا: نہیں۔ (اگر وہ ہاں کر دیتا تو اس سے بحث شروع ہو جاتی) پھر فرمایا: کیا تم نے اسے اپنی نگاہ اپنے لفظ اور اپنے اثر میں پورا کیا ہے؟ اس طرح ہر ایک سے آپ پوچھتے گئے اور کہا: عمر کو اس کی ماں کھوئے کیا تم اس پر ایسا بار ڈالنا چاہتے ہو کہ وہ ہر ایک کو کتاب اللہ کا عامل بنا دے؟ ہمارا رب خوب جانتا ہے کہ ہم انسانوں سے غلطیاں ہوتی ہوں گی اور پھر اس آیت کریمہ کی تلاوت کی:

﴿إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَ نُدْخِلْكُمْ مُدْخَلًا كَرِيمًا﴾ (النساء: ۳۱)

''اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچتے رہو جن سے تمہیں روکا گیا ہے تو ہم تمہارے گناہ بخش دیں گے اور تمہیں عزت و شرافت کی جگہ داخل کریں گے۔''

پھر پوچھا کیا اہل مدینہ جانتے ہیں۔ یا یہ فرمایا کہ...... کیا اس سلسلے میں تمہاری آمد کا اہل

مدینہ کو علم ہے۔ ان سب نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: اگر وہ جان جاتے تو تمہارے ذریعہ میں انہیں نصیحت کرتا۔ یعنی آپ انہیں سزا دیتے تاکہ دوسروں کے ذریعہ انہیں عبرت و موعظت ہو۔

اس میں سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ہمیں واضح درس دیا ہے کہ افضل صورت وہی ہے جو مسلمانوں کے لیے قرآنِ عظیم نے پیش کی ہے اور اسی مثالی صورت پر حتی الامکان ہر مسلمان کو عمل کرنا چاہیے لیکن وہ ایسا نہ کر سکے تو یہ سمجھے کہ اللہ کی رحمت بڑی وسیع ہے اور اگر وہ کبائر سے بچتا رہے تو ان شاء اللہ اسے بھی بھلائی کا بہت حصہ ملے گا لیکن اس کی ہمیشہ یہ کوشش ہونی چاہیے کہ افضل صورت کا عامل اور اس کا پابند ہو سکے اور ادنیٰ درجہ پر قانع ہو کر وہیں پڑا رہ جائے۔

۵۔ موجودہ دور میں اسباب اختلاف کم کرنے اور اس کے آداب سے مزین ہونے اور اس پر مضبوطی سے عمل کرنے میں یہ چیز کافی معاون ہوسکتی ہے کہ فقہاء و اسلاف کرام کے اسباب اختلاف اور ان کی معقولیت کا صحیح علم و معرفت حاصل ہو جائے کیونکہ ان کے اختلافات اپنے موضوع کی معقول بنیادوں پر قائم ہوا کرتے تھے اور وہ حضرات مجتہد تھے۔ جن کا ہر فرد طلب حق کی راہ میں گم شدہ حکمت کا جویا ہوتا اور اس کے نزدیک اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ وہ گم شدہ حکمت اس کے ذریعہ یا اس کے کسی بھائی کے ذریعہ ثابت اور ظاہر ہو رہی ہے۔

۶۔ آدابِ اختلاف پر ثابت قدمی سے عمل کرنے میں یہ بات بھی مفید ہوسکتی ہے کہ مسلمان ان تباہ کن خطرات، ہولناک چیلنجوں اور سازشی منصوبوں سے اچھی طرح آگاہ ہو جائیں جو اعداء اسلام نے دعوتِ دین کے علمبردار مسلم نوجوانوں کے لیے تیار کر رکھے ہیں۔ دشمنانِ اسلام کو اس سے بحث نہیں کہ کون سی جماعت یہ کام کر رہی ہے بلکہ مسلک اور نقطۂ نظر کے اختلاف کے باوجود وہ ہر داعیٔ اسلام کا خاتمہ چاہتے ہیں۔ ان اُمور و خیالات سے واقفیت کے بعد بھی مسلمانوں میں اختلاف کی آگ بھڑکانا یا اس

کے اسباب کو بڑھاوا دینا۔اہداف و مقاصد اُمت کے ساتھ زبردست خیانت ہے اور ایسا عظیم جرم ہے جس کا کوئی جواز نہیں ہوسکتا اور نہ کسی حال میں کوئی عذر قابل قبول ہوگا۔

۷۔ اوّل وآخر سب سے ضروری چیز یہ ہے کہ ظاہری و باطنی ہر طرح اللہ کی خشیت وتقویٰ اس کے دل میں ہو۔ اتفاق و اختلاف ہر حالت میں اس کی خوشنودی کا طلب گار رہے۔ دینی بصیرت وتفقہ ،نفسانیت سے اجتناب اور شیطانی وسوسوں سے ہمیشہ دُور رہنے کا خواہاں اور اس ابلیس کی راہوں اور اس کی چالوں سے باخبر رہ کر اس کے جال میں پھنسنے سے بچتا رہے۔

اس اُمت کے ساتھ جو حادثات ہوئے ہیں وہی بہت ہیں۔اب وقت آ گیا ہے کہ راہِ راست پر آ کر کتاب الٰہی سے روشنی حاصل کرے اور سنت رسول (ﷺ) پر مضبوطی کے ساتھ عمل پیرا ہو جائے۔شاید اللہ تبارک وتعالیٰ اس نسل کے صالح فرزندوں کے ذریعہ اُمت مسلمہ کو مشکلات ومصائب سے نجات بخش دے۔ بشرطیکہ اس شب ورماندگی ور بے راہ روی میں طویل مدت تک سرگرداں رہنے کے بعد خدا کی راہ میں وہ اخلاص نیت کے ساتھ کام کرے اور ایسے مناسب راستے اختیار کرے جو اس کے کاروانِ دعوت کو ساحلِ امن وسلامتی تک پہنچانے کا ضامن ہو۔

صالحین اُمت کو داعیانِ حق وایمان کی ہدایت و اعتدال اور توفیق خیر کی دعائیں دینی چاہئیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سے ہماری دُعا ہے کہ وہ ہمیں نفع بخش علم عطا فرمائے۔اپنے عطا کردہ علم سے منافع وفوائد سے نوازے اور اس میں اضافہ فرماتا رہے۔حق بات پر ہم سب کو متحد ومتفق رکھے ۔ہمیں اپنے سارے معاملات میں رشد و ہدایت مرحمت فرمائے، برائیوں سے بچائے اور مضبوط ومستحکم ہونے کے بعد ہمارا شیرازہ منتشر نہ ہونے دے۔حق سبحانہ وتعالیٰ ایسا کرم فرما سکتا ہے اور وہی اس پر قادر ہے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

نقوشِ راہ

آج جب کہ ہمارے سبھی مسائل و معاملات اختلاف و انتشار کا شکار ہیں، ایسے نازک دور میں ہمیں سکونِ قلب کے لیے اسی شجر سایہ دار کا سہارا لینا چاہیے اور انہیں مبارک آداب و اخلاق سے اپنے آپ کو مزین کرنا چاہیے جنہیں اسلاف کرام ہمارے لیے چھوڑ گئے۔ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لیے سنجیدہ کوشش کا صرف یہی ایک ذریعہ ہے۔ صالحین اُمت کو خطرہ ہوا کہ یہ اجتہاد کا دروازہ ایسے لوگوں کے لیے نہ کھل جائے جو اس کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ کیونکہ افتاء کا کام ایسے لوگ انجام دینے لگے تھے جو سلاطین و امراء کے زیر سایہ پروان چڑھے اور نفسانی ہواؤں کے طوفان میں نصوص کی گردنیں مروڑنے لگے تھے۔ کوئی سختی اور شدت روا رکھتا اور رخصت و اجازت کی راہیں نکالتا۔ اس لیے صلحاء اُمت نے جب اسلام اور مسلمانوں کے لیے خطرات محسوس کیے تو انہیں اس کا یہی علاج سمجھ میں آیا کہ راہِ نجات اور اُمت کی بھلائی کے لیے تقلید لازم کر دی جائے جو ایک مناسب علاج ہے اور المیہ بھی کہ اخلاص و دیانت کے فقدان نے رویّے تقلید تک پہنچا دیا۔ ائمہ مجتہدین کے سامنے ایسے اسباب تھے جن سے ان کے باہمی اختلاف کا جواز موجود تھا اور یہ اختلاف بھی اپنے اُصول و ضوابط کے دائرے میں ہوا کرتا۔ لیکن معاصرین کے اختلاف میں کوئی ایسی معقول وجہ نہیں جو ان کے یہاں پائی جاتی تھی کیونکہ یہ مجتہد نہیں بلکہ سب کے سب مقلد ہیں۔ وہ حضرات بھی انہیں میں شامل ہیں جو ترکِ تقلید کا بلند بانگ دعویٰ کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم مقلد نہیں۔ یہ دیکھ کر دل تڑپ اُٹھتا ہے کہ بعض مسلمان ہی اسلامی بیداری کے بال و پر نوچ رہے ہیں اور اسے بے ضابطہ اختلاف کی بیڑیاں پہنا رہے ہیں۔ کچھ مسائل سبب اختلاف بن سکتے ہیں لیکن کچھ ایسے بھی ہیں جو خود ہی ایک مدت سے مسلمانوں کو اُلجھائے ہوئے ہیں اور ان کی طاقت وقوت کو بہت زیادہ تباہ و برباد کر چکے ہیں۔ ان چیزوں کو مسلمانوں کے سامنے ایسا خلط ملط کر دیا گیا ہے کہ آسان اور سخت، معمولی اور اہم اور چھوٹے بڑے کی تمیز نہیں رہ گئی۔

اختلافی مسائل میں ذاتی میلانات ورجحانات کا اثر

تحریر

شیخ عبداللہ بن محمد الغنیمان

ساتویں فصل

اختلافی مسائل میں

ذاتی میلانات ورجحانات کا اثر

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِين ، وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى عَبْدِهٖ وَرَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ ، وَآلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْن

اتباعِ نفس، ہلاکت وگمراہی کا ایک اہم محرک:

ہلاکت وگمراہی کے اہم اسباب ومحرکات میں سے اتباع نفس ایک اہم محرک اور سبب ہے۔اس صفت سے ملوث آدمی کو یہ ہلاکت کی جگہوں کو لے جائے بغیر نہیں رہتی یہاں تک کہ اس کو جہنم رسید کر دیتی ہے۔

امام شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''نفس کا نام نفس اس وجہ سے ہے کہ وہ اپنے سے متصف کو جہنم تک پہنچا دیتا ہے۔'' ❶

امام شاطبی کا یہ قول شعبہ سے بھی مروی ہے۔ ❷

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں نفس کا تذکرہ بطورِ مذمت ہی کیا ہے۔ ❸ گمراہی کی جڑ اتباع نفس اور ظن ہے، ایسے لوگوں کی مذمت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

❶ دیکھیے: موافقات، امام شاطبی کی جلد چہارم۔

❷ دیکھیے: مقدمہ سنن دارمی، باب اجتناب اهل الاهواء اور لالکائی نمبر ۲۲۹۔

❸ امام شاطبی نے موافقات میں اس کا تذکرہ کیا ہے: ۱۱۵/۴۔

﴿إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنفُسُ وَلَقَدْ جَاءَهُم مِّن رَّبِّهِمُ الْهُدَىٰ ﴾ (النجم: ۲۳)

''حقیقت یہ ہے کہ لوگ محض وہم وگمان کی پیروی کر رہے ہیں اور خواہشات نفس کے مرید بنے ہوئے ہیں حالانکہ ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس ہدایت آ چکی ہے۔''

یہ صفت کفار کی ہے، جس آدمی کے اندر اس صفت کی جتنی مقدار پائی جائے گی اس کے اندر کفار کی متابعت اسی کے بقدر مانی جائے گی۔ اپنے نبی برحق حضرت محمد ﷺ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ ○ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ ○ وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ○ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ○﴾ (النجم: ۱ تا ٤)

''قسم ہے تارے کی جب وہ غروب ہوا، تمہارا رفیق نہ بہکا ہے نہ بھٹکا ہے۔ وہ اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتا، یہ تو ایک وحی ہے جو اس پر نازل کی جاتی ہے۔''

آپ کی ذاتِ گرامی کو گمراہی وہلاکت سے پاک قرار دیا گیا ہے۔ یہ دونوں ظلمت و جہالت ہیں۔ گمراہ اسی کو کہیں گے جو حق سے بے بہرہ ہو، اور غاوی جو اپنے نفس کی اتباع کرتا ہو۔

اس آیت میں یہ بھی خبر دی گئی ہے کہ آپ خواہش نفس کے مطابق کچھ نہیں کہتے بلکہ یہ تو وحی ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر کی جاتی ہے، لہٰذا آپ کو علم سے متصف اور خواہش نفس سے پاک قرار دیا۔ ❶

بندۂ نفس کا گمراہ ہونا ضروری ہے۔ یہ گمراہی علم کی وجہ سے بھی ہو سکتی ہے اور جہالت کی وجہ سے بھی۔ واقعہ یہ ہے کہ اکثر و بیشتر خواہش نفس کی خاطر علم کو ترک کر دیا جاتا ہے، اس وقت ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ تاریکی میں ڈوب جائے۔ یہ تاریکی قول کی ہو یا فعل کی، کیونکہ اس کا نفس اس کو نابینا بنا چکا ہے۔

---

❶ ملاحظہ ہو: فتاویٰ ابن تیمیہ: ۳/ ۳۸٤۔

اسی وجہ سے اسلاف نے ایسے لوگوں کی ہم نشینی اختیار کرنے سے روکا ہے۔ ابو قلابہ فرماتے ہیں: نفس کے بندوں کی ہم نشینی مت اختیار کرو اور نہ ان سے منادلہ کرو میں اس خدشہ سے مطمئن نہیں ہوں کہ وہ تم کو اپنی گمراہی میں ڈبو دیں گے یا تمہاری معلومات میں اشتباہ پیدا کر دیں گے۔ ❶

مزید فرماتے ہیں: ''نفس کے بندوں کی ہم نشینی مت اختیار کرو۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر تم ان کی طرح گمراہ نہ ہو سکے تو کم از کم وہ تمہاری معلومات کو مشتبہ کر دیں گے۔'' ❷

یعنی خواہش نفس کا اتباع کرنے والا برائی سے محفوظ نہیں ہوتا۔

بندۂ نفس یا تو اپنے نفس کے برخلاف کام کرکے اس کے عمل کو باطل قرار دے گا یا جس دین کو وہ برحق جانتا ہے اس میں شبہ پیدا کر دے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''نفس کے بندوں کی ہم نشینی نہ اختیار کرو کیونکہ ان کی ہم نشینی دلوں کو مریض بنا دیتی ہے۔'' ❸

ابراہیم نخعی فرماتے ہیں: ''نفس کے بندوں کی ہم نشینی مت اختیار کرو، کیونکہ ان کی ہم نشینی دلوں سے ایمان کی روشنی کو ختم کر دیتی، چہروں کی رونق کو سلب کر لیتی اور مومنوں کے دلوں میں بطورِ وراثت بغض ڈال دیتی ہے۔'' ❹

مجاہد فرماتے ہیں: ''بندۂ نفس کی ہم نشینی نہ اختیار کرو کیونکہ ان کے اندر عیب ہوتا ہے جیسا کہ خارش زدہ اونٹ کے اندر خارش کا عیب ہوتا ہے۔ ❺ یعنی جو ان سے قریب ہوتا ہے اس کو یہ بیماری لگ جاتی ہے جس طرح کہ خارش زدہ اونٹ کے قریب تندرست اونٹ ہو جائے تو اس کو یہ بیماری لاحق ہو جاتی ہے۔

---

❶ ابن بطہ نے ابانہ میں اس کی روایت کی ہے۔ نمبر ٣٦٣ ۔ لالکائی نمبر: ٢٤٤۔ دارمی : ١٠٨/١۔

❷ ابن بطہ نے ابانہ میں اس کی روایت کی ہے۔ نمبر : ٣٦٧۔

❸ ابن بطه : نمبر ٣٧١۔ ❹ ابن بطه : نمبر ٢٧٥۔

❺ ابن بطه : نمبر ٣٨٢۔

محمد بن علی فرماتے ہیں: ''جھگڑالو لوگوں کی مجلس مت اختیار کرو کیوں کہ یہ وہ لوگ ہیں جو آیات اللہ میں مشغول رہتے ہیں۔'' ❶ اس سے ان کی مراد مندرجہ ذیل آیت کا مصداق ثابت کرنا تھا:

﴿وَ قَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَ يُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖۤ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًاۙ﴾ (النساء: ١٤٠)

''اللہ اس کتاب میں تم کو پہلے ہی حکم دے چکا ہے کہ جہاں تم سنو کہ اللہ کی آیات کے خلاف کفر بکا جا رہا ہے اور ان کا مذاق اُڑایا جا رہا ہے تو وہاں نہ بیٹھو جب تک کہ لوگ کسی دوسری بات میں نہ لگ جائیں اب اگر تم ایسا کرتے ہو تو تم بھی انہیں کی طرح ہو، یقین جانو کہ اللہ منافقوں اور کافروں کو جہنم میں ایک جگہ جمع کرانے والا نہیں۔''

مصعب بن سعد فرماتے ہیں: ''فتنہ پرور کی ہم نشینی مت اختیار کرو کیونکہ ان کی ہم نشینی میں دو باتوں کا امکان ضروری ہے یا تو وہ تم کو آزمائش میں مبتلا کر دیں گے تو تم ان کا اتباع کرنے لگو گے ورنہ وہ تم کو ایذا پہنچائیں گے قبل اس کے کہ تم ان سے جدائی اختیار کرو۔'' ❷

یونس بن عبید فرماتے ہیں: ''میں تم کو تین باتوں کی ہدایت کرتا ہوں: (۱) بندۂ نفس سے اپنے کان کو نہ بھرو۔ (۲) بغیر محرم کے کسی عورت سے خلوت میں نہ ملو اگرچہ وہ قرآن پڑھ کر اس کا حوالہ ہی کیوں نہ دیتی ہو اور (۳) کسی امیر کے پاس ہرگز نہ جاؤ اگرچہ تم اس کو وعظ ہی کیوں نہ کرتے ہو۔'' ❸

---

❶ ابن بطه: نمبر ۳۸۳۔ دارمی: ۱/ ۱۱۰۔ لالکائی نمبر ۲۳۳۔

❷ ابن بطه: نمبر ۳۸۵۔

❸ ایضاً، نمبر ۳۸۷۔

ایوب سختیانی کو وصیت کرتے ہوئے ابو قلابہ فرماتے ہیں: ''اے ایوب! مجھ سے چار باتیں نوٹ کرلو: قرآن کے بارے میں اپنی رائے سے کچھ نہ کہو، تقدیر کی برائی سے بچو، جب صحابۂ کرام کا تذکرہ کیا جائے تو اپنی زبان کو روکے رکھو اور بندۂ نفس کو اپنے کان پر حاوی نہ ہونے دو، کیونکہ اس صورت میں وہ تمہارے کانوں میں جو چاہیں گے ڈالتے رہیں گے۔'' ❶

ابوالجوزاء فرماتے ہیں: ''اگر میرے گھر کے پڑوس میں میرے پڑوسی سور اور بندر ہوں تو وہ بہتر ہیں بہ نسبت اس کے کہ میرے پڑوسی بندۂ نفس ہوں۔ وہ تو اس آیت کے مصداق ہیں:

﴿وَإِذَا لَقُوكُمْ قَالُوٓا ءَامَنَّا وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ قُلْ مُوتُوا بِغَيْظِكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾

(آل عمران: ۱۱۹)

''جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے بھی (تمہارے رسول اور تمہاری کتاب کو) مان لیا ہے مگر جب جدا ہوتے ہیں تو تمہارے خلاف ان کے غیظ و غضب کا یہ حال ہوتا ہے کہ اپنی انگلیاں چبانے لگتے ہیں، ان سے کہہ دو کہ اپنے غصے میں آپ جل مرو، اللہ دلوں کے چھپے ہوئے راز تک جانتا ہے۔''

دجال کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث ایسے لوگوں پر بھی صادق آتی ہے۔ آپ نے فرمایا: ''جو دجال کے بارے میں سنے وہ کنارہ کشی اختیار کرے۔ بخدا آدمی اس کو مومن تصور کرتے ہوئے آئے گا اور اس کا اتباع کرنے لگے گا۔ جو وہ اپنے ساتھ شبہات لے کر بھیجا گیا ہوگا۔'' ❷

بندوں کے حق میں خصوصاً بچوں اور نوجوانوں کے حق میں متعین بات یہی ہے کہ وہ شبہہ اور جدال دین سے اپنے کو دور رکھیں۔ کیونکہ اس سے مزید خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔

---

❶ ابن بطہ: نمبر ۳۸۷۔ لالکائی نمبر ۲٤٦۔

❷ ابو داؤد، کتاب الملاحم، باب خروج الدجال، مسند احمد: ٤/٤٤١۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

ابن بطہ کہتے ہیں [1] کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص خروجِ دجال کے بارے میں سنے تو اپنی استطاعت کی حد تک اس سے بچنے کی کوشش کرے، بخدا آدمی اس کو مومن تصور کرتے ہوئے اس کے پاس آئے گا اور اس کے ساتھ رہنے لگے گا یہاں تک کہ شبہات کو دیکھتے ہوئے بھی اس کا اتباع کرنے لگے گا۔''

ابن بطہ کہتے ہیں کہ یہ صادق و مصدوق کا فرمان ہے۔ آدمی کو اپنے نفس سے حسن ظن اور صحت مذہب کی معرفت کا عہد اپنے دین کو خطرہ ڈالنے پر ہرگز نہ اُبھارے کہ وہ خواہش نفس کے بندوں کی ہم نشینی اختیار کرنے لگے، ان کی ہم نشینی اختیار کرنے کی تاویل اس طرح کرے کہ ان سے مداخلت اس وجہ سے کرتا ہوں تاکہ ان سے بحث و مناظرہ کروں یا ان کے مذہب کی صحیح راہنمائی کر سکوں کیوں کہ ان کا فتنہ دجال کے فتنے سے بڑا ہے، ان کی باتیں جرب سے زیادہ الصق ہیں۔ آگ کے شعلوں سے زیادہ دلوں کو جلانے والے ہیں۔ میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ بندۂ نفس پر لعنت بھیجتے رہے، اور ان کو بُرا بھلا کہتے رہے، ان کی باتوں کو ردّ اور تردید کرنے کے باوجود ان کی ہم نشینی اختیار کر لی۔ یہ قرابت برابر بڑھتی رہی۔ مسلسل ان کا مکر اور انکار پوشیدہ رہا یہاں تک کہ وہ ان کی طرف مائل ہو گئے۔

محمد بن سائب سنی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں جا کر صرف ان کی باتیں سنوں گا اور وہ ان کی باتوں کو دل میں اُتار کر اور اختیار کر کے ہی لوٹے۔ اس طرح کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں۔

ھوی :...... ہر اس کام کو کہتے ہیں جو حق کے خلاف ہو اور نفس کو اس میں لذت ملے۔ اقوال، افعال اور مقاصد کی طرف رغبت ہو۔ گویا جذبات کی طرف طبعی میلان کا نام ھویٰ ہے۔ یہ اپنے سے متصف شخص کو دنیا میں ہلاکت کی طرف اور آخرت میں نار جہنم کی طرف لے جاتی ہے۔

دوسروں سے اپنی تعریف و توصیف اور اپنی عظمت کے اظہار اور دوسروں کے برخلاف

---

[1] الابانہ: ٤٧٥، باب التحذیر من صحبة قوم یمرضون القلوب و یفسدون الایمان

اپنے لیے عہدہ و منصب کا طلب کرنا بھی ھویٰ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی مذمت ان کے اپنے خواہش نفس کی اتباع کی وجہ سے کی ہے۔ اس وجہ سے کہ وہ شریعت کو بدلنے اور وحی و رسول کے انکار کا جرم کر رہے ہیں۔ اس کا سبب خواہش نفس کا اتباع تھا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اَفَکُلَّمَا جَآءَ کُمْ رَسُوْلٌ بِمَا لَا تَھْوٰی اَنْفُسُکُمُ اسْتَکْبَرْتُمْ فَفَرِیْقًا کَذَّبْتُمْ وَ فَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ o﴾ (البقرہ : ۸۷)

''جب بھی کوئی رسول تمہاری خواہشات نفس کے خلاف کوئی چیز لے کر تمہارے پاس آیا تو تم نے اس کے مقابلے میں سرکشی ہی کی، کسی کو جھٹلایا اور کسی کو قتل کر دیا۔''

مزید فرمایا:

﴿لَقَدْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ وَ اَرْسَلْنَآ اِلَیْھِمْ رُسُلًا کُلَّمَا جَآءَ ھُمْ رَسُوْلٌ بِمَا لَا تَھْوٰٓی اَنْفُسُھُمْ فَرِیْقًا کَذَّبُوْا وَفَرِیْقًا یَّقْتُلُوْنَo﴾ (المائدہ : ۷۰)

''ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا اور ان کی طرف بہت سے رسول بھیجے مگر جب کبھی ان کے پاس کوئی رسول ان کی خواہشات نفس کے خلاف کچھ لے کر آیا تو کسی کو انہوں نے جھٹلایا اور کسی کو قتل کر دیا۔''

اتباع نفس، کفر و گمراہی کی جڑ ہے۔ ان دونوں کے مابین فرق بالکل واضح ہے۔ جو متبع نفس ہے وہ مذکورہ انجام تک پہنچے گا اور جو حق کی خلاف ورزی کرے گا وہ دو قسم کے حال سے خالی نہیں ہوگا یا تو وہ متبع نفس ہوگا یا ایسے ظن پر اعتماد کرنے والا ہوگا جو حق بات سے کچھ بھی بے نیاز نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَھْوَی الْاَنْفُسُ﴾ (النجم : ۲۳)

''حقیقت یہ ہے کہ لوگ محض وہم و گمان کی پیروی کر رہے ہیں اور خواہشات نفس

کے مریض بنے ہوئے ہیں۔''

اگر اس کا عقیدہ یہ ہو کہ بات اسی کی صحیح ہے اور اس کے حق میں اس کے پاس قابل غور دلیل ہو۔ اس کا مقصد بھی اتباع ظن ہوتا ہے، جو حق سے بے نیاز نہیں کر سکتا، اس کی دلیل چند فاسد شبہات ہوتے ہیں جو مجمل الفاظ اور مشتبہ معنوں سے مرکب ہوتے ہیں۔ جس کے حق و باطل میں تمیز نہیں کیا جا سکتا، لیکن جب حق کی تمیز باطل کے درمیان کر لی جاتی ہے تو اشتباہ زائل ہو جاتا ہے۔

یہ معلوم کر لینا ہم سب پر واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں انبیائے کرام کے قصوں کو ہمارے لیے بطورِ عبرت بیان کیا ہے، اس کی ہم کو ضرورت ہے اور اس میں حکمت ہے۔ عبرت اسی وقت ہوگی جب ہم اپنے اوپر واقع شدہ واقعات کو گزشتہ اقوام کے واقعات اور ان کے جزا و سزا پر قیاس کریں اگر چہ رسولوں کی تکذیب کرنے والوں کی طرح اکثر لوگوں کے نفوس نہیں ہیں پھر بھی ہم کو ان لوگوں سے عبرت حاصل کرنے کی ضرورت نہیں تھی ہم جس کے قول میں مشابہ ہیں اور نہ فعل میں یا نفس میں چھپی ہوئی بُری خصلتوں میں جو ہمہ وقت باہر نکل جانے کی تاک میں ہے، لیکن معاملہ وہ ہے جو اللہ نے فرمایا ہے:

﴿كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾

(البقرہ: ۱۱۸)

''ایسے ہی باتیں ان سے پہلے لوگ بھی کیا کرتے تھے۔ ان سب (اگلے پچھلے گمراہوں) کی ذہنیتیں ایک جیسی ہیں۔''

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ۝﴾ (الذاریات: ۵۲)

''یونہی ہوتا رہا ہے، ان سے پہلے کی قوموں کے پاس بھی کوئی رسول ایسا نہیں آیا جسے انہوں نے یہ نہ کہا ہو کہ یہ ساحر ہے یا مجنون۔''

نیز ارشاد ہے:

﴿مَا يُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَدْ قِيلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ﴾ (فصلت : ٤٣)

''اے نبیؐ! تم کو جو کچھ کہا جا رہا ہے اس میں کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جو تم سے پہلے گزرے ہوئے رسولوں کو نہ کہی جا چکی ہو۔''

مزید ارشاد ہے:

﴿يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ﴾ (التوبہ : ۳۰)

''ان لوگوں کی دیکھا دیکھی کرتے ہیں جو ان سے پہلے کفر میں مبتلا ہو گئے تھے۔''

یعنی ان کی بات مشابہ و مماثل ہے، ان کفار کے جو ان سے پہلے گذر چکے ہیں اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے سے پہلے لوگوں کا اتباع تیر کے پھل کے برابر کرو گے یہاں تک کہ اگر وہ گوہ کے سوراخ میں داخل ہوں گے تو تم بھی اس میں داخل ہو گے۔ صحابۂ کرام نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں؟ تو آپ نے فرمایا اور کون؟

قـذة :...... تیر کے پھل کو کہتے ہیں، اس کی مشابہت موجودہ دور کی بندوق کی گولی ہے جس کی ہر گولی دوسری کے مشابہ ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم ان کے افعال میں ہر طرح سے برابری کرنے لگو گے۔ دوسری حدیث میں ہے: قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہو گی یہاں تک کہ میری اُمت ایک صدی قبل کی باتوں کو بالشت در بالشت اور گز در گز اختیار کرنے لگے گی۔ آپ سے پوچھا گیا کہ مثلاً فارس اور روم۔ آپ نے فرمایا: اور کون لوگ ہوں گے مگر یہ لوگ۔ [1]

بکثرت لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اطاعت اور اتباع اوامر میں اللہ کے شریک ہیں بلکہ اس کی عظمت میں بھی شریک ہیں۔ اگر چہ وہ صراحت نہیں کرتے لیکن یہ خواہش ان کے دلوں میں جاگزیں ہوتی ہے۔ ظلم اور جہالت کی یہ انتہا ہے، ہر نفس کے اندر الا ماشاء اللہ کچھ نہ کچھ

[1] صحیح بخاری، کتاب الاعتصام، باب قول النبی صلی اللہ علیہ و سلم، لتتبعن سنن من کان قبلکم۔

اس کا شائبہ پایا جاتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ بندے کی مدد نہ کرے اور اس کو ہدایت نہ دے تو اس کے نفس سے اس کا ظہور ہو جائے اور وہ ان ہلاکتوں میں مبتلا ہو جائے جن میں ابلیس اور فرعون اپنی قوت اور سلطنت کے بقدر مبتلا ہو گئے تھے۔

بعض اسلاف کا کہنا تھا کہ کوئی نفس ایسا نہیں ہے جس میں یہ خصوصیات نہ ہوں سوائے اس کے کہ فرعون کو اس کے اظہار کی قدرت تھی تو اس نے ظاہر کر دیا اور دوسرے اس سے عاجز رہے اور چھپائے رکھے۔ ❶

عقل مند جب اپنے نفس کے مزاج اور لوگوں کے احوال سے واقف ہو جاتا ہے تو اس نتیجہ تک پہنچتا ہے کہ ہر آدمی اپنی قوت و حالت کی بہ نسبت بلندی اور اطاعت نفس کا متمنی ہوتا ہے، حسب امکان نفوس کے اندر اقتدار اور سر بلندی کی خواہش ہوتی ہے۔ ان میں سے کچھ لوگوں کو آپ پائیں گے کہ دوسرے جو لوگ ان کے مزاج کے موافق ہوتے ہیں ان سے دوستی کرتے اور جو ان کے مزاج کے خلاف ہوتے ہیں، ان سے عداوت رکھتے ہیں۔ ان کے معبود، ان کی تمنائیں اور خواہشات ہوتی ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿أَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ أَفَأَنتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا﴾

(الفرقان : ٤٣)

”کبھی تم نے اس شخص کے حال پر غور کیا جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا خدا بنا لیا ہو۔“

جو اس کے نفس کے مطابق ہو جاتا ہے، اس کی باتوں کو سنتا اور اس کی اتباع کرتا ہے تو وہ اس کا جگری دوست بن کر اس کے قریب ہو جاتا ہے اگر چہ وہ اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہی کیوں نہ ہو بلکہ وہ شرک اور کفر کا ارتکاب ہی کیوں نہ کر رہا ہو اور جو اس کے مزاج کے موافق نہ ہو تو وہ اس کا دشمن ہو جاتا ہے اگر چہ وہ اللہ سے ڈرنے والا اور اس کا دوست ہی کیوں نہ ہو۔ لوگوں کے مابین یہ بہت بڑا فرق ہے۔ اکثر مسلمان دوسروں سے اپنی اطاعت کا مطالبہ کرتے ہیں

❶ اس بات کا تذکرہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کیا ہے۔

چاہے ان کی اطاعت کرنے سے اللہ تعالیٰ کی معصیت ہی لازم آتی ہو، وہ ان کے نزدیک اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے والے کی بہ نسبت زیادہ پسندیدہ اور باعزت ہوتا ہے۔

بیشتر لوگوں کے دلوں میں اقتدار کی محبت پوشیدہ ہوتی ہے۔ جس کا انہیں شعور نہیں ہوتا، یہ خواہش ان کے اندر مخفی ہوتی ہے، وقت ضرورت یہ پوشیدہ جذبہ ظاہر ہوتا ہے اس وجہ سے اس کو ''الشھوات الخفیة ''یعنی پوشیدہ جذبات کہتے ہیں۔

شداد بن اوس اپنے ایک خطبہ میں کہتے ہیں: اے عرب کے باقی ماندہ لوگو! تمہارے بارے میں مجھے جو خوف سب سے زیادہ ستائے ہوئے ہے وہ یہ ہے کہ تمہارے اندر ریا اور شہوۃ خفیہ نہ آ جائے۔ ابو داؤد بجستانی سے پوچھا گیا کہ شہوت خفیہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: اقتدار کی محبت۔ یہ پوشیدہ رہ کر لوگوں کے دلوں میں رہتی ہے اور کبھی تو یہ اپنے سے متصف آدمی سے بھی پوشیدہ ہوتی ہے۔ ❶

شہوت خفیہ کی علامت یہ بھی ہے کہ آدمی کسی شخص سے دوسروں کی بہ نسبت زیادہ محبت کرے کہ وہ اس کی بایں طور تعظیم کرتا ہے کہ وہ اس کی باتوں کو بغور سنتا اور قبول کرتا ہے۔ اگرچہ اس کے مدمقابل دوسرا شخص اللہ تعالیٰ کا زیادہ اطاعت گزار اور متقی بندہ ہی کیوں نہ ہو۔ یہ بات اکثر لوگوں میں خصوصاً اہل علم میں زیادہ پائی جاتی ہے۔ آپ بعض اہل علم کو ایسا پائیں گے کہ وہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ان کی عظمت و اطاعت کرتے ہیں نہ کہ ان لوگوں کی عظمت و اطاعت کرتے ہیں جو علم و فضل میں ان کے ہم پلہ ہی کیوں نہ ہوں، اطاعت و عظمت کی تکمیل بات قبول کرنے اور اقتدا کرنے سے ہوتی ہے۔ اگرچہ اس کا غیر، زیادہ مطیع و فرماں بردار ہو۔ بسا اوقات آدمی اپنے شریک (علم و فضل میں) سے حسد اور کینہ کی وجہ سے عداوت کرنے لگتا ہے جیسا کہ یہودیوں نے آنحضور ﷺ کی بعثت کے وقت کیا تھا، حالانکہ آپ کی دعوت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کے مثل تھی۔ چنانچہ یہودیوں نے اس کا انکار کر دیا اور آپ سے عداوت کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

---

❶ دیکھیے: مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ: ۱۴/ ۳۴۶۔

﴿وَ اِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ اٰمِنُوۡا بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ قَالُوۡا نُؤۡمِنُ بِمَاۤ اُنۡزِلَ عَلَيۡنَا وَ يَكۡفُرُوۡنَ بِمَا وَرَآءَهٗ وَ هُوَ الۡحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمۡ قُلۡ فَلِمَ تَقۡتُلُوۡنَ اَنۡۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنۡ قَبۡلُ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۝﴾ (البقرہ: ۹۱)

''جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ اللہ نے نازل کیا ہے اس پر ایمان لاؤ تو وہ کہتے ہیں: ہم تو صرف اس چیز پر ایمان لاتے ہیں جو ہمارے ہاں (بنی اسرائیل میں) اُتری ہے۔ اس دائرہ سے باہر جو کچھ آیا ہے اسے ماننے سے وہ انکار کرتے ہیں حالانکہ وہ حق ہے اور اس کی تعلیم کی تصدیق و تائید کر رہا ہے جو ان کے ہاں پہلے سے موجود تھی۔''

جو اس صفت کا خوگر ہوتا ہے اس کے اندر ظلم وعدوان پیدا ہوتا ہے، اپنے نفس کی مخالفت کرنے والے کا یہ خلاف ہو جاتا ہے یا بسا اوقات وہ اس آدمی کے بھی خلاف ہو جاتا ہے جو واجبات یعنی علم کی نشر و اشاعت اور دعوت و تبلیغ کا کام کرتا ہے۔ وہ گویا اس کی نگاہ میں حق سے روکنے والا یا باطل کے ساتھ حق کو گڈ مڈ کرنے والا ہوتا ہے۔ جیسا کہ یہودی علماء کیا کرتے تھے۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لِمَ تَلۡبِسُوۡنَ الۡحَقَّ بِالۡبَاطِلِ وَ تَكۡتُمُوۡنَ الۡحَقَّ وَ اَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ۝﴾ (آل عمران: ۷۱)

''اے اہل کتاب! کیوں حق کو باطل کا رنگ چڑھا کر مشتبہ بناتے ہو کیوں جانتے بوجھتے حق کو چھپاتے ہو۔''

پھر آپ دیکھیں گے کہ ایسا آدمی اپنے مخالف کو نفرت آمیز القاب سے پکارنے لگتا ہے۔ یہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے مخالف ہے، ایسا صرف تفرقہ اور فتنہ برپا کرنے کی خاطر کرتا ہے، اپنے اس فعل سے وہ یہ تصور کرتا ہے کہ وہ اصلاح اور فساد کو دفع کرنے کا طریقہ اختیار کر رہا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿ذَرُوۡنِيۡۤ اَقۡتُلۡ مُوۡسٰى وَلۡيَدۡعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّيۡۤ اَخَافُ اَنۡ يُّبَدِّلَ دِيۡنَكُمۡ اَوۡ

اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ ○ ﴾ (المؤمن: ٢٦)

''چھوڑو مجھے میں اس موسیٰ کو قتل کیے دیتا ہوں اور پکار دیکھے اپنے رب کو، مجھے اندیشہ ہے کہ یہ تمہارا دین بدل ڈالے گا یا ملک میں فساد برپا کرے گا۔''

فرعون سمجھ رہا تھا کہ وہ اصلاح پسند اور دین کا محافظ ونگہبان ہے اور دین کو ردّ و بدل سے بچا رہا ہے لیکن موسیٰ زمین میں فساد اور دین میں تبدیلی کے خواہاں ہیں۔ اہل ھویٰ کے نزدیک حقائق ایسے ہی بدل جاتے ہیں۔ یہ لوگ زمین میں بلندیٔ رتبہ کے خواہاں ہوتے ہیں، فتنہ پرور ان کے نزدیک اصلاح پسند اور حقیقی معنوں میں اصلاح پسند فتنہ پرور ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا انکار اور ان کے بارے میں تنازعہ کھڑا کرنا ان کی دلیلیں ہوتی ہیں، جن کو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان سے ان کے دین کی حفاظت ونگہداشت کی جا سکے گی۔ اس کے بالمقابل اللہ کا دین قابل تغیر وتبدیلی ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ یہ لوگ عام انسانوں کی خواہش کے مطابق ترتیب بناتے ہیں، کسی کو اخوانی تو کسی کو سلفی اور کسی کو تبلیغی کہتے ہیں، اسی طرح کسی کو سروری اور خونجی بھی کہتے ہیں۔ مزید اسی طرح کے دوسرے ناموں سے بھی پکارے جاتے ہیں جن ناموں کے جواز میں اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نہیں اُتاری ہے اور نہ مسلمانوں کے دین میں اس کی گنجائش ہے۔ بلکہ یہ تو جاہلیت کا طریقہ، عصبیت کی باتیں اور فرقہ پرستی ہے۔

اگرچہ سلفی کا نام آثار میں ملتا ہے، اس لقب سے مقصود وہ لوگ ہیں جو صحابۂ کرام یا ان کی اقتدا کرنے والوں کا اتباع کرتے ہوں اس کے باوجود اگر وہ تعصب کا شکار ہو کر کسی ایک فرقہ کی طرف مائل ہو جائے تو یہ شریعت میں قابل نفرت ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ کی سیرت میں ایک واقعہ اس طرح کا ملتا ہے کہ ایک مرتبہ دو لڑکوں (ایک انصاری اور ایک مہاجر) نے آپس میں جھگڑا کر لیا، مہاجر لڑکے نے یا مہاجر کہہ کر اور انصاری نے یا انصار کہہ کر پکارا، یہ سن کر رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے اور فرمایا: یہ کیا اہل جاہلیت کی پکار ہے، اس طریقہ کو ترک کر دو، یہ بدبودار ہے۔ [1]

[1] صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب نصر الاخ ظالماً او مظلوماً۔

باجود اس کے یہ دونوں نام (مہاجرین اور انصار) قرآن میں آئے ہیں۔ نیز اللہ اور اس کے رسول کو یہ دونوں نام محبوب ہیں، لیکن اس کو بطورِ عصبیت استعمال کیا گیا تو کار جاہلیت قرار پایا، رسول اللہ ﷺ نے اس کے بارے میں خبردار کیا کہ یہ بدبودار ہے کیونکہ اس طرح کی پکار افتراق و انتشار کی طرف دعوت دیتی ہے۔

تقریباً یہی صورتِ حال جب بدر کے دن حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا، انہوں نے ایک مشرک کو تیر مارا اور للکارا کہ پکڑو اس کو، اس کو نہیں معلوم کہ میں سلمان فارسی ہوں، رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا کہ اس طرح کہو: انا الرجل المسلم میں مسلمان مرد ہوں۔ ❶

اسی طرح ایک اور مثال شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے بھی پیش کی ہے۔ وہ حضرت معاویہ بن ابو سفیان سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ تم ملت علی پر ہو یا ملت عثمان پر؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں ملت علی پر ہوں اور نہ ملت عثمان پر ہوں بلکہ میں ملت رسول اللہ ﷺ پر ہوں۔ ❷

شیخ الاسلام رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں کہ اسلاف میں ہر شخص کہا کرتا تھا کہ ہر بندۂ نفس دوزخ میں ہوگا، بعض کہتے تھے کہ مجھے نہیں معلوم کہ ان دو نعمتوں میں سے کون سی نعمت بڑی ہے۔ اسلام کی ہدایت یا اہل اھواء سے اجتناب۔ ❸

اُمت کے درمیان اور اس حکم کے درمیان جو اللہ نے اور اس کے رسول نے دیا ہو، تفریق پیدا کرنا جائز نہیں۔ مثلاً کسی آدمی سے یہ کہا جائے کہ تم شکیلی یا فرقندی ہو، کیونکہ یہ باطل نام ہیں، اس کے برحق ہونے کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نہیں اُتاری ہے، کتاب وسنت اور معروف ائمہ سلف کے اقوال میں کہیں شکیلی و فرقندی کا تذکرہ نہیں ملتا ہے بلکہ کہنا تو یہ چاہیے کہ میں کتاب وسنت کا متبع اور مسلمان ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں

❶ ابو داؤد، کتاب الادب، باب فی العصبیة۔

❷ ابن بطه، الابانه نمبر ۲۳۸۔ لالکائی نمبر ۱۳۳۔ ❸ دارمی: ۱/۹۲۔

مسلمان مومن کو اپنا بندہ کہا ہے، ہم ان ناموں سے انحراف نہیں کر سکتے جن سے اللہ تعالیٰ نے ہم کو پکارا ہے اور ان ناموں کی طرف نہیں جا سکتے جنہیں بعد کی قوموں نے ایجاد کیا کہ ان کے آباؤ واجداد ان ناموں کو پکارتے تھے۔ ان ناموں کی وجہ سے کسی کو آزمائش میں ڈالنا اور ان سے دوستی نہ کر کے دشمنی کرنا جائز نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مخلوق میں زیادہ باعزت وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کا زیادہ تقویٰ اختیار کرنے والا ہو، اس کا تعلق کسی بھی جماعت سے ہو۔ [1]

دینی معاملہ میں گفتگو کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ اس کی نیت خالص ہو اور حق کا متلاشی ہو، اتباع ھویٰ کے برخلاف نفس پر مجاہدہ سے غالب ہو اور نفس کے دنیاوی فائدوں کی طرف میلان بھی غالب نہ ہو۔ دنیوی فائدہ مثلاً تعریف پسندی، اس کا اظہار، کثرتِ اتباع یا اس سے بھی گئی گذری صفتیں اور دنیاوی ساز و سامان کا حصول ہے۔

جماعتوں اور افراد کے اکثر اختلاف کو دیکھنے سے بظاہر محسوس ہوتا ہے کہ دونوں عدل و انصاف کے طالب ہیں اور انحراف سے نالاں۔ ان اختلافات کا تعلق چاہے علمی مسائل سے ہو یا عمل و توجہ کے میدان سے، اس کی محبت حقیقت میں عبادتِ نفس اور اتباع ھویٰ کی محبت ہوتی ہے یا اس اس کے بُرے اور پست مقاصد ہوتے ہیں حالانکہ اس کو معلوم ہوتا ہے کہ آدی کا نفس اس کو اندھا اور بہرہ بنا دیتا ہے اور اللہ کے راستے سے گمراہ کر دیتا ہے اور کبھی ان اختلافات کا رُخ شخصیت کی طرف مڑ جاتا ہے یا کسی اور متعین پست مقاصد کی طرف۔ اگرچہ اس پر دینی غیرت کا غلاف اور اظہارِ حق کا ارادہ ہوتا ہے لیکن واقعہ اس کے خلاف ہوتا ہے۔

جس کی صفات یہ ہوں اور جو مندرجہ ذیل قول رسول کے طرز پر چلے۔

دینار و درہم اور پیٹ و جسم کا بندہ ہلاک ہو، اگر اس کو عطا کیا جائے تو راضی برضا رہتا ہے اور نہ عطا کیا جائے تو ناراض ہو جاتا ہے۔ وہ ہلاک ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی ہلاکت میں ڈالتا ہے۔ [2]

---

[1] مجموع فتاویٰ ابن تیمیه : ٤١٥/٣۔

[2] صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب الحراسة فی الغزو فی سبیل اللّٰه۔

وہ ان چیزوں کا بندہ ہے کیوں کہ اس کی بدولت اس کا کام ہے، اسی وجہ سے وہ خوش اور ناراض ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر اس کو عطا کیا جائے تو خوش ہوتا ہے اور روک لیا جائے تو ناراض ہوتا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ صاحب ھویٰ اپنے نفس کی عبادت کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اَفَرَاَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ﴾

(الجاثیه: ۲۳)

''پھر کیا تم نے کبھی اس شخص کے حال پر غور کیا جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا خدا بنا لیا اور اللہ نے علم کے باوجود اسے گمراہی میں پھینک دیا اور اس کے دل اور کانوں پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا، اللہ کے بعد اب اور کون ہے جو اسے ہدایت دے۔''

سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ صحیح روایت جو ان تین اشخاص کے بارے میں ہے، کہ جہنم ان کے ذریعہ بھڑکائی جائے گی:

۱۔ جس نے علم اس وجہ سے حاصل کیا تا کہ اس کو قاری و عالم کہا جائے۔

۲۔ جس نے اس مقصد سے جہاد کیا تا کہ اس کو بہادر اور پہلوان کہا جائے۔

۳۔ جس نے اس مقصد سے صدقہ کیا تا کہ اس کو سخی اور فیاض کہا جائے۔ [1]

ان لوگوں کا مقصد صرف یہ تھا کہ لوگ ان کی تعریف کریں، ان سے رتبہ حاصل کریں اور ان کی تعظیم کریں، اپنے ان افعال سے انہوں نے اللہ کی رضا حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی اگرچہ ان کی ظاہری صورتیں اچھی تھیں۔

دُوسری روایت میں ہے: جس نے علم اس لیے حاصل کیا کہ وہ علماء پر فخر کرے کم عقلوں سے مناظرہ کرے یا اس کے ذریعہ سے لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائے، اس کے اس

[1] صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب من قاتل للریاء والسمعة ۔ ترمذی، باب الزھد ۔ مسند احمد: ۲/ ۳۲۱۔

طرزِ عمل کی وجہ آگ کا عذاب ہوگا۔ ❶

علماء پر فخر یہ ہے کہ وہ لوگوں سے اس بات کا اظہار کریں کہ ان کو وہ باتیں معلوم ہیں جو دوسروں کو معلوم نہیں اور معانی و مسائل میں ان کو درک حاصل ہے جس سے دوسرے واقف ہیں۔ مزید یہ کہ وہ لوگوں کو ردّ کر سکتے ہیں اور غلطی واضح کر سکتے ہیں۔ رہا بے وقوف سے جھگڑا کرنا، تو بے وقوفی میں ان سے جھگڑا کرنا مراد ہے اور لوگوں کی توجہ اپنی طرف پھیرنے سے مراد ان کی تعریف وتوصیف کا مطالبہ کرنا ہے کہ لوگ اس حیثیت سے اس کی تعریف کریں کہ وہ عالم دین ہے، اس طرح وہ اپنے عمل سے جہنم کے قریب ہوتا چلا جاتا ہے۔

دوسری روایت میں ہے: جس نے علم اس وجہ سے حاصل کیا کہ اس کو اللہ کی رضا حاصل ہو اگر اس کا مقصد دنیا حاصل کرنا ہے تو جنت کی خوشبو تک نہیں پا سکے گا۔ ❷ اگرچہ اس کی خوشبو پانچ سو سال کی مسافت سے ہی محسوس کی جائے گی۔ ❸

ابوعثمان نیشاپوری نے کہا کہ جس نے قول وفعل سے اپنے نفس پر سنت کو حاوی کر لیا اس نے حکمت کی بات کی اور جس نے قول وفعل سے اپنے نفس پر خواہش کو غالب کر لیا اس نے بدعت کی راہ اختیار کی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا﴾ (النور:)

''اگر تم اس کی اطاعت کرو گے تو خود ہی ہدایت پاؤ گے۔'' ❹

خواہش کا اتباع ایک قسم کا شرک ہے جیسا کہ بعض سلف کہا کرتے تھے: روئے زمین پر

---

❶ ابو داؤد، كتاب العلم، باب في طلب العلم لغير الله ، ابن ماجه ۔ مقدمه تصحيح الالباني ۔ مسند احمد : ٢/ ٣٣٨۔

❷ یہ اضافہ مؤطا امام مالک کا ہے، دیکھیے: كتاب اللباس، باب ما يكره للنساء لبسه ۔

❸ ترمذی ، ابواب العلم، باب فیمن یطلب بعلمه الدنیا۔ مقدمه ابن ماجه ، علامہ ناصر الدین الالبانی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ مقدمه دارمی ، باب التوبيخ لمن يطلب العلم لغير الله : ١/ ١٠٢۔

❹ ملاحظہ ہو: شاطبی ، کتاب الاعتصام ، ص: ٧٢۔ مطبوع دار الكتب الاسلاميه۔

بُرا معبود خواہش ہے۔ یہ انسان کو راہِ راست معلوم ہونے کے باوجود بھی گمراہ کر دیتا ہے۔ جب خواہش نفس میر کارواں اور مدافعت کرنے والا ہو تو اس کے اصحاب مختلف جماعتوں میں بٹ جائیں گے، ان میں سے ہر ایک اپنی رائے کے ساتھ تعصب کا برتاؤ کرے گا اور اپنے مخالفین سے دشمنی اختیار کرے گا۔ حق بات واضح ہونے کے باوجود بھی وہ اس کو اختیار نہیں کرتا کیوں کہ ان کا مطلوب حق ہوتا ہی نہیں، اسی وجہ سے وہ ذلیل وخوار ہوتے ہیں، ان کی قوت جاتی رہتی ہے اور ہر کام کی ابتداء ہی میں ان کو بزدلی لاحق ہو جاتی ہے کیوں کہ وہ گروہ در گروہ بٹ چکے ہوتے ہیں، ان کی خواہشات حکم دینے لگتی ہیں، اسی وجہ سے آپ ان کے اندر یہ اوصاف پائیں گے کہ جب ان میں سے کسی کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کا مخالف کسی مسئلہ یا موضوع پر بحث کر رہا ہے تو وہ صحیح بات کی پرواہ اور اس پر غور کیے بغیر اس کی تردید کی طرف لپک پڑتا ہے بلکہ اس مقصد سے ہی چشم پوشی کر لیتا ہے، اپنی استطاعت کے مطابق اپنی رائے نافذ کرنے اور مخالف کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اگرچہ اس کا موقف کمزور ہوتا ہے اور دشمن کو زیر کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ اسلام جس چیز کو واجب قرار دیتا ہے وہ یہ ہے کہ مباحثہ کے وقت مخالف کے دلائل سے واقف رہا جائے اور اس کا موازنہ کتاب وسنت سے کیا جائے۔ نزاع کی یہی آخری حد ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

(النساء: ٦٥)

"نہیں اے محمد ﷺ! تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں۔ پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں وہ کوئی تنگی نہ محسوس کریں بلکہ سربسر تسلیم کر لیں۔"

اللہ تعالیٰ نے اس شخص سے ایمان کی نفی کر دی ہے جو کتاب وسنت کو اپنے یا دوسروں کے اختلاف میں فیصلہ کن تصور کرتا ہو مگر بغیر کسی دلی تنگی اور جز بز کے اس کے حکم کو تسلیم نہ

کرے بلکہ اس کے حکم پر رضا مند ہو اور مطلقاً اس کو مان لے ورنہ اس کو مومن تصور نہیں کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ (النساء : ٥٩)

''پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیرو، اگر تم واقعی اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔''

اس آیت نے ہر نزاعی معاملہ کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹانے کو واجب قرار دیا ہے اس لیے اس آیت میں ''فی شیء'' عربی قواعد کے لحاظ سے نکرہ ہے جو معمولی نزاع کو بھی شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ نزاع کے وقت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرنا ایمان کا تقاضا ہے، جب نزاعی معاملہ میں فیصلہ کے لیے کتاب وسنت کی طرف رجوع نہ کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ایسا کرنے والا ایمان سے خالی ہے۔ اس مفہوم کی صراحت سابقہ آیت میں بطورِ مفہوم مخالف کے کی جا چکی ہے۔ (1) اللہ کی طرف رجوع کا مطلب اس کی کتاب کی طرف رجوع ہے۔ اور رسول کی طرف رجوع کا مطلب اس کی سنت کی طرف رجوع ہے۔ اس مفہوم پر علماء کا اجماع ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝﴾ (النور: ٦٣)

''رسول (ﷺ) کے حکم کے خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرنا چاہیے کہ وہ کسی فتنے میں گرفتار نہ ہو جائیں یا ان پر دردناک عذاب نہ آ جائے۔''

یعنی جو شخص ظاہر و باطن میں اپنے قول و عمل سے رسول کا اتباع نہیں کرتا ہے اس کو ڈرنا چاہیے کہ کہیں اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر نہ لگا دے اور اس کے بُرے عمل کو مزین کر دے کہ وہ

(1) یعنی سورۂ نساء، آیت : ٦٥ فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك۔

اس کو اچھا سمجھتا رہے اور بُرائی پر بُرائی کر کے اس میں مزید اضافہ کرتا رہے یا اس کو اللہ تعالیٰ کا دردناک عذاب آ دبوچے جس سے اس کو چھٹکارا نہ ملے اور اس کے ساتھ آخرت میں ذلت و رسوائی کا جو عذاب اس کے لیے تیار کیا گیا ہے اس سے بھی دوچار ہو۔

ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (1) یعنی جو شخص شریعت کی ظاہری و باطنی مخالفت کرتا ہے اس کو ڈرنا اور پرہیز کرنا چاہیے ﴿أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ﴾ کہ اس کو آزمائش نہ لاحق ہو جائے یعنی اس کے دل میں کفر، نفاق اور بدعت جیسی خرابی نہ پیدا ہو جائے ﴿أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ مثلاً دنیا میں بذریعہ قتل نفس، حد اور قید وغیرہ سے دوچار ہونا پڑے، پھر انہوں نے (ابن کثیر) بخاری و مسلم کی مندرجہ ذیل حدیث نقل کی ہے: میری اور دیگر لوگوں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے آگ روشن کی جب اس کا ماحول روشن ہو گیا، کیڑے اور پتنگے اس میں گرنے لگے، آدمی ان کو نکالنے لگے تو وہ اس پر غالب آ جائیں اور اس میں گر جائیں۔ (اسی طرح) میں تمہاری کمر کو پکڑے ہوئے آگ سے بچا رہا ہوں اور تم ہو کہ اس میں گرے جا رہے ہو۔ (2)

مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں اس حدیث کا نقل کیا جانا واضح ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو بھی رسول کے حکم سے عدولی کرے گا، وہ اپنے نفس کو جہنم میں داخل کرے گا، انسان کو بچنا چاہیے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ شیطان یا اس کا نفس خلاف شرع کے اتباع کو مزین کر کے بہتر صورت میں پیش کرے اور اس کے ہاتھ کو مضبوطی سے پکڑے رہے یہاں تک کہ وہ دن آ جائے جس دن کہ آدمی کے سینوں کی باتیں واضح ہو جائیں گی۔

بہر حال اس کا مقصد نزاع کو دبا دینا اور ختم کر دینا ہے تاکہ اس کی دولت اتحاد و اتفاق حاصل ہو سکے۔ اسلامی شریعت کا بڑا مقصد یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ

---

(1) سورۃ النور، آیت ۶۳ کی تفسیر میں۔

(2) صحیح بخاری، كتاب الرقاق، باب الانتهاء عن المعاصي ـ صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب شفقة النبي صلى الله عليه وسلم على أمته ـ

مُّسۡلِمُوۡنَ ﴾ (آل عمران : ۱۰۲)

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔''

ارشاد ہے:

﴿وَ اَمَّا الَّذِیۡنَ ابۡیَضَّتۡ وُجُوۡهُهُمۡ فَفِیۡ رَحۡمَةِ اللّٰهِ ؕ هُمۡ فِیۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴾ (آل عمران : ۱۰۷)

''رہے وہ لوگ جن کے چہرے روشن ہوں گے تو ان کو اللہ کے دامن رحمت میں جگہ ملے گی اور ہمیشہ وہ اس حالت میں رہیں گے۔''

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَصۡلِحُوۡا ذَاتَ بَیۡنِكُمۡ ﴾ (الانفال : ۱)

''تم لوگ اللہ سے ڈرو اور اپنے آپس کے تعلقات درست کرو۔''

مزید ارشاد فرمایا:

﴿وَلَا تَكُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُشۡرِكِیۡنَ ۙ مِنَ الَّذِیۡنَ فَرَّقُوۡا دِیۡنَهُمۡ وَ كَانُوۡا شِیَعًا﴾ (الروم: ۳۱، ۳۲)

''اور نہ ہو جاؤ ان مشرکوں میں سے جنھوں نے اپنا اپنا دین الگ بنا لیا ہے اور گروہوں میں بٹ گئے ہیں۔''

نیز ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ فَرَّقُوۡا دِیۡنَهُمۡ وَ كَانُوۡا شِیَعًا لَّسۡتَ مِنۡهُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ﴾

(الانعام : ۱۵۹)

''جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے، یقیناً ان سے تمہارا کوئی واسطہ نہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ بایں طور کہ اس کے اوامر

کی بجا آوری اور نواہی سے اجتناب کیا جائے، دین پر برضا و رغبت قائم رہا جائے۔ خیر کے کاموں میں تعاون کیا جائے، اس کے احکام کے سامنے سرنگوں ہوئے اور معصیت سے دُور رہ کر اسلام کی حالت میں مرنے کی فکر کی جائے۔ کیونکہ سچا مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہ بھی حکم دیا ہے کہ وہ اس کے دین کو مضبوطی سے پکڑے رہیں، فرقہ بندی، اختلاف اور تنازع سے دُور رہیں۔ یہ خرابیاں دشمنی اور قطع رحمی کی طرف دعوت دیتی ہیں۔ پھر اس کے نتیجہ میں بزدلی، کمزوری اور دشمنی کا تسلط لازم آتا ہے۔ بندے اس کے نام پر شکر ادا کریں کہ اس نے اپنے دین پر قائم رہنے اور اخوت و محبت کی نعمت سے نوازا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مزید یہ حکم دیا ہے کہ لوگ خیر اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے داعی بنیں، فرقہ بندی کے نقصانات اور اس سے مرتب ہونے والی دشمنی، باہمی بغض و قتال کا تذکرہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرقہ بندی سے روکا ہے جیسا کہ ماقبل کے لوگوں کے ساتھ یہ پیش آچکا ہے، ان کے حالات سے عبرت پکڑنا ہمارے لیے لازم ہے تاکہ ہم کو وہ مصائب نہ لاحق ہوں جن سے وہ دوچار ہو چکے ہیں۔ جو شخص اس برائی کا مرتکب ہوگا، اپنے رب سے ملاقات کے وقت یا انصاف ملنے کے یقین ہو جانے کے وقت (قیامت کے دن) اس کا چہرہ سیاہ ہوگا حالانکہ اس دن حق پرستوں اور ان لوگوں کے چہرے روشن ہوں گے، جو فرقہ بندی اور اختلاف سے ہٹ کر صرف کتاب اللہ کو لازم پکڑنے والے تھے، ان کو حق کی معرفت تھی اور اس پر جمے ہوئے تھے۔ باطل کی قباحتوں اور اس پر چلنے والوں کے بُرے انجام سے واقف ہو کر اس سے دُور رہے۔ یہ تمام باتیں اجتماعیت اور اُلفت و محبت کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں اور فرقہ بندی و اختلاف کی تمام صورتوں کو حرام قرار دیتی ہیں۔ جس کے اندر چور دروازہ پیدا ہو گیا وہ اجتماعیت سے خارج ہو جائے گا۔ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے والا ہوگا اور اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کرنے والا ہوگا۔ گمراہوں اور خواہشات کے بندوں کی یہی علامت ہے۔

اہل علم کا معاملہ یہ ہے کہ وہ بعض علمی مسائل میں اختلاف کرتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی

باہم محبت کرنے والے، حق پر قائم اور حبل اللہ (قرآن) کو مضبوط پکڑنے والے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ بعض صحابۂ کرام بعض شرعی معاملات میں اختلاف کیا کرتے تھے، لیکن اس اختلاف کی وجہ سے وہ فرقہ بندی کی طرف نہیں جاتے تھے اور مختلف گروہ بندی نہیں کرتے تھے کہ ہر گروہ دوسرے کا دشمن ہو جاتا۔ جس طرح کہ عصر حاضر کے اکثر اہل علم کرتے ہیں۔ صحابۂ کرام اختلاف کے وقت فرقہ بندی کی طرف اس وجہ سے نہیں جاتے تھے کہ وہ کتاب وسنت کو مضبوطی سے پکڑنے والے ہوتے تھے۔ ان کا اختلاف ان استنباط اور شریعت کی کلیات ونصوص کی فکر میں ہوتا تھا جن میں ان کو کوئی نص صریح نہیں ملتا تھا۔ ان کے اس طرزِ عمل پر تعریف کی گئی اور اجر سے نوازا گیا۔ صحابۂ کرام کے مابین اختلاف کے چند نمونے ملاحظہ ہوں۔ بھائی کے ساتھ دادی کی میراث کے سلسلے میں اختلاف، امہات الاولاد کی بیع کے جواز پر اختلاف اور قبل از نکاح وقوع طلاق پر اختلاف، اسی طرح بیوع کے دیگر مسائل کا اختلاف، اس کے علاوہ اور بھی مثالیں ہیں جن میں ایک نے دوسرے سے اختلاف کیا ہے، اس کے باجود وہ باہم اُلفت کا برتاؤ کرنے والے اور ایک دوسرے کے خیر خواہ تھے، اسلامی اخوت کا رابطہ ان کے درمیان قوی تھا۔

امام شاطبی فرماتے ہیں: ''اسلام کے پیش آمدہ ہر مسئلہ میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔ لیکن اس اختلاف نے ان کے درمیان باہمی بغض وعداوت پیدا ہونے نہیں دیا اور نہ وہ کوئی ایسا فرقہ بنے جس کو ہم اسلامی مسئلہ جانتے ہیں، ہر پیش آمدہ مسئلہ جو قطع رحمی، نفرت، طعنہ زنی اور دشمنی پیدا کرے، اس کے بارے میں، ہم یہی کہیں گے کہ دینی اُمور سے اس کا کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مندرجہ ذیل آیت (الانعام: ۱۵۹) کی تفسیر سے جو مراد لیا ہے یہ وہی ہے، ارشاد ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا﴾ (الانعام: ۱۵۹)

''جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے۔''

ہر صاحب عقل وشعور دین دار کے لیے ضروری ہے کہ ان خرابیوں سے اجتناب کرے۔

یہ آیت اس کی دلیل ہے:

﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا﴾ (آل عمران: ١٠٣)

''اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جو اس نے تم پر کیا ہے تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دل جوڑ دیے اور اس کے فضل وکرم سے تم بھائی بھائی بن گئے۔''

جب قطع رحمی اور اختلاف برپا ہو تو سمجھ لینا چاہیے کہ یہ خواہشاتِ نفس کی اتباع میں ہوا ہے۔ اسلام تو اُلفت ومحبت اور صلہ رحمی کی دعوت دیتا ہے، لہٰذا ہر وہ خیال جو اس کے برعکس منزل تک لے جاتا ہو وہ دین سے خارج ہے۔ [1]

سطور بالا کی جس آیت کی تفسیر کے بارے میں کہا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کی ہے وہ پوری آیت یہ ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ اِنَّمَاۤ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ۝﴾ (الانعام: ١٥٩)

''جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے یقیناً ان سے تمہارا کچھ واسطہ نہیں، ان کا معاملہ تو اللہ کے سپرد ہے وہی ان کو بتائے گا کہ انہوں نے کیا کچھ کیا ہے۔''

یہ تفسیر سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، وہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''اے عائشہ! ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا﴾ اس اُمت کے وہ لوگ جو خواہشات کی پیروی کرنے والے، بدعت ایجاد کرنے والے اور گمراہی پھیلانے والے ہیں، اے عائشہ! ہر گناہ سے توبہ ممکن ہے سوئے اہل ھویٰ اور

[1] كتاب الموافقات: ١٨٦/٤ـ الاعتصام: ٤٢٩ـ

اہل بدعت کے۔ ان کی توبہ قابل قبول نہیں ہوگی۔ میں ان سے بری ہوں اور وہ مجھ سے بری ❶ ہیں۔'' ❷

امام شاطبی مزید فرماتے ہیں: اہل بدعت کے اوصاف بیان کردینا غیر مناسب نہ ہوگا لیکن ان اوصاف کو کسی متعین گروہ پر ثابت نہیں کیا جاسکتا، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ طرزِ عمل فرقہ بندی، ناپسندیدگی کی راہ ہموار کردے اور اُلفت ومحبت سے خالی ہو کر اس کے برخلاف کی طرف دعوت ہو جائے، حالانکہ اللہ اور اس کے رسول نے اُلفت ومحبت کا حکم دیا ہے۔ فرمایا:

﴿وَ اعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰہِ جَمِیۡعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوۡا﴾ (آل عمران: ۱۰۳)

''سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔''

دوسری جگہ فرمایا:

﴿فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَ اَصۡلِحُوۡا ذَاتَ بَیۡنِکُمۡ﴾ (الانفال: ۱)

''تم لوگ اللہ سے ڈرو اور آپس کے تعلقات درست کرو۔''

مزید فرمایا:

﴿وَلَا تَکُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ۝ مِنَ الَّذِیۡنَ فَرَّقُوۡا دِیۡنَہُمۡ وَ کَانُوۡا شِیَعًا﴾ (الروم: ۳۱، ۳۲)

''اور نہ ہو جاؤ ان مشرکوں میں سے جنہوں نے اپنا اپنا دین الگ بنا لیا ہے اور گروہوں میں بٹ گئے ہیں۔''

ایک حدیث ہے کہ ''آپس میں حسد نہ کرو، ایک دوسرے کی بُرائی بیان نہ کرو اور آپس میں بغض نہ رکھو اور باہم اللہ کے بندے بن کر بھائی بھائی ہو جاؤ۔'' ❸

---

❶ ابن جریر اور ابن مردویہ نے اس کی روایت کی ہے۔ اس کا مرفوع ہونا نبی ﷺ سے ثابت نہیں ہے اس کی سند میں عباد بن کثیر نامی راوی متروک ہے۔

❷ شاطبی۔ الاعتصام: ٤٥۔

❸ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب ما ینهی عن التحاسد والتدابر۔ مسلم نے بھی اس کی روایت کی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے باہمی اصلاح کا حکم دیا ہے اور اس بات سے باخبر کیا ہے کہ باہمی رنجش مونڈ لینے والی ہے اور یہ دین کو مونڈ لیتی ہے۔ (1) یعنی اعتصام بکتاب اللہ اور ایمان و شریعت کے ضابطوں کا تقاضا ہے کہ حق کے معاملہ میں ایک ہو کر اس پر اتفاق کیا جائے، ایمان و شریعت کا بھی یہی تقاضا ہے کہ جو شخص دین کی اس ہدایت کو نظر انداز کر دے گا اس کے نتیجے میں اختلاف اور دشمنی حاصل ہو گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا وَّإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ﴾ (البقرہ: ۱۳۷)

''پھر اگر وہ اسی طرح ایمان لائیں جس طرح تم ایمان لائے ہو تو ہدایت پر ہیں اور اگر اس سے منہ پھیر لیں تو کھلی بات ہے کہ وہ ہٹ دھرمی میں پڑ گئے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے ہم پر ضروری قرار دیا ہے کہ ہماری وحدت اور ہمارا اجتماع کتاب اللہ کی وجہ سے ہو، ہماری اجتماعیت اسی کی بدولت ہو اور اسی کو ہم لازم پکڑیں، نہ کہ گم کردہ راہوں، ایجاد کردہ مذاہب کو اختیار کریں اور نہ وطنیت پر فخر کریں اور نہ باطل پالیسیوں کو اختیار کریں جو حق و ہدایت کے علاوہ ہوں۔

اعتصام بحبل اللہ اور اجتماعیت کے حکم کے بعد فرقہ بندی، جدائی اور الگ ڈگر اختیار کرنے سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں وحدت کا زوال ہو جاتا ہے۔ یہی غلبہ و قوت کا محور ہے، عزت سے حق کو غلبہ ملتا ہے تو وہ باطل پر غالب ہو جاتا ہے اور قوت سے وہ اپنے دشمنوں کے مکر و فریب اور حملوں سے محفوظ رہتا ہے۔

فرقہ بندی کی ممانعت کے ساتھ اس کی اور اس کے بُرے انجام کی سخت وعید بھی آئی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ

(1) کتاب الاعتصام: ۴۲۳ اور اس سے ماقبل کتاب البر والصلة، باب تحریم التحاسد۔

﴿وَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ﴾

(آل عمران: ١٠٥، ١٠٦)

''کہیں تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو فرقوں میں بٹ گئے اور کھلی کھلی واضح ہدایات پانے کے بعد پھر اختلافات میں مبتلا ہوئے، جنہوں نے یہ روش اختیار کی وہ اس روز سخت سزا پائیں گے جب کہ کچھ لوگ سرخ رو ہوں گے اور کچھ لوگوں کا منہ کالا ہوگا۔''

کیونکہ دلائل آ جانے کے بعد اختلاف کے درپے ہونا گویا اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی مخالفت مول لینا ہے جس کا مقصد لوگوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنا اور ان کی صفوں میں اتحاد پیدا کرنا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کے فرمان کو سمجھ کر اطاعت کی جائے اور اس کے مقصد بھی نیک ہوں تو فرقہ بندی اور اختلاف سے بچا جا سکتا ہے، دوسروں کو اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول کی اجتماعیت واتفاق کی دعوت دی جا سکتی ہے۔ اس میں تعاون علی البر والتقویٰ، اللہ اور مسلمانوں کے دشمنوں کی مدد (خیر میں)، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور عام و خاص مسلمانوں کی خیر خواہی شامل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کو دین قرار دیا ہے۔ حضرت تمیم داری کی حدیث میں اس کی صراحت ہے۔ آپ نے فرمایا: دین خیر خواہی کا نام ہے۔ یہ بات آپ نے سہ بار فرمائی۔ ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! کس کے لیے خیر خواہی؟ آپ نے فرمایا: اللہ کے لیے اس کے رسول کے لیے، اس کی کتاب کے لیے اور مسلمانوں کے ائمہ اور عام مسلمانوں کے لیے۔ [1]

قابل افسوس بات یہ ہے کہ ہمارے زمانے کے طلبہ ان نزاکتوں سے کما حقہ دلچسپی نہیں لیتے، باوجود اس کے کہ اکثر لوگ اپنے آپ کو درس و تدریس میں مصروف رکھتے ہوئے بھی بڑی جہالت میں مبتلا ہیں۔ اہم علمی مسائل میں اپنی برتری ثابت کرنا اور نفس کے بندوں کا

[1] مسند احمد: ٤/١٠٢۔ ابوداؤد، کتاب الادب، باب في النصيحة۔ نیز بخاری، مسلم اور نسائی نے بھی اس کی روایت کی ہے۔

اتباع کرنا پسند کرتے ہیں۔ یہ حالت اسی کا ثمرہ ہیں جن میں ہمارے نوجوان زندگی گذار رہے ہیں۔ خاص کر ان کی مصروفیت صرف یہ رہ گئی ہے کہ وہ گروہ بندی، لایعنی گفتگو، زبان درازی اور لوگوں کی عزت و ناموس پر حملہ کریں بلکہ اپنی ساری توجہ ان کی طرف کر کے بلا کسی جرم کے تنقید و تنقیص کے تیر مارتے رہتے ہیں۔ ایک مرتبہ میں نے ان لوگوں میں سے ایک کی گفتگو بغور سنی جو ایک داعی کے بارے میں بیان کر رہا تھا۔ وہ علماء کی تعریف کرتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ یہ لوگ کام بہت کرتے ہیں اور بڑی ذمہ داریاں اُٹھاتے ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ہم ان کے ایسے کاموں کا متحمل نہ بنائیں جن کو کر گذرنے کی ان کے اندر قوت نہ ہو اور ہم پر یہ بھی ضروری ہے کہ ان کی ہمت افزائی اور ان کا تعاون کریں اور ان خامیوں کو دُور کریں جو ان میں پیدا ہوگئی ہیں، پھر وہ اپنی اس گفتگو کو خلاف تنقید قرار دیتے ہوئے کہتا ہے کہ علماء اور مشائخ میں کمی ہے اور ان کی قدر نہ کرنا ہے۔ آخر تک اس کی بکواس بخار زدہ شخص کے بکواس کی طرح تھی، مجھے نہیں معلوم کہ یہ غیرت مند ناقد علماء کے بارے میں کیا کہنا چاہتا ہے؟ کیا یہ چاہتا ہے کہ داعیوں کو معصوم رسولوں کی فہرست میں شامل کر دیا جائے جیسا کہ روافض کہتے ہیں یا اس کو کوئی خرابی نظر نہیں آئی تو لوگوں میں یہ اشتباہ پھیلا رہا ہے کہ داعی راہِ حق سے خارج ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ ان لوگوں کے کرتوت کے نتیجے نے اکثر نوجوانوں کو شبہ میں مبتلا کر دیا ہے۔

بعض لوگ ہدایت سے ہٹے ہوئے ہیں اور ان راستوں کا اتباع کر رہے ہیں جو یہ تنقید نگاروں نے راہِ حق کے موافق تصور کر کے ان کے لیے متعین کر دیے ہیں تاکہ وہ لوگوں کو اس کے راستہ سے بآسانی موڑ سکیں۔ بعض لو[illegible]ہ ہیں جن کے اور علماء و مشائخ کے درمیان بڑی دُوری و اجنبیت ان ہی تنقید پسندوں کی وجہ سے ہوگئی ہے اور ہر طبقہ دوسرے سے کافی دُور ہو گیا ہے۔

بعض لوگ وہ ہیں جو لوگوں کی حسب معلومات درجہ بندی کرتے ہیں، جس میں اس بات کی گنجائش ہوتی ہے کہ فلاں کو اخوانی کہتے ہوئے سنا جائے کیونکہ اس کی بات چیت

اخوانیوں سے ہوتی ہے یا وہ ان کی ہم نشینی اختیار کرتا ہے، یا فلاں کا تعلق سروریوں سے ہے۔
قابل تعجب بات یہ ہے کہ ایسے لوگ اپنے آپ کو یہ سمجھتے ہیں کہ جرح و تعدیل کر کے آگے کی راہ ہموار کر رہے ہیں، وہ اس کام کے لیے جاہل سرداروں کو نشانہ بناتے ہیں، لہٰذا خود گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔

مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اپنے نفس کے معاملے میں اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرے اور ان بے چاروں کے بارے میں طلباء سے چار گنا یا دس گنا زیادہ تقویٰ اختیار کرے۔ صحیح روایت میں ہے: بخدا! اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ ایک آدمی کو ہدیت دے تو یہ سو سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔ [1] یعنی دنیاوی اعتبار سے بہتر ہے۔ اسی طرح جس کے ذریعہ سے کوئی ایک گمراہ ہو گیا تو اس کا جرم بڑا ہے۔ حضرت آدم کے بیٹوں میں سے ایک کے قتل کر دیے جانے کے بعد کی صورتِ حال کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَ مَنْ اَحْیَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا﴾ (المائدہ: ۳۲)

''اسی وجہ سے بنی اسرائیل پر ہم نے یہ فرمان لکھ دیا تھا کہ جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کیا اور جس نے کسی کو زندگی بخشی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخشی۔''

دینی کاموں میں انسانوں کو گمراہ کر دینا بکثرت قتل سے بھی بڑا گناہ ہے۔ دینی مسائل میں گفتگو کرتے ہوئے قرآن وحدیث کی دلیل ہونی ضروری ہے۔ اس بحث کا مقصد رضائے الٰہی ہو اور اس کا نقصان اس کے نفع سے زیادہ نہ ہو اور حامل کتاب وسنت کے مدعی کے اندر

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الجھاد، باب دعاء النبی الناس الی الاسلام۔ ابو داؤد، کتاب العلم، باب نشر العلم۔

حسد بھی نہ ہو اور نہ وہ خواہشات کا اتباع کرنے والا ہو۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صحابۂ کرام کے بعد لوگوں کے بارے میں جب ہم کلام کریں مثلاً مختلف ممالک کے بادشاہ اور علماء ومشائخ جو دین اور علم میں مختلف ہوں تو ہم پر واجب ہے کہ انصاف اور معلومات کی بنا پر گفتگو کریں نہ کہ جہالت اور زیادتی سے کیونکہ ہر حال میں انصاف ہر ایک پر اور ہر ایک کے حق میں واجب ہے اور زیادتی اور ناانصافی کسی بھی حالت میں مباح نہیں۔ ہر حال میں حرام ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾ (المائدہ: ۸)

"کسی گروہ کی دشمنی کو تم اتنا مشتعل نہ کردے کہ انصاف سے پھر جاؤ، عدل کرو یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتی ہے۔"

صحابۂ کرام کفارِ مکہ سے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق بغض رکھتے تھے، جب کہ وہ بغض جس کی اجازت اللہ تعالیٰ نے دی، اپنے نبی کو اس سے منع کیا کہ جو تم سے بغض رکھے، اس کے ساتھ زیادتی نہ کرو۔ بھلا بتایئے ایک مسلمان کے ساتھ بغض کسی تاویل، شبہ یا خواہش نفس کی وجہ سے کیسے درست ہوسکتی ہے، مسلمان تو اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کے ساتھ زیادتی ہرگز نہ کی جائے، بلکہ اس کے ساتھ انصاف کا سلوک کیا جائے۔ [1]

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں: انصاف ایک ایسی شے ہے جس کی تعریف اور جس سے محبت کرنے پر اہل زمین کا اتفاق ہے۔ نیز انصاف پرور کی تعریف اور اس سے محبت پر بھی سب کا اتفاق ہے۔ اسی طرح زیادتی، اس سے عناد کرنے، مذمت کرنے اور اس کی قباحت بیان کرنے پر، نیز زیادتی پسند کی مذمت اور اس سے عناد پر بھی سب کا اتفاق ہے۔ معروف معنوں میں عدل وہ ہے جس کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم حضرت محمد ﷺ پر نازل کیا گیا تھا۔ یہ عدل کی سب سے اچھی اور بہتر قسم ہے۔ اس حکم کی اطاعت

---

[1] منهاج السنة: ۵/ ۱۲۶۔

نبی اور اس کے ماننے والوں پر واجب ہے۔ جو اللہ اور اس کے رسول کے احکام کا التزام نہ کرے وہ کافر ہے۔

یہ طرزِ عمل اُمت کے ہر مسئلہ میں واجب ہے چاہے وہ اعتقاد کے قبیل کے ہوں یا عمل کے قبیل کے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيِّيْنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ وَ أَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَ مَا اخْتَلَفَ فِيْهِ إِلَّا الَّذِيْنَ أُوْتُوْهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَ تْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ﴾ (البقرہ: ۲۱۳)

''ابتداء میں سب لوگ ایک ہی طریقے پر تھے تب اللہ نے نبی بھیجے جو راہِ راست پر بشارت دینے والے اور کج روی کے نتائج سے ڈرانے والے تھے اور ان کے ساتھ کتاب برحق نازل کی تاکہ حق کے بارے میں لوگوں کے درمیان جو اختلافات رونما ہو گئے تھے، ان کا فیصلہ کرے۔ اختلاف ان لوگوں نے کیا جنہیں حق کا علم دیا جا چکا تھا انہوں نے روشن ہدایات پا لینے کے بعد محض اس لیئے حق کو چھوڑ کر مختلف طریقے نکالے کہ وہ آپس میں زیادتی کرنا چاہتے تھے۔''

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللّٰهِ﴾ (الشوریٰ: ۱۰)

''تمہارے درمیان جس معاملہ میں بھی اختلاف ہو اس کا فیصلہ کرنا اللہ کا کام ہے۔''

اُمت کے درمیان مشترکہ مسائل میں صرف کتاب و سنت کے مطابق ہی فیصلہ کیا جائے گا۔ کسی کے حق میں یہ بات درست نہیں کہ وہ کسی شیخ، امیر یا عالم کی بات کو لازم پکڑے رہے۔ جس کا یہ اعتقاد ہو کہ ان میں سے کوئی بھی فیصلہ کرنے کا مجاز ہے پھر بھی وہ کتاب و سنت کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو اس کا یہ اعتقاد کافرانہ ہوگا۔ مسلمان قاضی متعین معاملات میں فیصلہ کرتے ہیں تو بھی ضروری ہوتا ہے کہ وہ کتاب و سنت کے مطابق فیصلہ کریں، اگر

کتاب وسنت میں اس مسئلہ کا حل نہیں ہوتا تو سنت رسول کے مطابق اور اگر اس میں بھی نہیں ہوتو تو قاضی اپنی رائے سے اجتہاد کرتے ہیں۔ ❶

اللہ تعالیٰ نے تمام مومنوں کو یہ حکم دیا ہے کہ سب اس کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لیں اور فرقہ بندی اختیار نہ کریں۔ اس کی تفسیر اجتماعیت، اپنی اطاعت، احکام، اخلاص، دین اسلام اور اپنی کتاب سے کی ہے۔ یہ تفسیر صحابۂ کرام اور تابعین عظام سے منقول ہے۔ یہ ساری تفسیریں صحیح ہیں کیوں کہ قرآن دین اسلام کا حکم دیتا ہے یہی اس کا عہد، حکم اور اطاعت ہے اور تمام لوگوں کا مِل کر پکڑنا اجتماعیت ہی میں ممکن ہے۔ دین اسلام کی حقیقت اخلاص ہے۔ صحیح مسلم میں سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہارے تین کاموں سے خوش ہوتا ہے کہ تم اسی کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور اختلاف نہ کرو۔ ❷ تمہارے معاملات اللہ تعالیٰ نے جن کے حوالے کر دیے ہیں (امراء) ان سے خیر خواہی کا معاملہ کرو۔ ❸

اللہ تعالیٰ نے زندہ یا مردہ مسلمان کے ساتھ زیادتی کو حرام قرار دیا ہے۔ نیز اس کی عزت و آبرو اور جان کو بھی۔ بخاری و مسلم میں خطبہ حجۃ الوداع کا یہ ٹکڑا بار بار ملتا ہے:

> ''یقیناً تمہارے خون، تمہارے اموال اور تمہاری عزت تم پر حرام ہے، تمہارے اس دن، اس مہینہ اور اس شہر کی حرمت کی طرح، کیا میں نے اسلام کی بات تم تک پہنچا دی، سن لو! یہاں پر موجود لوگ ان لوگوں تک بات پہنچا دیں جو یہاں سے غائب ہیں۔ بہت سے باتوں کو پہنچائے جانے والے لوگ سامع سے زیادہ حافظہ

---

❶ ملاحظہ ہو: شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی کتاب منہاج السنہ : ۵/۳۲ اور اس کے بعد کے صفحات۔

❷ صحیح مسلم، کتاب الاقضیۃ، باب النهی عن کثرۃ المسائل من غیر حاجۃ۔

❸ حدیث کے زائد ٹکڑے کی روایت امام مالک نے مؤطا کتاب الکلام میں کی ہے۔

والے ہوتے ہیں۔'' ❶

اللہ تعالیٰ کا فرمان بھی ہے:

﴿وَ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ۝﴾ (الاحزاب : ۵۸)

''اور جو لوگ مومن مردوں اور عورتوں کو بے قصور اذیت دیتے ہیں انہوں نے ایک بڑے بہتان اور صریح گناہ کا وبال اپنے سر لے لیا ہے۔''

جس نے زندہ یا مردہ مومن کو بغیر کسی سبب کے تکلیف پہنچائی وہ اس آیت کا مصداق ہو گا، جو شخص مجتہد ہو اس پر کوئی گناہ نہیں اگر کوئی اس کو ایذا پہنچاتا ہے تو وہ اس کو اس کے ناکردہ فعل پر ایذا پہنچانے والا ہوگا۔ لیکن اگر کسی گناہ کے بموجب اس کی ایذا رسانی ہوئی ہے حالانکہ اس نے اپنے گناہ سے توبہ کر لی تھی یا کسی دوسرے سبب سے اس کے گناہوں کی بخشش ہو چکی تھی بایں طور پر اس پر گناہ کی وجہ سے کوئی سزا باقی نہیں رہ گئی تھی بلکہ اس پر آزمائش ہو چکی تھی۔ تو بھی اس کے کیے بغیر یہ ایذا پہنچائی گئی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا﴾ (الحجرات : ۱۲)

''اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔''

صحیح مسلم میں مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: غیبت یہ ہے کہ تم اپنے بھائی کا تذکرہ اس انداز میں کرو جسے وہ ناپسند کرتا ہو، آپ سے پوچھا گیا کہ اگر جو بات کہی جا رہی ہے وہ میرے بھائی کے اندر موجود ہو؟ آپ نے فرمایا: اگر وہ برائی جو تم کہہ رہے ہو اس کے اندر موجود ہو تو یہی غیبت ہے اور اگر اس میں بُرائی نہ ہو تو تم نے گویا اس پر بہتان باندھا۔ ❷

---

❶ امام بخاری نے اس حدیث کی روایت مختلف مقامات پر کی ہے۔ مثلاً: كتاب الاضاحی ، باب ٥ ، كتاب الفتن، باب ٨۔ صحيح مسلم، كتاب الحج : ١٤٧۔ كتاب القسامة ، باب تغليظ تحريم الدماء ، والاعراض۔

❷ صحيح مسلم، كتاب البر والصلة والآداب ، باب تحريم الغيبة.

جس نے کسی کے اندر عیب جوئی کی اور وہ عیب اس کے اندر نہ تھا تو گویا اس پر بہتان باندھا گیا اور جس نے اجتہاد سے کام لیا کہ اس کی نیت زیادتی، اللہ و رسول کی معصیت اور کتاب وسنت کی مخالفت تھی حالانکہ معاملہ ایسا نہیں تھا تو یہ بھی بہتان ہے اور اگر اس کے اندر واقعی یہ خرابیاں تھیں تو یہ غیبت ہے۔ اس کے حق میں وہی چیز مباح ہوسکتی ہے جسے اللہ اور اس کے رسول نے مباح قرار دیا ہے۔ اس سے مراد بطورِ قصاص و انصاف جو سزائیں ہیں وہ ہیں اور جو مصلحت دین اور مسلمان کی خیر خواہی کا متقاضی ہو۔

اوّل:...... مظلوم فریاد رس کی آواز مثلاً فلاں نے مجھ کو مارا، میرا مال لے لیا اور میرے حق کو ہڑپ کرلیا اسی طرح کی اور دوسری فریادیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوٓءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظُلِمَ﴾

(النساء: ١٤٨)

''اللہ اس کو پسند نہیں کرتا کہ آدمی بدگوئی پر زبان کھولے الا یہ کہ کسی پر ظلم کیا گیا ہو۔''

ضرورت:...... مثلاً ہند بنت عتبہ کا استفتاء، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ ابوسفیان بخیل آدمی ہیں، وہ مجھے اور میرے لڑکے کا نفقہ اتنا نہیں دیتے کہ معروف طریقہ سے کفایت کرسکے۔ آپ نے فرمایا: معروف طریقہ سے تمہاری اور تمہاری اولاد کا جو نفقہ ہوتا ہے خود لے لیا کرو۔ اس کی تخریج بخاری و مسلم دونوں نے کی ہے۔

آپ نے ان کی بات پر نکیر نہیں فرمائی کیوں کہ یہ مظلوم کے قبیل کی بات تھی۔

خیر خواہی:...... مثلاً جب فاطمہ بنت قیس نے رسول اللہ ﷺ سے مشورہ کیا کہ میں کس سے نکاح کروں؟ انہوں نے کہا: ابوجہم، اور معاویہ نے مجھ کو شادی کا پیغام دیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ معاویہ کا معاملہ یہ ہے کہ محتاج آدمی ہے، ان کے پاس کوئی مال نہیں ہے اور ابوجہم تو اپنی گردن سے لاٹھی ہٹاتے ہی نہیں یعنی عورتوں کو بہت مارتے ہیں، اور ایک

روایت میں ہے: عورتوں کو مارتے ہیں لیکن تم اُسامہ سے شادی کرلو۔ ❶

ان کی جس چیز کی ضرورت تھی آپ نے اسی کا تذکرہ کیا۔ اسی طرح جب کوئی آدمی کسی سے ایسے آدمی کے بارے میں مشورہ کرے، جس سے وہ معاملہ کرنا چاہتا ہے تو یہاں خیر خواہی کے حکم کو مقدر رکھتے ہوئے حقیقتِ حال بتا دینے میں کوئی قباحت نہیں ہوگی۔ اگرچہ اس سے مشورہ طلب نہ کیا گیا ہو جیسا کہ تمیم داری کی روایت میں ہے۔ ❷

اسی ضمن میں اہل علم کا وہ طرزِ عمل بھی آتا ہے جب وہ روایت حدیث یا کذب بیان کرنے والے لوگوں کی غلطی کو واضح کرتے ہیں یا جن سے علم حاصل کیا جا رہا ہو، ان کی غلطی واضح کی جائے۔ اسی طرح اس شخص کی غلطی واضح کر دینا جو دین کے کسی معاملے (علمی یا عملی) میں غلطی کر رہا ہو۔

اس طرح کے مسائل میں جب آدمی معلومات، انصاف اور خیر خواہی کے جذبے سے کلام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ثواب دیتا ہے۔ خصوصاً جب گفتگو کرنے والا اپنی گفتگو سے کسی بدعت کی دعوت دے رہا ہو تو اس کی قباحت و شناعت بیان کر دینا واجب ہے کیوں کہ عوام سے اس بدعت کی خرابی دفع کرنا ڈاکوؤں کی خرابی دُور کرنے سے بڑا کام ہے۔ لیکن جب دو مسلمان باہم کسی مسئلے میں جھگڑا کرتے ہوں اور لوگ اس سے غیر متعلق اور اس کی حقیقت سے واقف نہ ہوں تو ایسے معاملے میں کلام کرنا بغیر علم اور انصاف کے ہوگا، دوسرے کی ناحق دخل اندازی ان دونوں کی تکلیف کا باعث ہوگا اور اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو کہ گنہ گار و خطا کار ہیں تو بغیر کسی راجح مصلحت کے اس کا تذکرہ کرنا قابل مذمت غیبت میں شمار ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

❶ صحیح مسلم، کتاب الرضاع، باب المطلقة البائن لا نفقة لها۔

❷ الدین النصیحة کی طرف اشارہ ہے۔

''جو کسی مومن کو نفاق سے بچائے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے گوشت کو دوزخ کی آگ سے بچائے گا۔'' ❶

بخاری و مسلم میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''مسلمان کو گالم گلوچ کرنا فسق ہے اور اس کا قتل کرنا کفر ہے۔'' ❷

بخاری و مسلم کی رویت میں ہے:

''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔'' ❸

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰٓ أَن يَكُونُوا۟ خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّن نِّسَآءٍ عَسَىٰٓ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوٓا۟ أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا۟ بِٱلْأَلْقَـٰبِ بِئْسَ ٱلِٱسْمُ ٱلْفُسُوقُ بَعْدَ ٱلْإِيمَـٰنِ وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُو۟لَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّـٰلِمُونَ ۝﴾ (الحجرات: ۱۱)

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اُڑائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اُڑائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کو بُرے القاب سے یاد کرو، ایمان لانے کے بعد فسق میں نام پیدا کرنا بہت بُری بات ہے، جو لوگ اس روش سے باز نہ آئیں وہ ظالم ہیں۔''

مذاق، عیب جوئی اور بہ القابِ بد پکارنے سے منع کیا گیا ہے۔ اللمز سے مراد طعنہ دینا

---

❶ ابو داؤد، کتاب الادب، باب الرجل یذب عن عرض اخیہ۔

❶ صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب خوف المؤمن ان یحبط عملہ۔

❷ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب سباب المسلم فسوق و قتالہ کفر۔

اور عیب نکالنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ کی تفسیر یہ ہے کہ ایک دوسرے کی عیب جوئی نہ کرو۔ مسلمان پر پہلا واجب یہ ہے کہ اس کا معاملہ اللہ کے لیے ہو۔ اپنے قول وفعل سے اطاعت الٰہی کا ثبوت ۔نہ کہ اپنی وفاداری سے اپنی ذات اور پارٹی کی خاطر اقتدار کا طالب ہو۔ اسی طرح دوسروں کی تنقیص اور ان سے حسد نہ کرے۔ اپنے ان کاموں میں ریا ونمود کا ہرگز ارادہ نہ رکھتا ہو، اس سے اس کے عمل ضائع ہو جاتے ہیں اگرچہ اس کے اعمال ابتداء میں نیک ہوں اور فساد سے خالی ہوں لیکن جب اس کی بات ردّ کر دی جاتی یا اللہ کے لیے ہونے کی وجہ سے اس کو ایذا پہنچائی جاتی ہے اور اس بات کو غلط اور بُرے مقصد والا ثابت کر دیا جاتا ہے، اس وقت مدد کا مطالبہ اپنے نفس کے لیے ہوتا ہے۔ اس کے پاس شیطان آ کر بات کو مزین کر دیتا ہے۔ اس طرح اس کا کام آغاز میں اللہ کے لیے ہوتا ہے پھر خواہش نفس کے لیے، اس پر دوسروں کی مدد چاہتا ہے اور بسا اوقات وہ ایذا پہنچانے والے کے ساتھ زیادتی کا سلوک کر بیٹھتا ہے۔

اسی طرح اختلاف اس وقت بھی برپا ہوتا ہے جب ہر فریق یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ حق اس کے ساتھ ہے اور وہی سنت پر ہے۔ اس طرح وہ اتباعِ نفس اور اپنے رتبہ ومرتبہ کے لیے مدد کی ضرورت میں پڑ جاتا ہے۔ اللہ کے کلمہ کو بلند کر کے دین کو اس کے لیے ۔خالص کرنا ان کا مقصد ہی نہیں ہوتا ہے، بلکہ وہ اپنے مخالفین سے بغض رکھتے ہیں اگرچہ وہ مجتہد اور معذور ہی کیوں نہ ہوں۔ خدا کے واسطے اس پر ناراض نہیں ہوتے جو ان کے موافق ہوتا ہے اس سے خوش ہوتے ہیں اگرچہ وہ جاہل اور بدنیت ہی کیوں نہ ہو، اور اس معلومات سے یکسر خالی ہی کیوں نہ ہو، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی تعریف نہیں کرتے ان کی تعریف کی جاتی ہے اور وہ لوگوں کی مذمت بیان کرتے ہیں جو (العیاذ باللہ) اللہ اور اس کے رسول کی مذمت نہیں کرتے۔ اس طرح ان کی دوستی اور دشمنی اپنی خواہش نفس کے مطابق ہوتی

ہے نہ کہ خدا اور رسول کے دین کی خاطر۔ یہ ان کفار کے مشابہ ہیں جو صرف اپنی خواہشات کے مطالبات کو پورا کرنے میں لگے رہتے ہیں، اس سے لوگوں کے درمیان فتنہ برپا ہوتا ہے۔

دین کی اصل یہ ہے کہ محبت اور عداوت اللہ کے لیے ہو، دوستی اور دشمنی اسی کی خاطر ہو، ہر طرح کی عبادت اسی کے لیے ہو اور اسی سے مدد طلب کی جائے۔ اُمیدیں اسی سے وابستہ کی جائیں۔ خوف اسی کا کھایا جائے۔ عطا و بخشش کا اختیار اسی کو سونپا جائے۔ یہ صفات صرف اسی وقت پیدا ہو سکتی ہیں جب رسول اللہ ﷺ کی متابعت اختیار کی جائے۔ جن کا حکم اللہ کا حکم، جن کی نہی اللہ کی نہی، جن کی اطاعت اللہ کی اطاعت، جن سے دشمنی اللہ سے دشمنی اور جن کی معصیت اللہ کی معصیت ہے۔

بندۂ نفس کو اس کا نفس اندھا اور بہرہ بنا دیتا ہے، اس کو اللہ اور اس کے رسول کے احکام کا استحضار ہوتا ہے نہ وہ اس کا طالب ہوتا نہ اللہ اور اس کے رسول کی رضا سے راضی اور نہ ان کی ناراضگی سے ناراض ہوتا ہے بلکہ وہ اس وقت خوش ہوتا ہے جب اس کے ارادے اور خواہشیں پوری ہوں، جب اس کی خواہش کے خلاف کام ہوتا ہے تو ناراض ہوتا ہے، ساتھ ہی ساتھ اس کو دین اور علم میں شبہہ ہوتا ہے یا وہ نصرتِ دین کے خلاف یا اتباعِ نفس کے مطابق کام کرتا ہے حالاں کہ واقعہ اس کے خلاف ہوتا ہے۔

اگر مان لیا جائے کہ حق اسی کے پاس ہے لیکن اس کی نیت یہ ہوتی ہو کہ وہ اپنے نفس اور خواہشات کو قوت پہنچائے، کلمۂ حق کی سربلندی اس کی نیت نہیں ہوتی بلکہ اس کا ارادہ اپنے نفس یا گروہ کی طرف داری ہوتی ہے، یا ریاکاری کا ارادہ ہوتا ہے تاکہ اس کی عظمت اور بڑائی بیان کی جائے یا وہ کوئی دنیاوی کام کرتا ہے جو اللہ کے لیے ہوتا ہے اور نہ اس کے راستہ کے لیے، تو کیسے فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جب اس کے غیر کے ساتھ حق و باطل اور سنت و بدعت کی آمیزش ہے اور اس کے دشمن کے پاس بھی حق و باطل اور سنت و بدعت کی

آمیزش ہے۔ یہ حال ہے ان اختلاف کرنے والوں کا جنہوں نے اپنے دین میں فرقہ بندی کر دی ہے اور گروہ گروہ بٹ گئے ہیں۔

ایک ملت کے تمام اختلاف قابل مذمت ہیں کیوں کہ اس سے تنازعہ اور فرقہ بندی لازم آتی ہے۔ دین تو اجتماعیت کے قیام اور فرقہ بندی کو ختم کر دینے کا حکم دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِي الْكِتٰبِ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ﴾ (البقرہ: ١٧٦)

''جن لوگوں نے کتاب میں اختلافات نکالے وہ اپنے جھگڑوں میں حق سے بہت دُور نکل گئے۔''

دوسری جگہ فرمایا:

﴿وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا﴾ (یونس: ١٩)

''ابتداء میں سارے انسان ایک ہی اُمت تھے بعد میں انہوں نے مختلف عقیدے اور مسلک بنا لیے۔''

ایسے لوگوں کی مذمت ان کے اختلاف کرنے کی وجہ سے کی گئی ہے۔ لیکن جب اہل ایمان اور کفر کے درمیان ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَ مِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ﴾ (البقرہ: ٢٥٣)

''پھر کوئی ایمان لایا اور کسی نے کفر کی راہ اختیار کی۔''

تو یہ مطلوب ہے کیوں کہ اس میں حق و باطل کی تمیز ہوتی ہے اور باطل کو زائل کر کے اس سے دُور رہا جا سکتا ہے۔

جب اداروں کے درمیان اختلاف واقع ہو تو اس اختلاف سے بھی اطاعت الٰہی اور لوگوں کے دلوں میں حق کو باطل سے صاف کرنے کا جذبہ ہو۔ یہ ان کے ساتھ رحم و کرم کا

سلوک ہوگا۔ اور اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب ہوگی۔ یہاں تک کہ اگر اہل بدعت کے ظاہری افعال کی تردید مقصود ہو تو بھی میانہ روی اختیار کرے کہ مخلوق کی رہنمائی حق بات بتا کر کرے، ان کے ساتھ رحم و کرم کا سلوک کرے اور جب کسی بدعت، بُرائی اور معصیت کی مذمت اور غلطی بیان کرے تو اس کی نیت اس کے مفاسد کا یہ بیان کرنا نہ ہو تا کہ اس سے بچ سکے۔

سلیقۂ اختلاف

تالیف

ڈاکٹر صالح بن عبداللہ بن حمید

آٹھویں فصل:

سلیقۂ اختلاف

اس کتاب کا عنوان جیسا کہ آپ کو معلوم ہے ''ادب الخلاف'' یا ''سلیقۂ اختلاف'' ہے۔ لیکن پہلے میں یہ اعتراف کرتا چلوں کہ میں اس میدان کے ان شہ سواروں میں نہیں جنہیں بلند پایہ کتب لکھنے کا شرف حاصل ہوا ور نہ ہی، مجھے ان میں شامل کر کے یہ سوچا جائے کہ میں ان کے اندزے پر پورا اُتروں گا، لیکن چونکہ یہ عنوان وقت کی آواز اور ملت کے حالات کا تقاضا ہے اور چونکہ اس کے بہت سے اسباب وعلل ہیں اس لیے اس پر روشنی ڈالنا بھی ضروری ہے اور ہو سکتا ہے کہ میری طرف سے اس فن کے ماہرین ومتخصصین کے سامنے کوئی ایسی اچھائی اُبھر کر سامنے آسکے جو انہیں اس کے بڑھاوا دینے اور اُمت کے حالات وضروریات اور خصوصیت سے ملت کے علم دوست نوجوانوں کو توجہ دینے کی دعوت دے سکے۔

اس عنوان کے انتخاب کی وجوہات اور اسباب کے بارے میں کہوں گا کہ بہت سے مسلم ممالک میں نوجوانوں کی آنکھیں ایسے ناخوش گوار واقعے پر کھلیں جن کا ذمہ دار وہ خود کو نہیں سمجھتے۔ اس لیے کہ ان ممالک میں استعمار گونا گوں خرابیاں پیدا کر گیا اور طرح طرح کے فکری ونفسیاتی آثار غلیظہ چھوڑ گیا۔ اور اسلام میں پیوند کاری کے لیے ایسے دستور وقوانین اور تہذیب وتمدن کو درآمد کر گیا جو بربادی اور بے راہ روی کے مظاہر، تربیت کے غیر منظم راستے، چال چلن میں کج روی، الحاد ولادینیت اور کمیونزم واباحیت کی کھلی دعوت اور دہریت ونفاق کے مظاہر ہیں۔

انہیں اسباب وعلل کے باعث معتدل راہ اور درست مسلک کے لیے ضروری ہے کہ اس کے قائدین اُمت ورہنمایانِ ملت اس کا زندہ ثبوت وشہادت ہوں، جن کا قول عمل سے وابستہ

ہو۔احکام کے پابند اور سنن واحادیث کے پیرو ہوں۔

نیز صحیح راہ یابی اور بالغ نظری وژرف نگاہی کے لیے یہ بھی واجب ہے کہ مبلغین اور علماء اہم اور افضل کی ترتیب کے لیے اولویات کے بارے میں اپنے اپنے طریقوں پر نظر ثانی کریں، کیونکہ سنت واجب کے ماسواء ہے اور مکروہ حرام سے کمتر ہے۔

لوگوں میں کچھ محدود فکر، تنگ ادراک اور نادان وکم علم لوگ بھی ہیں جن کے میزانِ عقل وخرد میں خلل کے باعث ان کے نزدیک اولویات مشتبہ ہو جاتی ہیں اور بسا اوقات ایسے لوگ کسی عالم یا کسی جماعت کی رائے کی حمایت میں بدترین جانب داری اور دشمنانہ تعصب تک اُتر آتے ہیں۔

اسی کے برخلاف ایسے اشخاص بھی پائے جاتے ہیں جو تنقید میں غلو سے کام لیتے ہیں اور بحث ومناظرہ میں شیطنت پر اُتر آتے ہیں، یہاں تک کہ وہ نصیحت وحسن ظن اور لوگوں کی قدر شناسی کے فرض کو سمجھے بغیر غیبت او تنقیص اور عیب جوئی میں پڑ جاتے ہیں۔

سچی اسلامی اخوت کے احیاء کے لیے پیہم کوشش کی سخت ضرورت ہے تا کہ اُمت کی سبھی جماعتیں اور طبقے اللہ تعالیٰ کے دین کی اعانت ومحبت اور اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کے لیے دوستی پر ہر چیز سے بلند ہو کر ایک ہو جائیں۔

بھائیو! اس کتاب میں ہمارا خطاب صاحب علم وفکر علماء وطلباء سے یہ ہے کہ قضیے اور مسائل بحث کی بساط۔پر رکھے جائیں اور ہر مجتہد کی رائے کا خواہ مخطی ہو یا مصیب احترام کیا جائے۔کسی مجتہد پر بے وجہ اعتراض کرنا یا اس کی تنقیص کرنا علم کے باب میں ناپسندیدہ ہے۔

کسی مجتہد کی چوک اس کی آبروریزی کا جواز نہیں پیدا کرتی ، نہ کسی بے عیب اور بُرے شخص کی عیب جوئی مناسب بات ہے اور نہ لوگوں کو متہم اور بدنام کرنے کی نفسانیت پسندیدہ ہے۔

علماء ومبلغین کا فرض ہے کہ اپنی دعوت وتبلیغ کی قدر وقیمت کا اندازہ کریں کیونکہ حقانیت کسی ایک مسلک میں محدود نہیں ہے اور اختلاف رائے لڑائی اور غصے کا باعث نہیں ہونا

چاہیے۔ مجتہدین کی تو یہ شان ہی ہے کہ ان میں اختلاف ہو۔ ان کا یہ اختلاف تعصب اور جانب داری کے بغیر بہر حال قابل قبول ہے اس پر نفاق و شقاق کی بنیاد نہیں ہونی چاہیے، نہ اس کے سبب عداوت کی تخم ریزی ہونی چاہیے۔ تنقید کا حق یہ ہے کہ ناقد حق کو اپنے اندر محدود نہ سمجھے۔

یہ افسوس ناک بات ہے کہ نقطۂ نظر کا اختلاف شخصی عناد اور تباہ کن نفسانیت میں تبدیل ہو جائے اور رونا تو اس بات کا ہے کہ ایک چھوٹے سے مسئلے کا اختلاف اُصولِ اسلام اور دینی قواعد میں الزام تراشی تک جا پہنچے۔

بحث و مناظرے میں بے ادبی یہ ہے کہ مسلمانوں، خصوصیت سے علماء اور مبلغین کی عزت و آبرو پر دست درازی کو جائز بنا لیا جائے۔ پھر عیب جوئی اور نکتہ چینی کی روش کو اپنا کر معمولی سی دست خیالی کے سبب کثرت ظن کی پیروی کی جانے لگے۔

بھائیو! اس کتاب میں یہ سب باتیں کہنے کی وجہ یہ ہے کہ کچھ ایسے یگانہ لوگوں اور بزرگ علماء نے اس دین کی خدمت کی ہے جو علم کی انتہا کو پہنچے ہوئے تھے، انہوں نے راہِ خدا میں جہاد کیا اور اللہ کے دین کی خاطر انہوں نے مصیبتیں سہیں۔ وہ بڑے تابندہ ذہن اور پاک نفس لوگ تھے۔ ان کا اثر لوگوں میں ظاہر اور اقدام حق میں ان کا اخلاص نمایاں ہے، وہ ہر قسم کی ستائش کے مستحق ہیں۔

لیکن اس کا یہ معنی نہیں کہ وہ معصوم ہیں، اور ان کی شان میں غلو سے کام لے کر انہیں لغزشوں سے بری قرار دیا جائے اور ان کی مخالفین سے عداوت رکھی جائے۔

ہمارے لیے یہ بھی جائز نہیں کہ ہم ان پر جفا کریں اور ان کی آبرو ریزی کو جائز بنا لیں اور ان کے اہم کارناموں کا انکار کر دیں اور ان کی مساعی جمیلہ کو معیوب قرار دیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہر عالم کی رائے اخذ و مواخذہ کے قابل ہے لیکن کسی مسلمان عالم پر جسے علم اور دعوت و تبلیغ میں دسترس حاصل ہو اور اُمت پر اس کا اچھا اثر ہو ایسے شخص پر تنقید کرنے اور کسی جنایت کار ملحد، خود غرض کافر اور حاسد مستشرق کی تردید میں بہت فرق ہے۔

اس کتاب میں ہم بات کا آغاز اسی انداز اور اسی نظریے سے کریں گے۔ چنانچہ ہم پہلے اختلاف اور اس کی صورتوں اور لوگوں کی زندگی میں اس کے وقوع پذیر ہونے کا ذکر کریں گے، پھر صحابہ اور سلف کے ادب کے کچھ نمونوں کی طرف اشارہ کریں گے اور اسی باب کے کچھ آداب وقواعد کا ذکر کریں گے۔

اختلاف کی تعریف

اختلاف کی تعریف جیسا کہ علامہ جرجانی نے کی ہے، یہ ہے:

"منازعة تجری من المتعارضين لتحقيق حق و إبطال باطل"[1]

''اختلاف وہ آویزش ہے جو دو فریق کے درمیان اثبات حق اور ابطال باطل کے لیے ہو۔''

علم الاختلاف سے مراد ان مسائل کا علم ہے جن میں اجتہاد جاری ہوتا ہے، پیش آمدہ رائے میں درستگی یا غلطی یا انفرادیت سے قطع نظر۔

بسا اوقات علم الاختلاف ان مسائل کے ساتھ خاص ہوتا ہے جن میں بالفعل مجتہدین میں اختلاف ہوا ہو۔

بعض علماء نے ''خلاف عالی'' کے نام سے جو اصطلاح بنائی ہے اور جس سے ان کا مقصود وہ اختلاف ہے جو مذہب حقہ سے خارج ہو اسی ضمن میں داخل ہے۔

نیز جدید دراسات کی اصطلاح میں جسے ''فقہ مقارن'' یا ''تقابلی فقہ'' کا نام دیا جاتا ہے، وہ بھی اسی قبیل سے ہے۔

رہا لفظ ''خلاف'' یا ''اختلاف'' تو ان دونوں کے درمیان کوئی قابل اعتماد فرق نہیں۔ علماء اپنی کتابوں میں دونوں کو ایک ہی معنی میں استعمال کرتے ہیں اگرچہ بعض علماء نے بہ تکلف

---

[1] الجرجانی: التعریفات، حرف الخاء، اہل اصطلاح کے نزدیک یہ ایک مروجہ تعریف جرجانی کے علاوہ کسی دوسرے کے یہاں مجھ کو نہیں ملی۔ (مؤلف)

دونوں میں فرق کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن حاصل کلام یہ ہے کہ معنی کو سمجھ لینے کے بعد اصطلاح میں اختلاف کی کوئی وجہ جواز نہیں۔

وقوع اختلاف

انسانی دنیا میں اختلاف کا پایا جانا ایک مسلّمہ بات ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق میں ایک سنت ہے۔ چنانچہ لوگ اپنے رنگ و زبان، اور طبیعت و ادراکات، اور معارف و عقول اور شکل و صورت میں باہم مختلف ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ۝ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ وَ لِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ﴾ (ھود: ۱۱۸، ۱۱۹)

''اگر اللہ چاہتا تو لوگوں کو ایک اُمت بنا دیتا، اور لوگ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے، مگر جس پر آپ کا رب رحم فرما دے، اور اسی کے لیے اس نے انہیں پیدا کیا۔''

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد لوگوں کا دین و اخلاق اور افعال میں اختلاف ہے۔

لیکن اس تباین اور قابلیت اختلاف کے باوجود اللہ تعالیٰ نے صراطِ مستقیم پر ہدایت کے چراغ روشن کر دیے ہیں، اسی لیے اس نے دوسری آیت میں فرما دیا ہے:

﴿فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ﴾

(البقرہ: ۲۱۳)

''تو اللہ نے مومنوں کو اپنے حکم سے اس حق کی ہدایت فرما دی جس میں لوگوں نے اختلاف کیا۔''

اور اس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن جو اللہ تعالیٰ کے پاس سے ایک حقانیت اور لاریب کتاب ہے، مومنوں کے لیے ہدایت اور شفا ہے۔ اور جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں ڈاٹ ہے اور وہ ان کے اوپر اندھا پن ہے۔

﴿وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْ آذَانِهِمْ وَقْرٌ﴾ (فصلت : ٤٤)

اور یہیں سے بات ہی بات میں ہم یہ بیان بھی کرنا چاہیں گے کہ مومن حق تک کیسے پہنچ سکتا ہے؟ اور کیسے بے سود اختلاف سے کنارہ کش رہ سکتا ہے۔

اختلاف کے انواع واقسام

خلاف یا اختلاف کو تین قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱۔ اختلافِ مذموم

۲۔ اختلافِ ممدوح

۳۔ اختلاف جائز

اختلافِ مذموم:

اختلافِ مذموم کی بہت سی صورتیں ہیں جن میں سے بعض بعض سے زیادہ قابل مذمت ہیں، مثلاً:

الف:...... انسانی دنیا میں مومن اور کافر ہونے کا اختلاف۔ اسی کے بارے میں ارشادِ ربانی ہے:

﴿هٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوْا﴾ (الحج: ١٩)

"یعنی یہ دو فریق جو اپنے رب کے بارے میں ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔"

ب:...... بدعتیوں اور نفس پرستوں کا اختلاف۔ جیسے خوارج اور ان جیسے لوگوں کا اختلاف جنھوں نے مسلمانوں کی جماعت کے خلاف بغاوت کی، اور ان کا خون جائز قرار دینے کی دعوت دی۔ چنانچہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ان جیسے لوگوں کے اجتہاد کا ذکر کیا گیا تو فرمایا کہ:

"یہ لوگ اجتہاد میں یہود ونصاریٰ سے زیادہ سخت نہیں ہیں جب کہ وہ ضلالت پر ہیں۔"

ج:...... یہ اعتقادِ جازم جس پر تقلید آمادہ کرتی ہے کہ مخالف کا مذہب قطعاً باطل ہے۔ یہاں تک کہ اس کی بنیاد پر ایک دوسرے کے پیچھے نماز میں نہیں ہونے لگتیں، حالانکہ اختلاف

چند ایسے مسائل میں ہے جن میں اجتہاد اور وسعتِ نظر کی گنجائش ہے۔

د:...... قائلینِ تقلید اور منکرین تقلید کا اختلاف بھی اسی قسم کی ایک کڑی ہے۔ چنانچہ بسا اوقات تقلید بعض افراد کو اپنے امام کی بے جا حمایت میں ترکِ سنت پر اس کے ظاہر و ثابت اور واضح مبرہن ہونے کے باوجود آمادہ کرتی ہے۔ اور وہ شخص سنت کی تاویل میں تکلف برتنے لگتا ہے، اور جوابات کے لیے حیلہ سازی اور ناپسندیدہ بات کو طول دینے لگتا ہے، یہاں تک کہ معاملہ آپس میں فرقت اور سخت دشمنی تک جا پہنچتا ہے۔

خصوصاً نماز اور اس کی بعض ہیئتوں اور افعال کے بارے میں پیدا شدہ اختلاف، جیسے رفع الیدین اور عدم رفع الیدین وغیرہ جن میں سے اکثر مستحب کے حکم میں ہیں، جب کہ مسلمانوں میں تفریق حرام اور اُلفت پیدا کرنا واجب ہے۔

ان سب باتوں کو یہاں پیش کرنے کا مقصد بعض صورتوں اور مثالوں کو پیش کرنا ہے۔ تدابیر اور آداب کی بات عنقریب آئے گی لیکن اس جیسے اختلافات میں مذمت کا سبب آپ بخوبی دیکھ سکتے ہیں کہ وہ یا تو حق کا انکار ہے یا غلبۂ نفسانیت اور کچھ لوگوں کی بے جا حمایت، ایسے اختلافات خالص حق کے لیے نہیں ہوتے۔

اختلافِ ممدوح:

ممدوح یا محمود اختلاف سے مراد اہل کتاب، مشرکین اور فاسقوں اور بے ادبوں کی ہیئات و حالات اور ان کے تیوہاروں اور تقریبات کی مخالفت کرنا ہے۔ اور ایسی اور اس جیسی مخالفت قابل تعریف ہے اور شریعت میں ممدوح و محمود ہی نہیں بلکہ شریعت کا مقصد بھی ہے، اور ان کی مشابہت اور تشبہ سے نہی وارد ہوئی ہے۔

اختلافِ جائز:

جائز اختلاف اجتہادی مسائل میں مجتہدین، یعنی فقہاء و مفتیان اور حکام کا اختلاف ہے۔ فرامین نبویہ میں سے اس صحیح حدیث کی طرف دھیان دیجیے کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں:

((إذَا حكم الحاكم فأصاب له أجران ، وإذا حكم فأخطأ فله

أجر .)) ❶

''حاکم جب اپنے اجتہاد سے درست فیصل کر دے تو اسے دوہرا اجر ہے اور جب فیصلہ میں چوک جائے تو اسے اکہرا اجر ہے۔''

یہ صحیح حدیث مجتہد سے چوک ہو جانے کے امکان کی واضح دلیل ہے۔ اور چوک ہونے کا مطلب ہوا اختلاف ہونا، خواہ وہ اس کے اور کسی دوسرے کے درمیان ہو، یا اس کی رائے کے متبعین اور مخالفین کے درمیان ہو۔ پھر مخالف کے لیے اجر کا ثبوت اس بات کی دلیل ہے کہ یہ جائز اختلاف ہے ورنہ وہ کسی اجر کا مستحق نہیں ہوتا۔ اور بنی قریظہ کا واقعہ تو مشہور و معروف ہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دونوں جماعتوں کو برقرار رکھا۔ اور مسلمان علماء فقہاء اور حکام دور صحابہ سے اب تک اصل اختلاف کا انکار کیے بغیر مسائل میں اختلاف کرتے آئے ہیں اور آئندہ بھی کرتے رہیں گے۔ ذیل میں ہم اس کے کچھ نمونے بیان کر رہے ہیں۔

۱۔ امام بیہقی نے سنن کبریٰ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ''ہم اصحاب رسول اللہ ﷺ سفر کرتے تھے تو ہم میں سے کچھ لوگ روزہ دار ہوتے تھے اور کچھ افطار کرتے تھے۔ کچھ لوگ پوری نماز پڑھتے تھے اور کچھ قصر کرتے تھے، لیکن اس متضاد عمل کے باوجود کوئی ایک دوسرے پر عیب نہیں لگاتا تھا۔''

۲۔ امام مسلم نے بھی صحیح مسلم میں ابو خالد احمر سے حمید سے روایت کیا ہے کہ میں سفر میں نکلا اور روزہ رکھ لیا تو لوگوں نے مجھ سے کہا کہ روزہ دہراؤ، تو میں نے کہا کہ مجھے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتایا ہے کہ صحابۂ رسول اللہ ﷺ سفر کرتے تھے تو روزہ دار غیر روزہ دار پر، اور غیر روزہ دار روزہ دار پر عیب نہیں لگاتا تھا۔ پھر میری ملاقات عبداللہ ابی ملیکہ سے ہوئی تو انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہوئے ایسی بات مجھے بتائی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعض اختلافی مسائل

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے درمیان اختلاف کی مثالیں بہت زیادہ ہیں، جو حصر سے باہر ہیں

❶ صحیح بخاری و صحیح مسلم .

اور خصوصیت سے اس جیسی مختصر کتاب میں، لیکن میں کچھ ایسے قضیوں کی طرف اشارہ کروں گا جن میں کچھ نتیجہ خیز قضیئے بھی ہیں اور جن کے بارے میں، میں کہہ سکتا ہوں، بلکہ یقین رکھتا ہوں کہ اُمت کی روش اور اس کے انجام کا دارو مدار اسی اختلاف کے نتائج پر ہے۔

مثلاً نبی کریم ﷺ کی وفات کے بارے میں ان کا اختلاف یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا انکار ہی نہیں کیا تھا بلکہ اس کے قائل کو قتل کی دھمکی دیتے ہوئے تلوار سونت لی۔ جب کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے تو اس سلسلے میں چند آیات تلاوت فرمائیں اور کہا:

﴿إِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ إِنَّهُمْ مَيِّتُونَ﴾ (الزمر: ٢٠)

''یعنی بے شک آپ کو موت آنی ہے اور انہیں بھی موت آنی ہے۔''

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ﴾ (آل عمران: ١٤٤)

''اور محمد تو صرف ایک رسول ہیں۔ آپ سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے ہیں، تو کیا اگر وہ مر جائیں یا قتل کر دیے جائیں تو تم ایڑیوں کے بل لوٹ جاؤ گے؟''

تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کا یقین ہوا اور فرمایا کہ گویا میں نے اس سے پہلے اسے پڑھا ہی نہ تھا۔

☆ نبی کریم ﷺ کے دفن کی جگہ کے بارے میں ان کا اختلاف۔

نبی کریم ﷺ کے بعد خلافت کے بارے میں ان کا زبردست اور معنی خیز اختلاف، اس سلسلے میں ثقیفہ بنو ساعدہ کا واقعہ تو مشہور ہی ہے جسے بیان کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ وہاں ان کا اختلاف اس حد تک بڑھ گیا تھا کہ کسی نے کہا ''ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے، اور دوسرے نے کہا کہ ہم امیر ہوں گے اور تم وزیر ہو گے۔''

چنانچہ ہوا یہ کہ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی، م اور پھر بیعت کا سلسلہ شروع ہو گیا اور جماعت جس نتیجہ پر پہنچی تھی اسے مان لیا گیا۔ کیونکہ ان کے مقاصد نیک تھے اور نفسانیت ان سے دُور تھی۔

یہ تھی صحابہ رسول اللہ ﷺ کی شان جو برگزیدہ تھے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد ﷺ کی صحبت کے لیے پسند کیا تھا۔

☆ مانعین زکوٰۃ سے قتال کے سلسلے میں ان کا اختلاف۔

رسول اللہ ﷺ کے وصال اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بیعت خلافت کے بعد کچھ نئے مسلم قبائل اسلام سے پھر گئے، اور کچھ قبائل جھوٹے مدعیانِ نبوت جیسے مسیلمہ کذاب وغیرہ کے پیرو ہو گئے، نیز کچھ قبائل زکوٰۃ ادا کرنے سے رُک گئے۔

سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ کیا کہ ان سے قتال کا عزم کر لیا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ ان سے قتال کیسے کریں گے؟ رسول اللہ ﷺ نے تو فرمایا ہے کہ "مجھے لوگوں سے قتال کا حکم دیا گیا یہاں تک کہ شہادت دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ لہٰذا جو اس کا قائل ہو گیا اس نے مجھ سے اپنی جان و مال محفوظ کر لیا مگر اس کے حق کے ساتھ، اور اس کا حساب اللہ پر ہے۔"

سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ سننے کے بعد بھی فرمایا کہ "واللہ! میں اس شخص سے لڑوں گا جو نماز اور زکوٰۃ کے درمیان تفریق کرے گا، کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے، واللہ! اگر وہ مجھ سے ایک رسی بھی روکیں گے جسے رسول اللہ ﷺ کو ادا کیا کرتے تھے تو میں اسے روکنے پر ان سے لڑوں گا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ عزم دیکھ کر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ کی رائے مان لی، اور آپ کی رائے پر صحابہ کا اتفاق ہو گیا اور سلام کا وقار بڑھ گیا۔ بلکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے اور آپ کا عمل ضرب المثل بن گیا جس سے بحران اور مصیبتوں میں استشہاد کرتے ہوئے کہا جانے لگا: ردّة ولا ابا بکر لها۔

حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی فقہ

دونوں نے مرتد اسیروں کے بارے میں اختلاف کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے برعکس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے اہل ارتداد کی عورتوں کو قیدی بنانے کی تھی، جب کہ حضرت

عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں اس مسئلے کے اندر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے فیصلے کو توڑ دیا، اور انہیں ان کے گھر والوں کو واپس کر دیا۔ لیکن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر آپ نے تنقید نہیں کی، کیونکہ اجتہادی مسائل میں دونوں کا اپنا اپنا اجتہاد تھا۔

مفتوحہ اراضی کی تقسیم کے بارے میں دونوں میں اختلاف رہا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مفتوحہ اراضی تقسیم کی گئیں، اور عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں تقسیم نہیں ہوئیں۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے انتقال کے وقت اپنے بعد کے لیے جانشین متعین کیا، اور حضرت عمر نے جانشین نہیں بنایا، بلکہ معاملہ شوریٰ کے سپرد کر دیا، اور یہ نقطہ نظر کا اختلاف ہے جیسا کہ معلوم ہے۔

سیّدنا عمر اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما

بھائیو! آپ کو معلوم ہے کہ عبداللہ بن مسعود اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کتاب اللہ کے سب سے زیادہ قاری اور سنت رسول کے سب سے بڑے عالم تھے، لوگ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بکثرت رہنے کی وجہ سے اہل بیت میں شمار کرتے تھے۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کچھ زمانے تک ہم ابن مسعود اور ان کی ماں کو اہل بیت میں سمجھتے تھے کیونکہ وہ بکثرت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاتے اور رہتے تھے۔ ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن مسعود کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد کسی کو اس آنے والے شخص سے زیادہ قرآن کا جاننے والا چھوڑا ہو۔ تو ابو موسیٰ اشعری نے کہا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے جب ہم سب غائب ہوتے تھے، اور انہیں اجازت ہوتی تھی جب کہ ہمیں روک دیا جاتا تھا۔

دوسری طرف سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ اپنی فقہ اور جلالت شان میں معروف ہیں۔

سیّدنا عبداللہ بن مسعود کچھ اعمال میں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کے لوگوں میں سے ایک تھے۔ بہت سے اجتہادات میں انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت کی، یہاں تک کہ فقہ اسلامی کے مؤرخین نے انہیں صحابہ کرام میں سیّدنا عمر سے سب سے زیادہ متاثر مانا ہے۔ اور اکثر دونوں

اپنے اجتہادات اور انداز استدلال میں متفق بھی ہوتے تھے، اور اکثر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مذہب کی طرف بعض مسائل میں رجوع بھی کیا ہے، مثلاً: "مقاسمة الجدو الاخوة" کے مسئلے میں کبھی۔ ثلث کی طرف اور کبھی سدس کی طرف۔

پھر بھی دونوں نے بہت سے مسائل میں اختلاف بھی کیا ہے اور ان کے چند اختلافی مسائل یہ ہیں کہ:

☆ ابن مسعود رضی اللہ عنہ حالت رکوع میں اپنے دونوں ہاتھوں کی تطبیق کرتے تھے اور انہیں گھٹنوں پر رکھنے سے روکتے تھے جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ انہیں گھٹنوں پر رکھتے تھے اور تطبیق سے روکتے تھے۔

☆ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ اگر کوئی اپنی بیوی سے کہہ دے کہ "تم مجھ پر حرام ہو" تو یہ یمین اور قسم ہے، جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسے ایک طلاق مانتے تھے۔

☆ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ایسے شخص کے بارے میں جس نے کسی عورت سے زنا کیا پھر اس سے شادی کر لی ہو یا یہ فرماتے تھے کہ جب تک دونوں ساتھ رہیں زنا کار ہوں گے، جب کہ حضرت عمر کا خیال یہ نہیں تھا، بلکہ وہ پہلی حالت کو زنا اور دوسری حالت کو نکاح مانتے تھے۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان مختلف فیہ مسائل کو سو سے زیادہ شمار کیا ہے۔ لیکن اس قدر اختلاف کے باوجود ایک کے نزدیک دوسرے کی محبت میں کوئی کمی نہیں آئی اور نہ ایک دوسرے کے احترام اور تعلق و دوستی میں کوئی کمزوری آئی۔

دیکھیے یہ ابن مسعود ہیں، ان کے پاس دو شخص آتے ہیں، ایک نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پڑھا ہے، اور دوسرے نے کسی اور صحابی کے۔ پاس تو جس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پڑھا ہے وہ کہتا ہے کہ مجھے عمر بن الخطاب نے ایسے پڑھایا ہے۔ یہ سن کر ابن مسعود رونے لگتے ہیں یہاں تک کہ کنکریاں آنسوؤں سے تر ہو جاتی ہیں اور فرماتے ہیں کہ جیسے عمر رضی اللہ عنہ نے

پڑھایا ہے ویسے ہی پڑھو، کیونکہ وہ اسلام کا ایسا مضبوط قلعہ تھے جس میں لوگ داخل ہو کر نکلتے نہیں تھے، لیکن جب ان کی شہادت ہوگئی تو قلعہ میں شگاف پڑ گیا۔

اسی طرح ایک دن کا واقعہ ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آ رہے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیٹھے تھے، جب انہیں آتے دیکھا تو کہنے لگے: "کنیف ملئ علما أو فقها" یعنی آپ علم وفقہ کا پٹارہ (یعنی لبریز) ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے:

((كنيف ملئ علما آثرت به أهل القادسية .))

"یعنی آپ علم کا پٹارہ ہیں۔ میں نے نہیں قادسیہ (کے مجاہدین) کے حوالہ کر دیا ہے۔"

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ نظریہ تھا۔ اور چند مسائل میں اختلاف نے ان کے آپس کے احترام ومحبت میں اضافہ ہی کیا تھا۔

ہمارے لیے ممکن ہے کہ ان واقعات سے ان تمام تر ایسے آداب کا استنباط کریں جو اختلافی معاملات کے حل کے لیے مشعلِ راہ ہوں۔

عبداللہ بن عباس اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم

حضرت ابو بکر صدیق اور دیگر بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مانند عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا مذہب بھی یہی تھا کہ میراث میں باپ ہی کے مانند دادا بھی سبھی بھائی اور بہنوں کو ساقط کر دیتا ہے۔

اور حضرت علی، عبداللہ بن مسعود اور کچھ دیگر صحابہ کے مانند زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اجمعین کا مذہب یہ تھا کہ بھائی، دادا کے ساتھ وارث ہوتے ہیں اور وہ اس کے سبب محجوب نہیں ہوتے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک روز کہا کہ "تعجب ہے، زید بن ثابت کو اللہ کا خوف نہیں، بیٹے کے بیٹے یعنی پوتے کو بیٹا بناتے ہیں اور باپ کے باپ یعنی دادا کو باپ نہیں بناتے۔"

بلکہ ایک روز ابن عباس کہنے لگے کہ "میں چاہتا ہوں کہ میں اور وہ لوگ جو میراث کے اس مسئلے میں میری مخالفت کرتے ہیں یکجا ہوں اور اپنا ہاتھ حجر اسود پر رکھ کر مباہلہ کریں اور

جھوٹے پر اللہ کی لعنت کریں۔''

ابن عباس نے جن کو اپنے اجتہاد کی صحت اور زید بن ثابت کے اجتہاد کی چوک پر اس قدر اعتماد تھا کہ روز زید بن ثابت کو سواری پر دیکھا تو اس کی رکاب پکڑ لی اور لے کر چلنے لگے۔ اس پر زید بن ثابت نے کہا: اے چچازاد رسول چھوڑ یے، تو ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''کہ ہمیں اپنے علماء اور بڑوں کے ساتھ ایسا ہی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ پھر زید بن ثابت نے کہا کہ اچھا مجھے اپنا ہاتھ دکھایئے اور ابن عباس نے اپنا ہاتھ نکالا تو زید بن ثابت نے اسے چوم لیا اور فرمایا کہ ہمارے نبی کے اہل بیت کے ساتھ ہمیں یہی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

جب زید بن ثابت کا انتقال ہوا تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایسے ہی علم کا خاتمہ ہوگا۔ بلکہ سنن کبریٰ بیہقی کی روایت میں ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایسے ہی علم کا خاتمہ ہوتا ہے، آج بہت سا علم دفن کر دیا گیا۔

الغرض یہ تھے فقہی اختلافات کے چند نمونے اور مخالفین کے موقف کی چند مثالیں۔

پُر آشوب دور میں اختلاف کا ادب وسلیقہ:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے درمیان جو فتنے رونما ہوئے وہ سبھی کو معلوم ہیں اور ہمارا مذہب اہل سنت والجماعت کے مانند صحابہ کرام کی باہمی آویزش کے متعلق سکوت اور خاموشی کا ہے۔ لیکن ان فتنوں میں شعوبی، دین مخالف، دسیسہ کار اور ہوا پرستوں نے جو غبار آلود فضا میں شکار کیا کرتے ہیں، شکار کیا اور اسی بنا پر کئی ایسے قصے اور واقعات مل جائیں گے جو ایک منصف کے صاف ذہن کو مکدر اور تیرہ بنا دیتے ہیں۔ بلکہ کرید کرنے والے کو ان میں ایسے اغراض و مقاصد اور اہداف مل جاتے ہیں جن کے پس پردہ دین کو منہدم کرنا اور ان صحابہ رسول کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرنا مقصود ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی صحبت کے لیے منتخب کیا تھا۔

لیکن اگر تم انصاف کی نظر سے دیکھو گے تو اس کے برعکس یہ پاؤ گے کہ اگر چہ تلوار بلند ہوئیں اور خون بہے، پھر بھی یہ حقیقت سامنے آئے گی اور ادراک اسی بات کا ہوگا کہ جو کچھ ہوا

وہ اجتہاد کی حد سے آگے نہیں بڑھا، اور دین اور صحت عقیدہ میں الزام کی حد تک نہیں پہنچا۔

مشہور اموی حاکم مروان بن حکم کہتا ہے کہ:

''میں نے فاتحین میں علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ کسی کو معزز نہیں دیکھا، ہم تو جنگ جمل کے روز شکست کھا کر پیچھے بھاگ رہے تھے اور ادھر ایک منادی اعلان کر رہا تھا کہ: زخمیوں کو تہ تیغ نہ کیا جائے۔''

ایک اور قصہ سنو:

جنگ جمل میں جو حضرت علی اور طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہما کے درمیان ہوئی تھی، جنگ کے بعد عمران بن طلحہ حضرت علی کے پاس آتے ہیں تو آپ رضی اللہ عنہ انہیں مبارک باد دیتے ہیں اور اپنے قریب کر لیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور تمہارے والد طلحہ کو ان لوگوں میں شامل کرے گا جن کے بارے میں اس کا ارشاد ہے:

﴿وَ نَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ﴾

(الحجر : ٤٧)

''ہم ان کے سینوں کے بغض وحسد کو ختم کر دیں گے، وہ مسند پر آمنے سامنے بھائی بھائی بن کر بیٹھے ہوں گے۔''

پھر ان سے طلحہ کے اہل بیت کے بارے میں فرداً فرداً اور ان کے غلاموں اور امہات الاولاد (لونڈیوں) کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ بھتیجے بتاؤ کہ فلاں کی حالت کیا ہے اور فلانی عورت کی حالت کیسی ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

حاضرین میں سے جنہیں صحبت نبوی کا شرف حاصل نہیں تھا اور محمدی تربیت کے معانی نہیں سمجھتے تھے تعجب کرنے لگے۔ بلکہ ان حاضرین میں کنارے بیٹھے دو شخص کہنے لگے: اللہ اس سے زیادہ عادل ہے۔ کل تک آپ ان سے لڑتے رہے اور جنت میں بھائی بھائی ہو جاؤ گے؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ سن کر بھڑک جاتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں: تم دونوں اٹھو اور کسی دور و دراز علاقے میں جا کر رہو، تم میری مجلس میں رہنے کے لائق نہیں ہو۔ اگر میں اور طلحہ

ایسے نہ ہوں تو پھر کون ہے، بتاؤ پھر کون ایسا ہے؟

ایک شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ جمل میں ان کے مخالفین کے بارے میں دریافت کرتا ہے کہ کیا وہ لوگ مشرک ہیں؟

آپ جواب دیتے ہیں کہ وہ تو شرک ہی سے بھاگ کر مسلمان ہوئے تھے۔

سوال کرنے والا پھر کہتا ہے کہ تو کیا وہ منافق ہیں؟

آپ جواب دیتے ہیں کہ منافقین اللہ کا ذکر بہت کم کرتے ہیں۔ اس نے کہا: پھر وہ لوگ کیا ہیں؟

تو آپ فرماتے ہیں کہ وہ ہمارے بھائی ہیں، فرق یہ ہے کہ انہوں نے ہم پر زیادتی کی۔

عمار بن یاسر اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما:

ایک شخص نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے روبرو ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اہانت کی، جب کہ وہ جنگ جمل میں ان کے موقف کے مخالف تھے جیسا کہ سب جانتے ہیں، تو وہ فرماتے ہیں:

> ''ذلیل، نکمے چپ رہو، کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبہ کو تکلیف دے رہے ہو؟، میں شہادت دیتا ہوں کہ وہ جنت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی رہیں گی، ہمیں یقین ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا اور آخرت میں بیوی ہیں۔ ہاں ہماری ماں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو روش اپنائی وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرف ایک آزمائش تھی کہ آیا اس کی فرمانبرداری کرتے ہیں یا ان (عائشہ رضی اللہ عنہا) کی۔''

بھلا اب کون سا ادب باقی رہ گیا جس کا انتظار کیا جائے؟

حضرت علی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما:

حضرت علی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما میں چشمک واختلاف کے باوجود امیر معاویہ کو کوئی پس و پیش نہیں تھا کہ اپنے مشکل مسائل کے حل کے لیے ان کے پاس استفتاء روانہ کریں۔

امام مالک اور امام بیہقی نے سعید بن المسیب سے روایت کیا ہے کہ ابن خیبری نامی ایک

شامی شخص نے ایک شخص کو اپنی بیوی کے پاس پایا اور اسے قتل کر دیا یا دونوں کو قتل کر دیا اور امیر معاویہ کے لیے اس کا فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا، تو انہوں نے ابو موسیٰ اشعری کے پاس لکھ بھیجا کہ اس بارے میں حضرت علی سے مسئلہ دریافت کریں۔ جب ابو موسیٰ اشعری نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ میرے علاقے کا معاملہ تو نہیں ہے، لہٰذا پہلے تم مجھے اس کی حقیقت بتاؤ، تب ابو موسیٰ اشعری نے کہا کہ میرے پاس حضرت معاویہ کا خط آیا ہے کہ آپ سے معلوم کروں، تو حضرت علی نے فرمایا کہ میں ابو الحسن ہوں، اگر وہ چار گواہ نہ پیش کرے تو اسے قصاص کے لیے مقتول کے ورثہ کے حوالہ کر دیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا خون مکمل طور پر حرام کیا ہے، لہٰذا جس پر کسی مسلمان کا قتل کرنا ثابت ہوا اور وہ دعویٰ کرتا ہو کہ اس کا قتل واجب تھا تو اس کی یہ بات تسلیم نہیں ہوگی جب تک وہ اپنے دعوے کا ثبوت نہ پیش کرے، کیونکہ اس دعویٰ سے وہ اپنے اوپر سے قصاص اٹھا دینا چاہتا ہے۔

امیر معاویہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو رو رہے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اپنے رب کی آغوش رحمت میں چلے جانے کے بعد جب حضرت علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے جھگڑے بند ہو گئے تو ضرار بن حمزہ کنانی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آتے ہیں، معاویہ رضی اللہ عنہ ان سے علی رضی اللہ عنہ کے اوصاف پوچھتے ہیں۔ ضرار کہتے ہیں کہ امیر المؤمنین مجھے معاف فرمایئے، یعنی مجھ سے یہ بات نہ پوچھیے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نہیں میں تمہیں معاف کروں گا۔ ضرار بن حمزہ کہتے ہیں کہ جب بیان کیے بغیر کوئی چارہ نہیں تو سنیے: بخدا وہ بلند ہمت اور بڑے طاقت ور تھے، ان کی بات فیصلہ کن اور حکم عادلانہ ہوتا تھا، ان کے پہلوؤں سے علم کے چشمے ابل رہے تھے اور حکمت ان کے اردگرد سے رواں دواں تھی، وہ دنیا اور اس کی شادابی سے وحشت کرتے تھے، اور رات اور اس کی تاریکی سے انسیت رکھتے تھے، واللہ وہ بڑے اشکبار اور دراز فکر تھے، اپنی ہتھیلیاں الٹتے پلٹتے اور اپنے نفس کو مخاطب کرتے تھے، انہیں معمولی لباس اور موٹا کھانا پسند تھا، واللہ وہ ہمارے جیسے ہی ایک فرد تھے، جب ہم آتے تو ہمیں قریب کر لیتے اور جب ہم کچھ سوال کرتے تو جواب دیتے تھے، ہماری ان کی

قربت کے باوجود ان کی ہیبت کے سبب ہم ان سے بات نہیں کر پاتے تھے، اگر مسکراتے تو پروئے ہوئے موتیوں جیسے دانتوں سے مسکراتے، دین داروں کی عزت کرتے اور غریبوں سے محبت کرتے تھے، طاقتور ان سے اپنے باطل کی امید نہیں لگا تا تھا اور کمزور ان کے عدل سے ناامید نہیں ہوتا تھا۔ میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے ایک مرتبہ انہیں دیکھا ہے جب کہ رات نے اپنے پردے لٹکا لئے اور ستارے جھلملا گئے وہ اپنے مصلیٰ پر داڑھی پکڑے جھوم رہے تھے، اور سانپ کاٹے ہوئے کے مانند بل کھا رہے تھے اور غمزدہ کے مانند رو رہے تھے، گویا ان کی آواز میرے کانوں میں اب تک گونج رہی ہے اور وہ کہہ رہے ہیں: اے میرے رب، اے میرے رب، اور دنیا کو مخاطب کر کے کہہ رہے ہیں: تو نے مجھے چھیڑا ہے، تو نے میری طرف جھانکا ہے، افسوس در افسوس، تو میرے سوا کسی اور کو فریب دے، میں نے تجھے تین بائن طلاق دے دی ہے تیری عمر کوتاہ ہے، تیری مجلس حقیر ہے، تیرا خیال معمولی ہے، آہ آہ، توشے کی کمی، سفر کی دوری اور راہ کی وحشت!

یہ سن کر حضرت معاویہ کے آنسو ان کی داڑھی پر ٹپک پڑے اور وہ ان پر قابو نہیں پا رہے تھے، اور انہیں اپنی آستین سے پونچھ رہے تھے، بلکہ رونے کے سبب حاضرین مجلس کا گلا بھی رندھ گیا، تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حقیقتاً ابوالحسن (علی) رحمہ اللہ ایسے ہی تھے۔ ضرار، اب تم مجھے بتاؤ کہ ان کی وفات پر تمہارے غم کی کیفیت کیا ہے؟ ضرار بن حمزہ نے کہا کہ اس ماں کے غم کی مانند ہے جس کی آغوش میں اس کا بچہ [1] ذبح کر دیا جائے کہ نہ اس کا آنسو تھم رہا ہو اور نہ اس کے غم کو سکون ہو رہا ہو۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد سلف صالحین:

یہ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین میں اختلاف اور اس کا سلیقہ اور اس اختلاف میں ان کے موقف اور اس وقت تعامل کے سلسلے میں ان کے ادب کے مہ پارے اور نمونے تھے، ان کے بعد سلف صالحین رضوان اللہ علیہم بھی اسی روش پر چلے۔

[1] کتاب کے مطبوعہ نسخوں میں ولدھا کے بجائے واحدھا ہے، اصل کتاب کے ناظرین تصحیح فرمالیں۔

حصین بن عبد الرحمٰن کا واقعہ:

حصین بن عبد الرحمٰن فرماتے ہیں کہ میں سعید بن جبیر رحمہ اللہ کے پاس تھا تو انہوں نے فرمایا کہ کس نے اس ستارے کو دیکھا ہے جو رات کو ٹوٹا؟ میں نے کہا کہ کہ میں پھر میں نے کہا کہ میں تہجد میں نہیں تھا بلکہ مجھے ڈس لیا گیا تھا۔ انہوں نے کہا پھر کیا کیا؟ میں نے کہا کہ جھاڑ اور دم کرلیا۔ انہوں نے پوچھا کہ کیوں ایسا کیا؟ میں نے جواب دیا: ایک حدیث کے سبب جو امام شعبی نے ہم سے بیان کی ہے۔ انہوں نے پوچھا: وہ کون سی حدیث ہے؟ میں نے کہا کہ انہوں نے بریدہ بن حصیب کے واسطے سے ہمیں بتایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لا رقية إلا من عين أو حمة" یعنی جھاڑ پھونک صرف نظر بد اور زہر کے سبب جائز ہے تو انہوں نے فرمایا کہ جس نے خود شنیدہ حدیث پر عمل کرلیا بہتر کیا۔"

میرے محترم بھائیو! اللہ تم پر رحم کرے۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ کی اس بات پر دھیان دو کہ "جس نے خود شنیدہ حدیث پر عمل کرلیا بہتر کیا۔" یعنی جس نے اس علم کو حاصل کرلیا جو اسے پہنچا تھا اور اسی پر عمل بھی کرلیا تو اس نے اچھا کیا، کیونکہ اس نے اپنے فرض کو نبھایا اور اپنے حاصل شدہ علم پر عمل کیا، برخلاف اس شخص کے جو نادانی پر عمل کرتا ہے، یا برخلاف اس شخص کے جو علم کے باوجود عمل نہیں کرتا، ایسا شخص تو غلط کار اور گناہ گار ہے۔

علامہ سلیمان بن عبد اللہ بن شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب نجدی رحمہ اللہ کتاب التوحید کی شرح "تیسیر العزیز الحمید" (ص ۱۰۴، ۱۰۵) میں ❶ لکھتے ہیں کہ:

"اس واقعہ سے سلف صالحین کے علم، حسن ادب اور سیرت و کردار کی فضیلت اور تعلیم و تبلیغ میں تلطف، اور ایک جائز و مشروع مسئلہ کے بالمقابل دوسرے افضل طریقۂ کار کی رہنمائی پر روشنی پڑتی ہے۔ نیز یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اور اس کے

❶ کتاب میں غلطی سے شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب نجدی رحمہ اللہ کی کتاب التوحید کے مسائل کا حوالہ دیا گیا ہے نیز عبارت میں بھی کچھ سقط ہے، یہاں اس کی تصحیح کرلی گئی ہے اور مؤلف حفظہ اللہ کو اس کی خبر کردی گئی ہے جس کے لیے مؤلف ہمارے شکرگزار ہیں۔ وھکذا لیکن آدب الخلاف بین المسلمین۔

رسول سے حاصل شدہ جس بات پر بھی عمل کر لیا جائے وہی بہتر ہے، فقہاء مذاہب وغیرہ کی موشگافیوں کی معرفت پر کوئی عمل موقوف نہیں ہے۔''

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بارے میں:

اور ہم نے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور ان کے اختلافات کے بارے میں بتایا تاریخ و سیرت کی کتابیں ان سے بھری پڑی ہیں اور ان میں گندے پانی میں شکار کرنے والوں کے لیے بھی جو گنجائشیں ہیں ایسے ہی ائمہ سلف رضوان اللہ علیہم اور خصوصیت سے ائمہ متبوعین کے بارے میں کہا جاتا ہے۔ لہٰذا ان میں سے بعض کی تنقیص کی گئی یا تعصب کے نتیجے میں ان میں سے کوئی بھی محفوظ نہیں رہا۔ لیکن جو بنظر انصاف غور کرے گا وہ اس کے برخلاف پائے گا۔

مثلاً یہی امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ ہیں، وہ اہل الرائی میں جس مرتبہ کے ہیں ہم اسے اچھی طرح جانتے ہیں، امیر المؤمنین فی الحدیث شعبہ بن الحجاج رحمہ اللہ ان کی توثیق کرتے ہیں اور ان کے بیان کے خواہش مند ہیں اور جب انہیں امام ابوحنیفہ کی وفات کی خبر پہنچتی ہے تو کہتے ہیں ''ان کے ساتھ کوفہ کی فقہ کا خاتمہ ہوگیا، اللہ ان پر اور ہم پر اپنا فضل و رحم فرمائے۔''

ایک شخص نے یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ سے ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک علم الٰہی کے بغیر کسی دوسری شئی سے زینت حاصل نہیں ہوسکتی۔ بخدا ہم جب ان میں کوئی بھلی بات دیکھتے تو لیتے تھے۔''

مطلب یہ ہے کہ اختلاف اور آراء و اقوال میں عدم موافقت کسی مخالف کی بھلی بات قبول کرنے اور کوئی قول اس کی طرف منسوب کرنے سے مانع نہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ سے عثمان البتی کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا کہ وہ ''مقارب [1]'' شخص تھا اور ابوشبرمہ کے بارے میں پوچھا گیا تو یہی جواب دیا۔

---

[1] مقارب، یا مقارب الحدیث اصول حدیث کی اصطلاح میں تعدیل کے الفاظ میں سے ہے۔ اس لفظ کا ایسے راوی حدیث پر اطلاق ہوتا ہے جس کی حدیث شاذ اور منکر نہ ہو، بلکہ اس کی حدیث دوسرے راوی کی حدیث جیسی ہو یا دوسرے راوی کی حدیث اس کی حدیث کے قریب قریب اور مانند ہو۔ بعض محدثین کے نزدیک مقارب راء کے کسرہ کے ساتھ تعدیل اور فتح کے ساتھ جرح کے الفاظ میں سے ہے۔ (ابوالقاسم)

پھر ابوحنیفہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا کہ: ''اگر وہ مسجد کے ان ستونوں کے بارے میں (جو کہ پتھر کے ہیں) لکڑی کا ہونے پر تم سے مناظرہ کرنے لگیں تو تم انہیں لکڑی سمجھنے لگو گے۔''

یہ قیاس میں ان کی مہارت کی طرف اشارہ ہے۔ ❶

رہے امام شافعی رحمہ اللہ تو ان سے ان (یعنی ابوحنیفہ رحمہ اللہ) کے بارے میں یہ قول بکثرت مروی ہے کہ: ''الناس فی الفقه عیال علی أبی حنیفة'' یعنی لوگ فقہ میں ابوحنیفہ پر اعتماد اور بھروسہ کرنے والے ہیں۔ ❷

امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے مابین:

رہا امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کا معاملہ تو اس سلسلے میں امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: مالک بن انس میرے معلم ہیں۔ انہیں سے میں نے علم حاصل کیا ہے اور جب علماء کا ذکر آئے تو امام مالک ثریا ستارہ ہیں اور میرے نزدیک مالک بن انس سے زیادہ مامون کوئی نہیں ہے۔

اور فرماتے تھے کہ جب امام مالک کے واسطے سے حدیث ملے تو اسے اپنے دونوں ہاتھوں سے مضبوط پکڑ لو۔ کیونکہ اگر کسی حدیث میں شک ہو جاتا تھا تو مالک بن انس پوری حدیث ہی ترک کر دیتے تھے۔

امام مالک اور امام شافعی کا ایک مشہور واقعہ:

امام شافعی کی عمر ۱۵ سال تھی، یہ ان کا طالب علمی کا دور تھا، اساتذہ کی صف میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ اسی وقت کی بات ہے کہ امام مالک سے ایک شخص کے بارے میں مسئلہ پوچھا گیا جس نے کوئی بلبل اس شرط پر خریدی کہ وہ برابر چہچہاتی رہے گی مگر وہ دن کے کچھ

❶ مترجم کے خیال میں یہ مقولہ ''ما هذه العین المالحة التی تبعث قبلکم'' یعنی یہ کون سا کھارا چشمہ آپ کے یہاں ابل پڑا ہے کی طرح امام مالک رحمہ اللہ کی طرف سے امام ابوحنیفہ پر دقیق و رقیق تلمیحی جرح ہے۔ فافهم و تدبر

❷ یہ تو لفظ ''عیال علی أبی حنیفه'' کا معنی ہوا، دیگر روایتوں میں ''عیال أبی حنیفه'' آیا ہوا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ لوگ فقہ میں ابوحنیفہ کی کفالت میں ہیں۔ الغرض امام شافعی کا یہ مقولہ بہت ہی ذو معنی ہے۔ فافهم و تدبر (مترجم)

وقت میں چہچہاتی ہے۔ امام مالک نے جواب دیا کہ اسے بلبل واپس کردینی جائز ہے۔

سائل یہ مسئلہ دریافت کر کے جانے لگا تو اس کی ملاقات شافعی رحمہ اللہ سے ہوئی، انہوں اس سے پوچھا کہ دن میں زیادہ تر چہچہاتی رہتی ہے یا اکثر خاموش رہتی ہے؟ اس نے کہا کہ زیادہ تر چہچہاتی رہتی ہے تو امام شافعی نے جواب دیا کہ اسے واپس کرنے کا اختیار نہیں۔

سائل یہ سن کر امام مالک رحمہ اللہ کے پاس گیا اور بولا کہ میرے مسئلے پر غور کیجیے۔ انہوں نے کہا کہ میری رائے وہی ہے جو میں نے تمہیں بتادی۔ اس نے کہا کہ دروازے پر آپ کا ایک شاگرد ہے جو کہتا ہے کہ وہ مجھے بلبل واپس نہیں کرسکتا۔ امام مالک نے فرمایا کہ اسے میرے پاس لاؤ اور امام شافعی حاضر کیے گئے تو فرمایا کہ تم کہتے ہو کہ وہ واپس نہیں کرسکتا؟ انہوں نے کہا کہ ہاں، میں نے آپ کو اسناد ذکر کرتے ہوئے حدیث بیان کرتے سنا ہے کہ نبی ﷺ نے فاطمہ قرشیہ سے فرمایا کہ ابوجہم اپنا ڈنڈا شانے سے نہیں اتارتے اور معاویہ غریب ہیں ان کے پاس مال نہیں ہے۔ تم اسامہ سے شادی کرلو۔

امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس میں تمہاری بات کی کون سی دلیل ہے؟ انہوں نے کہا کہ وہ ڈنڈا شانے سے نہیں اتارتے یعنی بہت سفر کرتے تھے۔ مگر وقتاً فوقتاً مقیم رہتے تھے، لیکن ان کے بیشتر اوقات سفر میں گزرتے تھے۔ لہٰذا آپ ﷺ نے وسعت کے طور پر ان کے بیشتر حالات کے لحاظ سے پورے حالات کو تعبیر کردیا اور زبان عرب میں ایسی وسعت جائز ہے تو اسی وجہ سے میں نے کہا کہ جب دن کے اکثر حصے میں اس کا چہچہانا ہوتا ہے تو واپس نہیں کی جائے گی، کیونکہ اسے پورے سے تعبیر کیا جائے گا۔

امام شافعی کے دور طالب علمی کا یہ استدلال سن کر مسلم بن خالد زنجی نے ان سے کہا کہ اب تم فتویٰ دو، تمہارے فتویٰ دینے کا وقت ہوگیا۔

امام مالک رحمہ اللہ اپنے اس شاگرد یا اس طالب علم کے اپنے مسئلے کو ردّ کرنے پر ناراض ہوئے اور نہ اسے مسئلے بتانے سے روکا بلکہ اسے قبول کرلیا۔

یہ واقعہ مزید کسی حاشیہ آرائی کا محتاج نہیں۔

امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کا معاملہ:

امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کا معاملہ بھی ایسے ہی مشہور ہے۔ عبداللہ بن احمد کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے کہا کہ شافعی کون شخص تھے کہ میں اکثر آپ کو ان کے حق میں دعاء کرتے ہوئے سنتا ہوں؟ تو فرمایا کہ بیٹے! شافعی رحمہ اللہ دنیا کے لیے آفتاب اور لوگوں کے لیے عافیت کے مانند تھے۔ لہٰذا تم خود غور کرلو کہ ان دونوں کا کوئی جانشین یا بدل ہے؟

صالح بن امام احمد کہتے ہیں کہ مجھ سے یحییٰ بن معین کی ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ تمہارے والد جو کررہے ہیں اس سے شرماتے نہیں؟ میں نے کہا کیا کررہے ہیں؟ کہا کہ میں نے دیکھا کہ شافعی سواری پر ہیں اور وہ ان کے سواری کی لگام پکڑے پیادہ چل رہے ہیں۔ میں نے اپنے والد سے یہ بات کہی تو انہوں نے فرمایا کہ ان سے (یحییٰ بن معین سے) ملو تو کہو کہ میرے والد آپ سے کہتے ہیں اگر فقیہ بننا چاہتے ہو تو آؤ اور دوسری طرف سے تم ان کی رکاب پکڑلو۔

امام احمد رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ جب مجھ سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا ہے اور اس کے بارے میں مجھے کوئی حدیث معلوم نہیں ہوتی تو میں امام شافعی کا قول بتا دیتا ہوں کیونکہ وہ قریش کے عالم وامام ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے بارے میں امام احمد کی یہ رائے تھی اور یہ تعجب کی بات نہیں کہ شاگرد اپنے استاذ پر فریفتہ ہو اور اس کے علم وفضل کا معترف ہو۔ لیکن خود امام شافعی رحمہ اللہ کو امام احمد رحمہ اللہ کی شاگردی ان کے فضل اور معرفت حدیث کے اعتراف سے مانع نہیں ہوئی۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ تم حدیث و رجال میں مجھ سے زیادہ جاننے والے ہو۔ لہٰذا جب حدیث صحیح ہو تو مجھے بتادیا کرو خواہ وہ کوفی حدیث ہو یا بصری یا شامی۔ اگر وہ حدیث صحیح ہوگی تو اسے ہی میں اپنا مذہب قرار دوں گا۔

امام شافعی رحمہ اللہ امام احمد رحمہ اللہ کے واسطے سے جب کوئی حدیث روایت کرتے تو احتراماً ان کا نام نہ لیتے بلکہ فرماتے۔

حدثنا الثقة من أصحابنا وأخبرنا الثقة

''یعنی ہمارے ثقہ دوست نے یہ حدیث بیان کی ہے یا ہمیں یہ خبر دی ہے۔''

الغرض یہ ہمعصروں کے چند نمونے ہیں۔ صحابہ ہمعصر تھے اور ساتھی تھے۔ ائمہ بھی باہم ساتھی تھے۔ اہل علم کی کتابیں ان جیسے نمونوں سے بھری پڑی ہیں لیکن یہاں بسط و تفصیل کا موقع نہیں، البتہ اس کے کچھ اہم نقوش کی طرف اشارہ کر رہا ہوں۔

ائمہ مسلمین کے سلیقۂ اختلاف کے چند نقوش:

ائمہ نے بہت سے اجتہادی امور میں اختلاف کیا ہے، اور ان سے پہلے صحابہ تابعین بھی بہت سے اجتہادی امور میں اختلاف کر چکے ہیں۔ لیکن وہ سب کے سب ہدایت پر ہیں جب تک ان کا اختلاف تفریق و انتشار اور شہوت و نفسانیت پر نہ ہو، وہ لوگ رضائے الٰہی اور حق یابی کے لیے پوری کوشش کرتے تھے۔ اسی سبب سے ہر زمانے کے علماء اجتہادی مسائل میں مفتیوں کے فتوے قبول کر لیتے تھے اور مصیب کو درست قرار دیتے تھے اور چوک کرنے والے کے لیے دعائے مغفرت کیا کرتے تھے اور سب سے حسن ظن رکھتے تھے۔

یہ لوگ قاضیوں کے فیصلے کو کسی بھی مذہب پر تسلیم کر لیتے تھے اور قاضی اپنی صواب دید سے بغیر کسی پریشانی اور تعصب کے برخلاف بھی فیصلہ دیا کرتے تھے۔ خصوصاً ان مسائل میں جو زیادہ مشکل ہوا کرتے تھے۔

میں اس سلسلے میں ایک اہم بات کی طرف توجہ دلانا چاہوں گا جس کا جاننا طلبہ کے لیے زیادہ مناسب ہے اور وہ ہے فقہی مذہب کی تالیفات اور کتب فتاویٰ کے درمیان تفریق کی بات۔ چنانچہ عموماً مدونات فقیہ جو کسی مخصوص مذہب کے قواعد کے مطابق ہوتی ہیں وہ کسی ایک طریقہ کی پابندی ہوتی ہے اور کسی ایک ایسے منہج کو لازم پکڑتی ہیں جن میں خلف سے سلف کی ایک راہ کی حکایت کی جاتی ہے۔

رہے فتاوے اور نوازل تو یہ بہت مختلف ہوتے ہیں اور ان میں اکثر اجتہاد دیکھا جاتا ہے اگرچہ مؤلف سمجھتا ہے کہ وہ مطلق اجتہاد کا اہل نہیں ہے لیکن جب فتویٰ دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے

حضور جواب دہی کے لیے حاضری کو یاد کرتا ہے۔

اور اسی لیے کتب نوازل میں ایسے فقہی ذخیرے ہیں جو کسی خاص فقہی مذہب کی تصنیفات سے بہت مختلف ہیں اور یک ایک ایسی بات ہے جس پر طالب علم کو آگاہ رہنا چاہیے اور اسی سے اس شخص کی کھلی ہوئی تردید ہوتی ہے جو کہتا ہے اجتہاد کے دروازے بند ہیں اور اسی سے ظاہر ہوتا ہے کہ فقہاء امت رحمہم اللہ لوگوں کی مشکلات اور صورتحال میں ان کے ساتھ رہتے تھے، کیونکہ فتاوے اور نوازل پیش آئند قضیئے پر توجہ دیتے ہیں۔ لہٰذا جب کوئی واقعہ پیش آتا یا مشکل سامنے آتی تو عالم غور وخوض کرتا اور اجتہاد کرتا اور بصیرت سے کام لیتے ہوئے بسا اوقات اپنے مذہب کی مخالفت کر جاتا تھا۔

اس سلسلے میں امام بہوتی حنبلی رحمہ اللہ کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ ان سے ایک استفتاء کیا گیا تو حنبلی مذہب کے خلاف فتویٰ دیا۔ اس پر کسی نے عتاب کرتے ہوئے انہیں لکھا کہ ''آپ نے یہ فتویٰ دیا ہے'' جبکہ آپ کی کتاب ''کشاف القناع'' میں ایسے ایسے ہے لہٰذا فتویٰ مذہب کے موافق نہیں ہے۔ اس پر امام بہوتی رحمہ اللہ نے بہت سخت جواب دیا اور فرمایا کہ: کولہو کے بیل سے کہہ دو کہ میں کتاب تالیف کرتے وقت اپنے مذہب کی روش پر چلا اور فتویٰ دیتے وقت اللہ کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا۔

ایسے ہی جب علماء رحمہم اللہ فیصلہ کرتے تھے تو کبھی کبھی مروجہ مذہب کا التزام نہیں کرتے تھے۔ اس لیے کہ قضاء تالیف وتصنیف سے الگ چیز ہے۔ لہٰذا قاضی اور مفتی اپنے مسلک کے خلاف بھی بغیر کسی تعصب وتردد کے اپنے نزدیک راجح مسائل کو لیا کرتے تھے۔ کیونکہ سبھی ایک چشمے سے سیراب ہوتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ وہ اکثر وبیشتر اپنے مختار مذہب کو اس جیسے الفاظ سے پیش کرتے تھے: ''یہ احوط ہے''، یا ''یہ اُحسن ہے'' اور یہ ''مناسب ہے''، ''یہ مناسب نہیں'' یا ''اسے ہم مکروہ سمجھتے ہیں'' یا ''یہ مجھے پسند نہیں'' وغیرہ۔ کیونکہ ان کے یہاں نہ کوئی تنگی تھی، نہ تہمت وافتراء اور نہ ایسی رائے پر کوئی روک اور پابندی تھی جس کا کسی نص شرعی پر دارومدار ہو۔ بلکہ ان کے نزدیک وسعت افق اور سہولت وآسانی بہ نظر تھی۔

صحابہ کرام اور تابعین رضوان اللہ علیہم اور ان کے بعد کچھ لوگ (نماز میں) بسم اللہ پڑھتے تھے اور کچھ نہیں پڑھتے تھے اور کچھ لوگ اسے بہ آواز پڑھتے تھے اور کچھ لوگ نیچی آواز سے، کچھ لوگ فجر میں قنوت کرتے تھے، کچھ قنوت نہیں کرتے تھے۔ کچھ لوگ نکسیر و قے اور پچھنا لگوانے سے وضوء کرتے تھے اور کچھ نہیں کرتے تھے۔ کچھ لوگ اونٹ کا گوشت کھانے اور آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو کرتے تھے اور کچھ نہیں کرتے تھے۔ لیکن ان سب باتوں نے کسی کو دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے سے نہیں روکا۔

اسی طرح امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب، اور امام شافعی اور دیگر ائمہ، مدینہ کے مالکی ائمہ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے حالانکہ وہ سراً یا جہراً بسم اللہ پڑھنے کا التزام نہیں کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ہارون رشید نے پچھنا لگوا کر نماز پڑھائی، امام ابو یوسف نے ان کے پیچھے نماز پڑھ لی اور نماز نہیں دہرائی حالانکہ ان کے نزدیک پچھنا لگوانا ناقضِ وضو ہے (اور جب ان سے پوچھا گیا تو جواب دیا کہ میں نے سوچا کہ اپنے بھائی اہلِ مدینہ کے مسلک پر عمل کرلوں)۔

امام احمد رحمہ اللہ بھی نکسیر اور پچھنا لگوانے سے نقضِ وضو کے قائل تھے۔ جب ان سے سوال کیا گیا کہ اگر امام کا خون نکل آئے اور وضو نہ کرے تو کیا آپ اس کے پیچھے نماز پڑھیں گے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ بھلا میں کیسے امام مالک اور سعید بن المسیب کے پیچھے نماز نہیں پڑھوں گا؟

گویا یہ اشارہ تھا کہ امام مالک اور سعید المسیب دونوں خون نکلنے سے وضو کے قائل نہیں تھے۔ بلکہ بعض روایات میں تو معاملہ اس سے بھی زیادہ وسیع ہے۔

ابن قدامہ اپنی کتاب ''روضۃ الناظر فی اصول الفقہ'' میں فرماتے ہیں کہ جس مفتی سے استفتاء کیا جائے اور اس کے فتوے میں مستفتی کے لیے وسعت نہ ہو تو اسے اس کو اس شخص کے سپرد کردینا چاہیے جس کے پاس وسعت ہو۔

ابن قدامہ فرماتے ہیں کہ حسین بن بشار نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے طلاق کا کوئی مسئلہ دریافت کیا تو فرمایا کہ اگر ایسا کرے گا تو حانث ہوگا۔ حسین بن بشار نے کہا کہ اگر مجھے

کسی نے یہ فتویٰ دے دیا کہ حانث نہیں ہوگا تو؟ امام احمد رحمہ اللہ نے کہا کہ تم (مقام رصافہ میں) مدنیوں کی مجلس جانتے ہو؟ اس نے کہا کہ اگر انہوں نے مجھے فتویٰ دے دیا تو جائز ہو جائے گا؟ فرمایا کہ ہاں!

اور جیسا کہ ابن قدامہ فرماتے ہیں یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک مفتی کے لیے جائز ہے کہ اپنے مسلک کے مخالف کی طرف بھی رہنمائی کر دے۔ گویا ان کا خیال یہ ہے کہ یہ اجتہادی مسائل ہیں اور مفتی کے پاس زیادہ سے زیادہ اپنی ایک رائے ہے لہٰذا وہ اگر منصف ہو تو دوسرے کی طرف رہنمائی کر کے اپنی رائے کو الزام دیتا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اس کے مخالف کے ہاں اس سے بہتر یا مناسب رائے ہو۔

"العواصم من القواصم" کے مؤلف ابوبکر ابن العربی، بغداد کے شافعیہ کے امام ابوبکر محمد بن احمد بن حسین شاشی کے بارے میں جو اپنے زہد و تقویٰ کے سبب جنید کہے جاتے تھے، بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ان کو ایک مجلس مناظرہ میں امام ابوحنیفہ کے مذہب کی حمایت کرتے سنا وہ فرما رہے تھے کہ لغت میں "لا تقرب کذا" (راء کے فتحہ کے ساتھ) بولا جائے تو اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ اس کام میں ملوث نہ ہو اور راء کے ضمہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے کہ اس کے نزدیک نہ جاؤ۔

میں (ابن العربی) نے کہا کہ یہ صحت علم اور وسعت افق کی دلیل ہے، کیونکہ عالم مذہبی تعصب سے بلند ہوئے بغیر اور سچائی اور خیر جہاں کہیں بھی ہو اس کی طرف مائل ہوئے بغیر پختہ نہیں ہوسکتا اور جس کا مقصد حق ہوتا ہے وہ اسے تلاش کرتا ہے اور اس کے لیے دلیلیں پیش کرتا ہے اور بہر صورت وہ حق کے ساتھ رہتا ہے۔ رہا مسلک و مذہب اور کسی خاص طریقہ کے اصول و قواعد کے لیے تعصب اور اس کے لیے واہیات دلیلیں پیش کرنا تو یہ طبیعت کی رذالت، علم کے فساد اور باطل سے انسیت کی دلیل ہے۔

اور یہیں سے جیسا کہ ابن العربی نے محمد بن حسین شاشی کے بارے میں اہل علم کے اقوال میں نظر اور وسعت افق اور تعصب سے دوری کی کیفیت کا ذکر کیا ہے، ابن العربی کہتے

ہیں کہ عقلمند عالم کی صفت جسے اللہ تعالیٰ نے دینی بصیرت اور علم کی دولت سے نوازا ہو یہ ہے کہ جدال (بے سود مناظرہ اور کٹھ حجتی) اور لڑائی نہ کرے اور علم سے اسی پر غالب ہونے کی کوشش کرے جو علم شافی سے مغلوب کیے جانے کے قابل ہو لیکن اس کے لیے کبھی کبھی بے ساختہ مناظرے کی ضرورت آ جاتی ہے، کیونکہ دانشور عالم کی صفت یہ ہے کہ وہ نفس پرستوں کے ساتھ بیٹھک نہیں لگاتا اور نہ ان سے مناظرہ کرتا ہے، لیکن علم وفقہ اور دیگر تمام احکام میں ایسا نہیں ہے۔

اور ایسے ہی جدل ومناظرہ سے دور رہنا چاہیے جس سے روکا گیا ہے اور جس کے برے انجام کا خوف ہے، جس سے ہمیں نبی ﷺ نے ڈرایا ہے اور جس سے مسلم علماء وائمہ نے بھی ڈرایا ہے۔[1]

نبی ﷺ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص سچا ہونے کے باوجود بحث وتکرار نہ کرتا ہو اللہ اس کے لیے وسط جنت میں ایک مکان بنائے گا۔

اور مسلم بن یسار رحمہ اللہ کہا کرتے تھے کہ تم بحث وتکرار سے پرہیز کرو اس لیے کہ یہ عالم کی جہالت کا وقت ہوتا ہے اور اس سے شیطان اس کی غزش ڈھونڈتا ہے۔

اور حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے کسی فقیہ کامل کو بحث وتکرار کرتے نہیں دیکھا۔

اور انہوں نے ہی فرمایا کہ مومن دلجوئی کرتا ہے، بکواس اور لڑائی نہیں کرتا۔ وہ اللہ کی حکمت پھیلاتا ہے اگر وہ حکمت قبول کر لی جائے تو اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور اگر ٹھکرا دی جائے تو اللہ کی حمد کرتا ہے۔

امام محمد حسین فرماتے ہیں کہ حکماء کا خیال ہے کہ زیادہ تر تکرار بھائیوں کے دلوں کو بدل دیتی ہے اور الفت کے بعد جدائی اور انسیت کے بعد وحشت کا وارث بنا دیتی ہے۔

نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث میں وارد ہے کہ کوئی قدم ہدایت پر رہنے کے بعد بے

---

[1] بسط وتفصیل کے لیے علامہ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ کے رسالے "شرح حدیث ما ذئبان جائعان۔ اور فضل علم السلف علی علم الخلف" مترجم کی تحقیق کے ساتھ مراجعہ کیے جائیں۔

راہ نہیں ہوا مگر اسے جدال دے دیا گیا۔ اس کا ذکر آجری نے اپنی کتاب ''اخلاق العلماء'' میں کیا ہے۔

اور بہت سے علماء سے منقول ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں کوئی حدیث یا اجماع نہ ہو اور اس میں اجتہاد کی گنجائش ہو تو اس میں اجتہاد کر کے عمل کرنے یا تقلید کرنے پر نکیر نہیں کی جائے گی۔

اور اس سلسلے میں علماء کے یہ چند اقوال ہیں:

(۱) سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ جب تم کسی کو ایسا عمل کرتے دیکھو جو مختلف فیہ ہو اور تمہاری رائے اس کے علاوہ ہو تو اسے مت روکو۔

اور انہیں کا ایک قول خطیب بغدادی روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: جس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہو میں اپنے بھائیوں کو اسے قبول کرنے سے نہیں روکتا۔

(۲) ابن مفلح رحمہ اللہ اپنی کتاب ''الآداب الشرعیۃ'' میں امام احمد سے ''جن فروعیات میں اختلاف جائز ہو اس میں کسی کے اجتہاد پر نکیر نہیں'' کے عنوان کے تحت نقل کرتے ہیں کہ: اور مروزی کی روایت میں ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: کسی فقیہ کے لیے زیبا نہیں کہ لوگوں کو کسی ایک مذہب کے خلاف للکارے اور ان پر تشدد کرے۔

(۳) امام نووی رحمہ اللہ مسلم شریف کی شرح میں لکھتے ہیں: ''مفتی اور قاضی کو اپنے مخالف پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے جب تک اس نے کسی نص یا اجماع یا قیاس جلی کی مخالفت نہ کی ہو۔

(۴) ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے جامع بیان العلم وفضلہ [1] میں اپنی سند سے عبدالعزیز بن محمد

---

[1] علامہ ابن عبدالبر نے ''جامع بیان العلم'' (۸۰/۲) میں "ما یلزم الناظر فی اختلاف العلماء" کے باب میں ذیل کے دونوں قول قاسم بن محمد اور یحییٰ بن سعید سے نقل کئے ہیں اور اختلاف علماء کے بلکہ اختلاف صحابہ کی صورت میں بھی دو مذہب نقل کئے ہیں۔ پہلا مذہب یہ ہے کہ اختلاف صحابہ کو من وعن تسلیم کر لیا جائے اور اس میں کسی فکر ونظر کی حاجت محسوس نہ کی جائے۔ دوسرا مذہب یہ ہے کہ اختلاف صحابہ کی بھی قرآن وسنت کی روشنی میں جانچ کی جائے اور اس کے خطا وصواب کا دارومدار قرآن وحدیث کو بنایا جائے۔ پہلے مذہب کا دارومدار حدیث ''اصحابی کا لنجوم بایهم اقتدیتم'' ہے۔ امام ابن عبدالبر نے اس مذہب اور اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے اور اس ضعیف مذہب کے ضمن میں مندرجہ ذیل دونوں قول نقل کئے ہیں۔ (دیکھو جامع بیان العلم وفضلہ ۲/ ۷۸۔۸۵، ۹۰۔۹۱)

سے اسامہ بن زید سے حکایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے قاسم بن محمد سے سری نماز میں قراءۃ خلف الامام کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا کہ اگر پڑھو تو تمہارے لیے اصحاب رسول میں سے کچھ لوگوں میں اسوہ ہے اور نہ پڑھو تو بھی اصحاب رسول میں سے کچھ لوگوں میں تمہارے لیے اسوہ ہے۔ ❶

(۵) اور حسن بن حلوانی ❷ نے فرمایا کہ مجھ سے عبداللہ بن صالح نے لیث بن سعد سے یحییٰ بن سعید کا قول نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ اہل فتویٰ برابر فتویٰ دیتے آئے ہیں تو کوئی ناجائز قرار دیتا ہے اور کوئی جائز اور جو ناجائز قرار دیتا ہے وہ یہ نہیں سمجھتا کہ جس نے جائز قرار دیا ہے وہ جائز قرار دینے کی وجہ سے ہلاک ہوگیا اور جو جائز قرار دیتا ہے یہ نہیں سوچتا ہے کہ ناجائز قرار دینے والا ناجائز قرار دینے کے سبب ہلاک ہوگیا۔

اور اگر تم اس سے سخت مسلک چاہو تو سنو! ❸ امام ابن عبد البر کہتے ہیں کہ اسمٰعیل بن اسحاق القاضی نے کتاب ''المبسوط'' میں ابوثابت سے نقل کیا ہے کہ میں نے ابن القاسم کو کہتے ہوئے سنا کہ میں نے امام مالک اور امام اللیث بن سعد کو اختلاف صحابہ کے بارے میں کہتے ہوئے سنا، وہ دونوں فرما رہے تھے کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس میں وسعت ہے۔ حالانکہ ایسی بات نہیں، بلکہ وہ خطا و صواب ہے۔ ❹

---

❶ قاسم بن محمد کا یہ قول ضعیف سند سے مروی ہے اس کے راوی اسامہ بن زید ضعیف ہیں اور عبدالعزیز بن محمد الدراوردی اگرچہ ثقہ ہیں مگر غیروں کی کتاب سے حدیث بیان کرتے وقت غلطی کرتے ہیں (تقریب التہذیب و خلاصہ) نیز یہ کہ قاسم بن محمد سے قراءۃ خلف الامام کی نفی نہیں بلکہ ثبوت ہے۔ مزید یہ کہ بعض اصحاب رسول قراءۃ خلف الامام کی نفی بھی محل نظر ہے کیونکہ اس سلسلہ کے جملہ اقوال و آثار ضعیف سندوں سے مروی ہیں۔

❷ کتاب میں ''حسین بن علی حلوانی'' طبع ہوا ہے، درست ''حسن'' ہے۔

❸ یہی دوسرا مذہب ہے جس کی طرف گذشتہ حاشیہ میں اشارہ ہو چکا ہے۔

❹ اسمٰعیل بن اسحاق القاضی کی کتاب المبسوط سے نقل کردہ بات ابن عبد البر نے ''جامع بیان العلم'' (۸۲/۲) میں نقل کی ہے۔ نیز لیث بن سعد اور امام مالک کا قول اپنی سند میں اصبغ سے ابن القاسم سے نقل کیا ہے۔ (۸۲/۲)

(٦) اسمٰعیل بن اسحاق القاضی کہتے ہیں کہ صحابہ کے اختلاف میں وسعت اجتہاد رائے کی وسعت ہے۔ رہی یہ وسعت کہ انسان ان میں سے کسی ایک کے قول کو بغیر اس کے کہ اس کے پاس اس کے بارے میں حق ہو اپنائے تو ایسا نہیں ہے۔ البتہ ان کا اختلاف دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے اجتہاد سے کام لیا تو مختلف الرائے ہو گئے۔

امام ابن عبد البر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اسماعیل القاضی کا یہ کلام بہت خوب ہے۔

مؤلف کہتے ہیں کہ ہاں! وہ بہت اچھا ہے۔ یہاں تک کہ اسی بات کی بنیاد پر جس کے بارے میں مالک اور لیث بن سعد نے فرمایا کہ وہ خطأً وصواب ہے اجتہاد اور رائے کا میدان کھلا ہوا ہے اور اسی لیے فرمایا کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اختلاف میں وسعت اجتہاد رائے کی وسعت ہے۔ یعنی اس کا معنی یہ ہے کہ ان کا اختلاف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جس مسئلے میں اختلاف جائز ہے، جو شخص اجتہاد کا اہل ہو اس مسئلے میں اجتہاد کرے خواہ وہ جس فیصلے تک پہنچتا ہو اس پر اس معنی میں کوئی نکیر نہیں کہ اس کی رائے کی برائی بیان کی جائے یا اسے بیوقوف قرار دیا جائے اور اسی وجہ سے تو انہوں نے کہہ دیا کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اختلاف میں وسعت اجتہاد رائے میں وسعت ہے۔ رہا یہ کہ یہ وسعت ہو کہ کوئی شخص ان میں سے کسی کا قول اپنائے اور سچ مچ اس کے پاس حق نہ ہو تو ایسا نہیں البتہ ان کا اختلاف دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے اجتہاد کیا تبھی اختلاف ہوا اور اسی سبب سے ابن عبد البر رحمہ اللہ نے اسمٰعیل القاضی کے اس کلام کو مستحسن قرار دیا ہے۔

خاتمہ (کچھ شاذ مواقف و آداب):

اس مجلس کے خاتمہ پر کچھ شاذ مواقف اور چند ایسے آداب پر متنبہ کرتا چلوں جسے ہم گزشتہ بحث سے اخذ کر سکتے ہیں۔

رہے شاذ مواقف جسے طالب علم کبھی یا تو لوگوں کے حالات یا تالیفات میں پاتا ہے اور جن کا شاذ اور خلاف قاعدہ ہونا بدیہی اور ظاہر ہے ہم اس کے بارے میں کہیں گے کہ:

اس میں کوئی شک نہیں کہ جو کتب بینی کرتا ہے اور مؤلفات میں کرید کرتا ہے کچھ شاذ

موقف کی ایسی صورتیں اور نقول و اقوال پاتا ہے جو منصف کے صاف ذہن کو مکدر کر دیتے ہیں، لہٰذا ان کے بارے میں نصیحت و تنبیہ کرنا ضروری ہے اور ہم انہیں دو پہلو سے دیکھ سکتے ہیں ایک افراط کا پہلو، دوسرا تفریط کا پہلو۔

افراط کے مواقف:

اور یہ مندرجہ ذیل باتوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔

(الف) معتبر مذاہب کے کچھ پیروؤں کا بدترین تعصب گویا کہ حق اسی مذہب میں محدود ہے اور بقیہ دیگر مذاہب باطل ہیں اور اسی سے باہم آویزش اور کینے پیدا ہوتے ہیں۔

(ب) اس تعصب نے اپنے امام کے تفوق اور اس کے مذہب کی تائید کے لیے حدیث سازی پر آمادہ کیا اور دوسری طرف ایسی عبارتیں بھی بنائی گئیں جس سے دوسروں کے مسلک و مذہب اور ان کے علماء کی تنقیص ہو اور ظاہر ہے کہ یہ اندھی جہالت اور بدترین تعصب ہے جسے مسلمانوں کے عالم ائمہ کی طرف منسوب کرنا اور ائمہ مہدیین امام مالک، امام شافعی، امام احمد، اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہم وأرضاھم پر چسپاں کرنا تو درکنار کوئی اپنے لیے بھی پسند نہیں کر سکتا۔ [1]

تفریط کے مواقف:

تفریط کے مواقف بھی مندرجہ ذیل ہیں:

[1] یہاں ایک وضع کردہ حدیث بطور مثال نقل کر دینا ہم مناسب سمجھتے ہیں۔ موضوعات کی تمام تر کتابوں میں تقریباً منقول ہے: یکون فی أمتی رجل یقال له محمد بن أدریس أضر علی أمتی من إبلیس، ویکون فی أمتی رجل یقال له أبوحنیفه، هو سراج أمتی۔ یعنی میری امت میں محمد بن ادریس (امام شافعی کا نام ہے) نامی ایک آدمی ہوگا جو میری امت کے لیے ابلیس سے زیادہ مضر ہوگا اور میری امت میں ابوحنیفہ نامی ایک آدمی ہوگا جو میری امت کا چراغ ہوگا۔

محدثین باجماع واتفاق اس حدیث کے وضع کے قائل ہیں۔

موضوعات کی کتابوں میں اس جیسی بے شمار من گھڑت روایتیں خلفاء راشدین، صحابہ و تابعین اور ائمہ مہدیین کے پہلو ائمہ ضلالت کی شان میں موجود ہیں۔ اللہ قلب ونظر عطا کرے۔ (ابوالقاسم)

(الف)...... کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ علمی کتابوں بالخصوص تقابلی فقہ کی کتابوں میں جو اختلاف مذکور ہیں وہ مذموم اختلاف ہیں جو فرقہ بندی، گروہ بندی اور پارٹی بازی کی دعوت دیتے ہیں۔ یہ لوگ قرآنی آیات کے ان عموم سے استشہاد کرتے ہیں جو فرقہ بندی اور اختلاف دور کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ لیکن یہ مسلک غلط اور کوتاہ نظری ہے۔ کیونکہ یہ بات پچھلے صفحات میں معلوم ہو چکی ہے کہ کچھ اختلاف جائز ہوتا ہے، لیکن ان لوگوں کے اس خیال کا انجام سلف امت صحابہ و تابعین اور ائمہ مہدیین اور ان کے متبعین کو ملعون کرتا ہے۔

(ب)......اور تفریط میں مبالغہ کی ایک صورت میں اس جاہل مقلد میں پائی جاتی ہے جو کتاب و سنت کو چھوڑ کر ائمہ کے اقوال کو لیتا اور مانتا ہے اور انسانی اقوال کو کتاب و سنت پر مقدم رکھتا ہے اور یہیں سے تم دیکھتے ہو کہ وہ کچھ ایسی نصوص شرعیہ بھی پیش کرتا ہے جس سے اس کے قول کی تائید ہو اور وہ اپنے مخالف کو ان نصوص سے روگرداں قرار دیتا ہے۔ لیکن اگر وہ تأمل کے بعد انصاف سے کام لے تو یہ پائے گا کہ زیادہ تر اختلاف نص میں نہیں، بلکہ نص کے معنی و مفہوم میں ہوا کرتا ہے اور جب صورت حال یہ ہے تو اختلاف لوگوں کی فہم میں ہوتا ہے اور اس میں اختلاف کی وسعت ہے۔

(ج)...... ایسے ہی تفریط کے مواقف میں اہل مذاہب پر نکیر میں غلو بھی ہے جو کسی نکیر کرنے والے کو یہاں تک پہنچا دیتا ہے کہ وہ متقدمین کی ایسی عبارتوں میں تفتیش و کرید کرنے لگتا ہے جس سے بعض ائمہ کی تنقیص سمجھی جاتی ہے، اور یہ شخص ایسی ہی عبارتوں کو چھانٹ چھانٹ کر الگ کرتا ہے اور انہیں پھیلاتا ہے اور بغض و عداوت کی تخم ریزی کرتا ہے۔

علمی لغزشوں اور فقہی شذوذ کو ڈھونڈنا، اور انہیں یکجا کر کے مجالس اور عوام میں پھیلانا کسی مخصوص مذہب پر ہی نہیں بلکہ پورے دین پر اعتماد میں بے یقینی پیدا کرتا ہے، اور یہ کام نہایت بدترین اور دشمنانہ ہے جس کے پیچھے کوئی عام و خاص مصلحت نہیں۔

لغزشوں کو ڈھونڈنا اور غلطیوں کو تلاش کرنا بیمار دل اور بدنیت شخص کا کام ہے، اس لیے کہ یہ بات معلوم ہے کہ انبیاء کے سوا جو اللہ کے احکام پہنچانے میں معصوم ہیں اور کوئی انسان

معصوم نہیں اور اگر ایسی بات ہوتی تو مخطی مجتہد کو ثواب نہ ملتا۔

اس بیان کے بعد اب ہم ان مبادئی و آداب کے ذکر سے اپنی بات پوری کر رہے ہیں جن کا اختلاف کے وقت پاس و لحاظ رکھنا چاہیے اور وہ یہ ہیں:

اخلاص اور ارادۂ حق:

بحث و نظر اور مناظرے کے وقت ضروری ہے کہ مقصد حق اور حق تک رسائی ہونا چاہیے، اور طالب علم اس کے لیے بالکل خالی الذہن ہو۔ یہ کام بسا اوقات دیکھنے میں بڑا آسان اور قابل عمل ہوتا ہے لیکن اس پر عمل کرنا اور کاربند ہونا بڑا دشوار اور مشکل ہوتا ہے۔ چنانچہ بہت سے لوگ بظاہر داعی حق ہوتے ہیں لیکن وہ اپنی ذات کے داعی ہوتے ہیں اور ان کا مقصد اپنی بڑائی یا اپنے استاذ کی حمایت ہوتی ہے۔

اور شاید اسی میں یہ غلو بھی شامل ہے جو بعض طلباء کو بحث کے دوران شخصی تنقید یا کسی کی ذات سے متعلق عبارات پر مجبور کرتا ہے جس سے وہ دوسرے کو ذلیل کرتا یا بیوقوف قرار دیتا یا اسے بے راہ روی کا الزام دیتا ہے۔ ایسا غلو ذاتی مفاد کے لیے ہوتا ہے، حق کے لیے یقیناً نہیں ہوسکتا۔

مخالفت و اختلاف سے حتیٰ الامکان احتراز:

مخالفت و اختلاف سے حتیٰ الامکان پرہیز چند باتوں کے ذریعہ ممکن ہے:

۱: طلباء کے ساتھ حسن ظن اور اسلامی بھائی چارے کو ہر حیثیت سے بلند رکھ کر۔

۲: جو کچھ ان سے صادر ہو یا ان کی طرف منسوب ہو اسے حتیٰ الامکان اچھی بات پر محمول کر کے۔

۳: اگر ان سے کوئی ایسی بات صادر ہو جائے جسے بہتری پر محمول نہ کیا جا سکتا ہو تو ان کی طرف سے معذرت خواہی کی جائے اور انہیں نیک نیتی سے محروم نہ کیا جائے۔ سچ تو یہ ہے کہ اپنے بھائیوں کے لیے ایسا عذر تلاش کیا جائے جن سے اپنا سینہ صاف اور نفس خوش رہے۔

یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ ہماری یہ گذارش غلطیوں سے ان کی سلامتی کی دعوت نہیں ہے، اس لیے کہ ہر شخص خطاء کار ہے اور معزز و شریف وہ ہے جو کسی انسان کی بہت سی درستگی میں سے تھوڑی سی لغزش کو معاف کر دیتا ہے۔

اس سلسلے میں تمہارے لیے کافی ہے کہ خود کو بھی خطا کار سمجھو اور جب تم خود غلطی کرتے ہو اور اپنے لیے استغفار کرتے ہو تو کیا وجہ ہے کہ جب تمہارا بھائی غلطی کر رہا ہو تو اس کے لیے استغفار نہ کرو، اور ویسے ہی کہو جیسے موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کے ساتھ کیا تھا: "رب اغفرلي ولأخي، وأدخلنا في رحمتك وأنت أرحم الراحمين" کہ اے میرے رب! مجھے اور میرے بھائی کو بخش دے اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل کر دے اور تو ارحم الراحمین ہے۔

۴: خود کو الزام دے کر اور اپنے آپ کو بحث و نظر اور اختلاف کی جگہوں سے روک کر اور دوسرے کو گہری نظر اور طویل غور و فکر کے بغیر غلط قرار دینے سے پرہیز کرے۔

۵: اپنے بھائیوں کی تنقید یا ان کے خیالات کا کشادہ دلی کے ساتھ استقبال کر کے، اسے اپنے ناقد کی طرف سے اپنی مدد سمجھ کر اور یہ باور کرے اس کا مقصد تمہاری عیب جوئی یا تمہیں زک پہنچانا نہیں ہے۔

۶: فتنے اور شور و شغب کے مسائل سے پرہیز کرے۔

چنانچہ آجری نے اپنی کتاب "اخلاق العلماء" میں ذکر کیا ہے کہ جب کسی عالم سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جائے اور اسے معلوم ہو کہ یہ شور و شغب کا مسئلہ ہے اور مسلمانوں کے درمیان فتنے کا موجب ہو تو اس کو اس سے معذرت کر دینی چاہیے اور سائل کو اس سے بہتر اور مفید کی طرف پھیر دینا چاہیے۔

اسی ضمن میں یہ بھی داخل ہے کہ کوئی عالم لوگوں سے، خصوصیت سے کمسن طلباء سے، ایسی بات نہ کرے جس سے فتنہ پیدا ہو اور اساتذہ اور علماء کو چاہیے کہ طلباء اور بالخصوص کمسن طلباء سے بلند ہو کر رہیں۔ چنانچہ اگر تمہارا شاگرد تم سے کسی عالم کا قول بیان کرے جو تمہارے قول یا

تمہارے راجح قول کے مخالف ہو تو تمہارا فرض ہے کہ اپنے شاگرد کے ساتھ نرمی کرو۔ لہٰذا اگر اس عالم کے لیے نکلنے کی کوئی راہ پاؤ تو یا تو اسے وہ راہ بتا دو، یا اسے مخالفین کے ساتھ بھی حسن ادب کی تربیت دو اور اس میں اس کی عادت پیدا کرو۔

علماء نے اسی سبب سے یہ فرمایا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ عالم لوگوں میں ایسی بات نہ بیان کرے جس سے فتنہ پیدا ہو۔ لہٰذا اسے اپنے علم کی باریکیوں اور اس کے شذوذات میں سے جو اس کے آس پاس لوگوں کے عقل و شعور میں نہ آئے بحث سے پرہیز کرنا چاہیے۔

(۷) بہترین کلام کے انتخاب اور جارحانہ کلمات اور عیب جوئی و طعنہ زنی اور احمقانہ و جاہلانہ تعریض کی زہریلی عبارتوں سے پرہیز اور اسلامی ادب کا التزام کرے۔

اس کتاب میں اس معمولی اثاثے کے سلسلے میں اتنا ہی کہنا ممکن تھا اور اب میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ ہمیں اور آپ کو اس عمل کی توفیق دے جس سے محبت کرتا اور خوش ہوتا ہے اور درود و سلام نازل ہو محمد ﷺ اور آپ کی آل اور صحابہ پر۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

AL-FURQAN TRUST

الفرقان ٹرسٹ خان گڑھ ضلع مظفر گڑھ، گل والا فون: 066-2611270

مکتبة الکتاب: حق سٹریٹ، اردو بازار لاہور فون: 0321-4210145